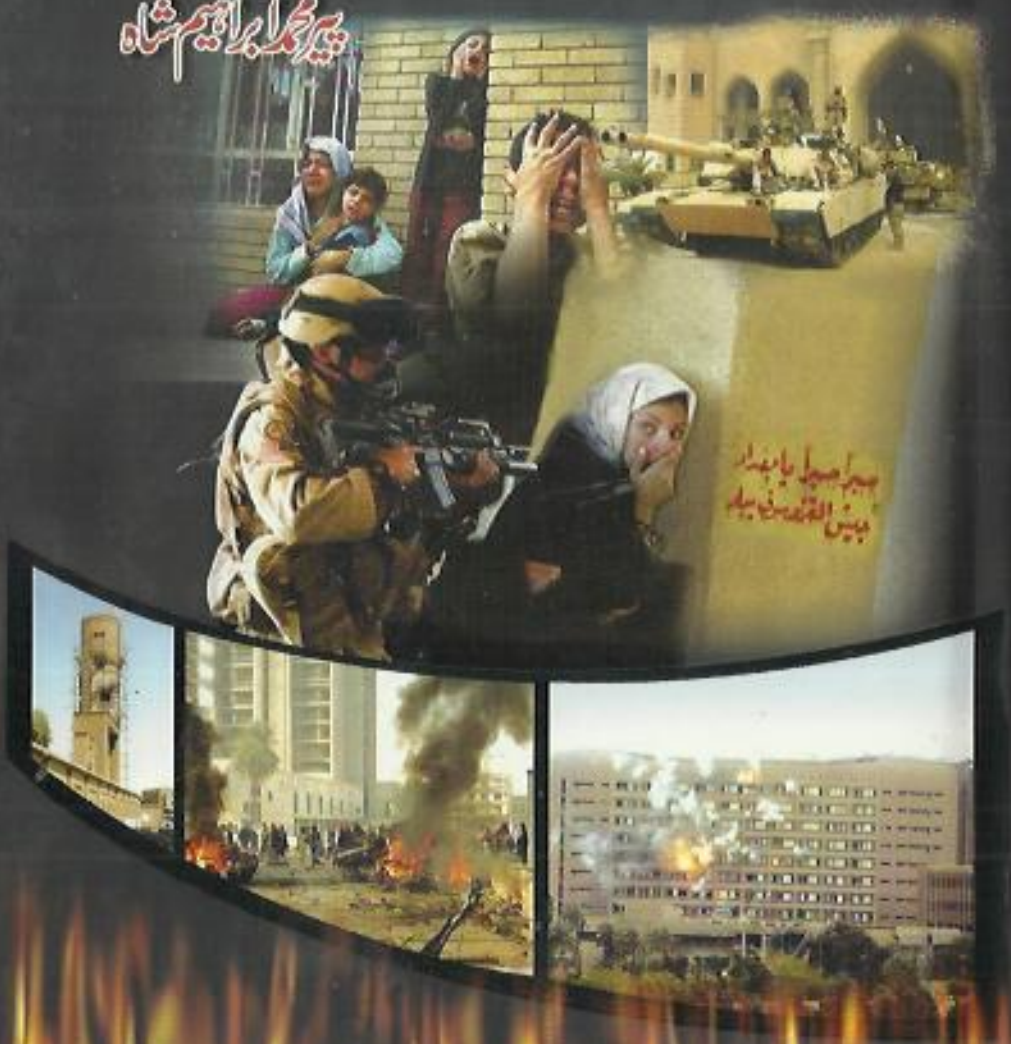
سلگتا بغداد

پیر محمد ابراہیم شاہ



یہ شہر دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کی تاریخ کا اہم ترین حصہ اور ان کی تہذیب کی نمایاں ترین علامت ہے۔ بغداد کئی صدیوں تک مسلم دنیا کا پایہ تخت رہا۔ مسلمانوں کے فکری اور روحانی ورثہ کے بہت سے حصے کی یہیں پرورش و پروان ہوئی اور اس نے یہیں پر عروج و کمال بھی حاصل کیا۔

مسلم تصوف اور روحانی دنیا کے نمایاں ترین نام شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں زندگی گزاری اور ان کا مرجع خلائق مزار بھی اسی شہر میں ہے۔ تفسیر، فقہ اور تصوف کے موضوعات پر اہم ترین کارناموں کا بغداد سے کسی نہ کسی طور تعلق رہا ہے۔ ثقافتی حوالے سے مسلم دنیا کی بہت سی روایات کی ابتداء بھی بغداد سے ہوئی اور تو اور ہماری بہت سی داستانوں کے کردار بھی بغداد کی سرزمین پر لکھی جانے والی کہانیوں ''الف لیلہ'' سے ہی مستعار ہیں۔ گویا بغداد مسلم دنیا کا ثقافتی، روحانی اور تہذیبی مرکز رہنے کی وجہ سے آج بھی مسلمانوں کے دلوں میں تقدیس اور محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

عراق پر امریکی حملے کے جہاں سیاسی پہلو ہیں وہاں مسلم دنیا کے اس پرانے مرکز کی تباہی کے جذباتی پہلو بھی ہیں۔ روحانیت کے مسافر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شہر کی تباہی پر خون کے آنسو روئے اور تاریخ کے طالب علم تہذیب و ثقافت کے حامل اور ماضی کی روایات کے امین، بغداد کی تباہی پر سر پیٹ کر رہ گئے۔

أعاينت فی طول من الأرض والعرض کبغداد دار إنها
جنة الأرض
''زمین کے طول وعرض میں تم نے بغداد جیسا کوئی شہر دیکھا ہے؟ بلاشبہ یہ
جنت ارضی ہے''۔

سلگتا بغداد

پیر محمد ابراہیم شاہ

ساگر پبلشرز
الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور
042-37230423
E-mail:-sagarpublishers@hotmail.com

فرمان الٰہی

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

یہ (ہار جیت) کے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں میں پھراتے رہتے ہیں

حدیث نبوی ﷺ

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

فہرست مضامین

عرض ناشر	11
پیش لفظ	12
تقریظ	14
وجہ سفر	15
روانگی	16
عمان میں	17
سیاحت اور زیارات	20
وادی شعیب	20
حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار پر حاضری	26
حضرت ابوعبیدہ کے مزار پر حاضری	27
شرجیل بن حسنہ کے مزار پر حاضری	30
اردن اسرائیل جنگ کی یادگار	31
بحر مردار	31
اردن اسرائیل بارڈر	32
غار اصحاب کہف	33
وادی اردن	34
تاریخ اور تہذیب	35
سوئے منزل	38
کرامہ بارڈر	38
قدیم عراق	41

ابتدا	42
وجہ تسمیہ	42
دریائے دجلہ	43
دریائے فرات	44
بابل	45
نینوا	48
جغرافیہ	49
سی آئی اے رپورٹ	50
تہذیب وثقافت	50
اسلام کی آمد	51
خلافت امویہ	52
خلافت عباسیہ	54
نجف اشرف	55
کوفہ	58
بصرہ	60
موصل	61
زیارات	63
پرانا بغداد	65
عروج وسقوط	65
پس منظر	66
بغداد کی وجہ	68
عظمت وشان	69
تاریخ	71

زوال وانحطاط	76
مدرسہ مستنصریہ	78
مدرسیہ نظامیہ	79
بیت الحکمت	82
جدید عراق	85
خلافت عثمانیہ امریکی نوآبادیاتی کالونی	85
پہلا قدم	86
نئے عراق کی بنیاد	87
ماڈرن عراق کی ابتدا	89
صدام عہد حکومت	92
بعث پارٹی	95
تیل پر سیاست	97
امریکی جارحیت	100
جھوٹ کا پول	105
صدام حسین	107
نیا بغداد	114
آبادی، بربادی	114
فردوس ارضی میں	117
پہلی نگاہ	119
پاکستانی ایمبیسی	120
صدام محل امریکن ہیڈ کوارٹر	125
روضہ غوث اعظم پر حاضری	126
امام اعظم کے مزار پر حاضری	138

میجر سیمز سے مکالمہ	152
امداد کی تقسیم	157
دربار غوثیہ پر تقسیم	161
مدر ٹریسا آرفن سنٹر میں	163
صدام چلڈرن ہسپتال میں	164
لیلیٰ کی کہانی	166
سعد کی داستان	170
حضرت سری سقطی کے مزار پر حاضری	174
حضرت جنید بغدادی کے مزار پر حاضری	177
حضرت معروف کرخی کے مزار پر حاضری	182
حضرت امام غزالی کے مزار پر حاضری	186
حضرت امام موسیٰ کاظم کے مزار پر حاضری	190
حضرت امام تقی کے مزار پر حاضری	194
عمائدین شہر سے ملاقاتیں	198
دربار غوثیہ پر الوداعی حاضری	203
آخری بات	206
اہل پاکستان کے لیے سبق	207
نظریہ پاکستان سے وابستگی	212
صبر اور برداشت کا جذبہ	214
جمہوریت کا فروغ	215
انسان وسائل کی قدر افزائی	216
تعلیمی ترقی	217
محب وطن لیڈر شپ	218

عرض ناشر

ادارہ ساگر پبلشرز کی کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے کوئی نئی اور اچھوتی قلمی کاوش پیش کرے جو معلومات افزا بھی ہو اور حقائق کشا بھی۔

اس وقت ہم ایک ایسی ہی حسین کاوش آپ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہے ہیں جسے یقیناً آپ سراہیں گے یہ "سلگتا بغداد"، پیرزادہ میجر محمد ابراہیم شاہ کا سفرنامہ بغداد ہے جو حضرت ضیاء الامت کے لخت جگر اور ادارہ ساگر پبلشرز کے ایم ڈی بھی ہیں۔

آپ نے یہ سفر مئی 2003ء میں امریکہ کے بغداد پر قبضے کے بعد کیا جس کا مقصد اپنے عراقی بھائیوں کی خدمت کرنا تھی۔ آپ بھاری تعداد میں ریلیف پیکیج لے کر بغداد گئے۔ وہاں زیارات سے بھی سعادت اندوز ہوئے۔ "دیر آید درست آید" کے مصداق آپ نے اپنے ان مشاہدات کو ترتیب دیا اور بڑی دردانگیزی، دلسوزی اور رقت آمیزی سے واقعات کی تصویر کشی کی ہے جسے پڑھ کر قاری کا دل پسیج جائے اور آنکھیں اشک فشاں ہو جائیں۔

نیز حقائق کو بڑی خوش اسلوبی سے قاری کے سامنے رکھا ہے تاکہ امریکہ کا جھوٹا پروپیگنڈہ کسی تاریخی حقیقت پر اپنی عیاری و مکاری کا پردہ نہ ڈال سکے۔ اردن، قدیم عراق اور جدید عراق کی تاریخ اور تہذیب پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اس بات کا کھوج لگایا جا سکے جو عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی یلغار کا سبب اور وجہ بنی ہے۔

حسب روایت ہم اسے عمدہ گیٹ اپ اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے آپ کو پسند آئے گی اور اسے پذیرائی بخشیں گے۔

ادارہ ساگر پبلشرز، لاہور

پیش لفظ

مارچ 2003ء میں امریکہ اور اس کے اتحادی ملکوں کی ننگی جارحت اور کھلی یلغار کے بعد انبیاء و اولیاء کی مقدس سرزمین عراق پر آگ اور بارود کی جو قیامت ٹوٹی، اس پر ہر دردمند انسان دکھی اور رنجیدہ تھا۔ قبلہ امی حضور بہت زیادہ دل گرفتہ ہوئیں۔ مجھے حکم فرمایا: بیٹا! جو جان و مال کسی کے کام نہ آسکے اس کا کیا فائدہ۔ میں نے عرض کی، آپ کا کہنا بجا، میں آپ کی بات سمجھا نہیں، فرمایا: جتنا ہوسکتا ہے مال اکٹھا کرو اور مشکل کی اس گھڑی میں شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے شہر بغداد کے باسیوں کی جا کر خدمت کر کے آؤ شاید اللہ تعالیٰ کو ہماری یہی نیکی پسند آجائے اور اسے ہماری بخشش و نجات کا وسیلہ بنا دے۔

میں نے عرض کی آپ کے حکم کی پوری تعمیل ہوگی اور آپ کی دعا سے میں یہ سعادت حاصل کروں گا۔ چنانچہ میں نے فوراً تیاری اور منصوبہ بندی شروع کر دی انگلینڈ میں ایک این جی او مسلم گلوبل ریلیف کو جب میرے اس پروگرام کا پتا چلا تو اس نے بھی مجھے اپنا ریلیف پیکیج ہمراہ لے جانے کا کہا، میں نے ان کا سامان بھی لے جانے کی ہامی بھر لی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے میرے لیے اس نیک اور مبارک سفر کے اسباب مہیا فرما دیے۔ شروع میں ویزے کے حصول میں کچھ دقت پیش آئی، مگر رب کریم نے اسے بھی حل فرما دیا۔

اس سفر نے مجھے بہت روحانی سرور اور ذہنی سکون بخشا، بغداد کی دکھی اور مظلوم انسانیت کی اشک شوئی کی سعادت میرے حصے میں آئی۔ بزرگوں کے مزارات پر حاضری کی برکات نصیب ہوئیں۔ اس نعمت کی ارزانی پر رب کریم کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

یہ سفر مئی 2003ء میں پیش آیا۔ سفرنامہ اب تک اس لیے ضبط تحریر میں نہ آسکا کہ ایک تو کچھ مصروفیات حائل رہیں، دوسرا کچھ طبیعت بھی قلم اٹھانے پر مائل نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی

خیال آتا تو ہمت نہ پڑتی تھی۔

آخر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق بخشی اور ہمت ارزانی فرمائی تو میں نے اپنے سفر کی یادداشتوں کو ترتیب دے کر انہیں ''سلگتا بغداد'' کے نام سے کتاب کی صورت دی تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کے لیے یہ تاریخ سے علم و آگہی کا ذریعہ بنے۔

میں نے قدیم عراق کی مختصر تاریخ ذکر کی ہے پھر اس کے بعد روداد سفر بیان کی ہے اور اسی کے ضمن میں جدید عراق کی تاریخ اور اس کے خدوخال کا نقشہ کھینچا ہے نیز بغداد پر ٹوٹنے والی اندوہناک قیامت کی ہولناکی اور وحشت کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے تاکہ اس کی عظمت رفتہ اور شوکت پارینہ بھی قاری کے سامنے ہو اور اس کی سطوت حاضرہ بھی کہ وہ خود تعین کرے کہ روئے زمین پر عراق کا خطہ کس طرح کا ہے اور بغداد کس پایہ کا علاقہ ہے۔

چونکہ براستہ عمان بغداد گیا تھا اس لیے اردن کی بھی مختصر تاریخ، تہذیب اور اس کی زیارات کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر میں پاکستانیوں کے لیے سبق کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔

میں اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں یہ تو آپ ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ مجھے اس اعتراف حقیقت میں کوئی باک نہیں کہ یہ میری پہلی کوشش ہے۔ میں نے اپنے طور پر اپنی یادوں اور مشاہدات کو پوری خوش اسلوبی سے ترتیب دینے اور سمونے کی کوشش کی ہے تاہم پھر بھی خطاء و سہو کا پورا امکان ہے ایسی کوئی لفظی فنی لغزش نظر آئے تو اسے میری کوتاہی تصور کریں۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور رحیم ہے وہ خطاؤں سے درگزر فرمانے والا ہے۔

یہ کتاب شاید پایہ تکمیل کو نہ پہنچتی اگر اس میں جناب محترم سہیل وڑائچ صاحب جیوٹی وی اور جناب ظہیر احمد بابر صاحب میری حوصلہ افزائی نہ کرتے۔

میں خصوصاً اپنی اہلیہ اور بچوں پیرزادہ محمود حیدر شاہ، پیرزادہ اورنگزیب شاہ اور رافع محمد کرم شاہ کا مشکور ہوں جنہوں نے اپنے وقت میں سے مجھے اس کتاب کو لکھنے کا وقت دیا اور میری معاونت کی۔

تقریظ

دیوان کریم پیر حافظ محمد امین الحسنات شاہ مدظلہ العالی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف

2003ء میں عراق کی مقدس سرزمین پر امریکہ اور اس کے حواریوں کی بربریت اور سفاکی پر ہر دردمند انسان دکھی ہوا۔ فقیروں کی یہ ریت ہے کہ جب ضرورت پڑتی ہے تو اپنی تسبیح وسجادہ چھوڑ کر رسم شبیری ادا کرنے میدان کارزار میں اتر پڑتے ہیں۔

میرے لیے یہ بات باعث صد افتخار واعزاز ہے کہ برادر عزیز پیر میجر محمد ابراہیم شاہ ان حالات میں قبلہ امی حضور کے حکم پر بغداد تشریف لے گئے جب اس کی پاک زمین پر امریکہ اپنے پلید قدم رکھ چکا تھا۔ ہر طرف آگ اور بارود کا ننگا راج تھا۔ ایسے میں وہاں جانا خود کو مصائب کے منہ میں جھونکنے کے مترادف تھا۔ یہ آپ کا بلند حوصلہ اور ایثار پیشہ جذبہ تھا جو آپ نے اپنے ضرورت مند عراقی بھائیوں کی اپنے ہاتھ سے خدمت کر کے مشکل کی اس گھڑی میں ان کی دادرسی اور اشک شوئی کی اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں خانوادہ ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خدمت قبول فرمائے۔

اس سے بھی باعث مسرت بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس مبارک سفر کی روداد اور مشاہدات کو لفظوں کا روپ دے دیا اور ہمارے ذوق مطالعہ کی تسکین اور علمی تشنگی کا سامان کر دیا۔ اگرچہ قلم کے میدان میں ان کا یہ پہلا قدم ہے۔ لیکن ایک منجھے ہوئے قلم کار کی طرح انہوں نے اپنے مشاہدات کو بڑی عمدگی اور شائستگی سے بیان کیا ہے اور واقعات کی تصویر کشی اور واقع نگاری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ زور قلم اور بڑھائے۔

انشاء اللہ مستقبل میں یہ تاریخ کی ایک اہم دستاویز ثابت ہوگی جو تاریخ پر پڑنے والے مکر وفریب کے غبار کو صاف کرتی رہے گی اور آنے والی نسل کو تاریخ کے صحیح حقائق سے روشناس کرتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ امین

وجہ سفر

عراق پر امریکی یلغار کے بعد یوں تو ہر دردمند انسان دکھی اور رنجیدہ تھا۔ عراقی بھائیوں پر ٹوٹنے والی اس قیامت پر آنسو بہاتا تھا۔ لیکن جو ذہنی کرب اور دلی صدمہ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور عقیدت رکھنے والے پاکستانیوں کو پہنچا وہ کہیں زیادہ تھا اور بیان سے باہر ہے۔

عراق کے مسلمانوں پر آنے والی اس آفت پر مخدومہ والدہ صاحبہ سخت پریشان اور مضطرب ہوئیں۔ انہیں شیر خدا رضی اللہ عنہ، نواسہ رسول رضی اللہ عنہ سے والہانہ محبت اور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے ان کے نام کی مالا جپتی تھیں۔ ان کی سیرت، ذات، شخصیت اور احیائے اسلام کے لیے ان کے کردار اور خدمات سے بڑی متاثر تھیں۔ وہ کبیدہ خاطر تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عراق پر پہلے حملے کے دن سے ہی تھیں لیکن جب انہوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور اسے مکمل اپنے کنٹرول میں کر لیا تو ان کے قلق اور اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا۔ انہیں کسی پل چین نہ تھا، بہت بے قرار ہوئیں۔ ہر وقت بیتابی سے یہی سوچتیں کہ ان حالات میں شیر خدا رضی اللہ عنہ کے شہر، نواسہ رسول رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ اور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وطن سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیسے کروں آخر بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے اس کا حل نکال ہی لیا۔

انہوں نے مجھے لاہور سے بھیرہ شریف طلب فرمایا۔ میں خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے حکم فرمایا:

''بیٹا! اس وقت عراقی مسلمان سخت مشکل اور مصیبت میں ہیں۔ انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم امداد لے کر بغداد جاؤ اور ان کی مدد کر کے آؤ۔ یہ ان بزرگوں سے محبت کا تقاضا ہے۔ ہم ان کے دکھوں کا مداوا تو نہیں کر سکتے مگر ان کا درد تو بانٹ سکتے ہیں۔ کسی کی دادرسی ہو جائے اس سے بڑھ کر کیا نیکی ہو سکتی ہے''۔

روانگی

سو میں نے امی مخدومہ کے حکم پر بغداد جانے کی ہامی بھر لی اور انسانی ہمدردی کے اس مشن پر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنے دوستوں سے رابطہ کیا اور انہیں اپنے پروگرام کے بارے بتایا۔ اسی دوران انگلینڈ کی مسلم گلوبل ریلیف کو میرے پروگرام کے بارے پتا چلا اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ ہم بھی اپنے عراقی بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ سو میں ان کا امدادی سامان بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔ میں نے اس کی بھی ہامی بھر لی اور ان سے سامان لے جانے کا وعدہ کر لیا۔

ذاتی تیاری کے بعد سب سے اہم کام ویزے کا حصول تھا۔ کیونکہ بغداد پر امریکی قبضے کے بعد عراق کی ایئر ٹریفک بند کر دی گئی اور اسے نو فلائی زون (No fly zone) قرار دیا دے دیا گیا تھا۔ اب بغداد پہنچنے کے لیے صرف زمینی راستہ باقی تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے میں نے شام کی ایمبیسی سے رجوع کیا۔ انہوں نے مجھے ایک ہفتے کا وقت دیا اور کہا کہ ویزہ ملنے میں تین ماہ لگیں گے۔ مجھے ان کا یہ جواب سن کر بڑی پریشانی ہوئی۔ میں نے انہیں کہا کہ میں عراق میں اپنے مظلوم اور مجبور بھائیوں کی مدد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور وہاں جلد پہنچنا چاہتا ہوں۔ اہلکار نے کہا ہماری مجبوری ہے۔ ہم تین ماہ سے پہلے ویزہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد میں نے اردن کی ایمبیسی سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور تین ماہ بعد ویزہ دینے کا کہا۔ مجھے ایک بار پھر مایوسی ہوئی۔

تاہم میں نے کچھ ہمت کی۔ ایمبیسی کے سیکرٹری سے ملا اور انہیں بتایا کہ میں ایک مقصد کے لیے جلد عراق جانا چاہتا ہوں اور وہ ہے مشکل کی اس گھڑی میں اپنے عراقی بھائیوں کی امداد کرنا۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ سننے اور ماننے کے بعد بھی اپنی مجبوری ظاہر کی۔ تاہم میں نے آخری کوشش کی۔ انہیں بتایا کہ میرا تعلق جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے سے ہے، میں ان کا بیٹا ہوں تو یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور بڑی محبت کا اظہار کیا۔ پیر صاحب کے عمل و کردار کو سراہا اور بڑی عقیدت و محبت سے ان کی ہمہ جہت خدمات اور ہمہ گیر شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے مجھے اس مسئلے کا ایک حل بتایا کہ آپ اپنے دفتر خارجہ جائیں اور وہاں سے تعارفی لیٹر ایشو کروا کے لے آئیں تو آپ کا کام جلد ہو جائے گا۔

چنانچہ میں ایمبیسی سے دفتر خارجہ پہنچا۔ وہاں اپنے ایک قریبی دوست کے ذریعے تعارفی لیٹر حاصل کیا۔ تعارفی لیٹر لے کر میں دوبارہ اردن ایمبیسی گیا اور انہیں تعارفی لیٹر پیش کیا۔ انہوں نے اسی دن 03-05-23 سے 03-09-08 تک تین ماہ کا ویزہ جاری کر دیا۔ اس طرح ویزا ملنے پر ایک مشکل تو حل ہوئی اور اگلا مرحلہ شروع ہوا۔

عمان میں

ویزہ حاصل کرنے کے بعد میں نے اردن کی ٹکٹیں بک کروائیں۔ اس سفر میں مشہور صحافی جناب حارث اسمٰعیل ساگر بھی میرے شریک سفر تھے اس سفر میں ان کی رفاقت میرے لیے باعث تقویت رہی۔ ہم ایمریٹس ایئر لائن سے دوبئی کے راستے اردن پہنچے۔ دوبئی ایئر پورٹ پر کچھ مسافر اترے اور ان کی جگہ کچھ اور نئے سوار ہوئے۔ دوبئی حسن تعمیر کا شاہکار بڑا وسیع انٹرنیشنل ایئر پورٹ ہے۔ ہر وقت آمد و رفت کی وجہ سے یہاں خوب رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ اور اردن کے دارالحکومت عمان کے ایئر پورٹ پر اترے۔ عمان کا ایئر پورٹ درمیانے درجہ کا ہے۔ اس کی بلڈنگ اور رن وے کچھ بڑا نہیں۔ مگر سیکورٹی اور چیکنگ کا نظام بہت سخت ہے۔ مسافروں اور سامان کی پوری طرح چیکنگ اور کاغذات کی

جانچ پڑتال ہوتی ہے۔

عمان میں پاکستانی ایمبیسی کے ملٹری اتاشی کرنل شاہد تھے۔ انہیں ہماری آمد کی پہلے سے اطلاع تھی۔ انہوں نے مہربانی فرمائی اپنے سٹاف کا خاص آدمی ایئر پورٹ بھیج دیا۔ جس نے پسنجر لاؤنج میں ہی ہمارا استقبال کیا اور جلدی سے ہمارا سامان کلیئر کرایا وہ وہاں سے سیدھا ہمیں ایک ہوٹل لے گیا۔ کرنل صاحب نے اپنے فوجی مزاج اور ذوق کے مطابق لا رائیل ہوٹل میں ہمارے قیام کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ یہ عمان کا مہنگا ہوٹل ہے۔

اردن کا راستہ ہم نے اس لیے اختیار کیا کہ عراق پر امریکہ کے قبضے کے بعد فضائی راستہ بند تھا۔ اسے نوفلائی زون قرار دے دیا گیا تھا۔ عمان سے بذریعہ روڈ ہی عراق جایا جا سکتا تھا۔ عمان کی آب و ہوا بڑی خوشگوار تھی۔ جون میں بھی موسم بہت خوشگوار تھا۔ وہاں کے دوستوں نے بتایا کہ یہاں سردیوں میں برف بھی پڑتی ہے۔ عمان کے موسم نے اپنی خوشگواری اور ٹھنڈک سے ہمیں مسحور کر دیا۔ ہم صبح صبح واک کے لیے نکلے اور بڑے محظوظ ہوئے۔ بعد میں کرنل صاحب بھی آ گئے ہماری خیریت دریافت کی۔ پھر وہ ہمیں پاکستانی قونصلیٹ لے گئے اور کونصلر جنرل جناب عبدالحمید صاحب سے ہماری ملاقات کرائی۔ عبدالحمید صاحب حافظ طارق احمد جو اس وقت بھیرہ شریف میں مجسٹریٹ تھے، کے عزیز ہیں۔

قونصلر جنرل صاحب نے مجھ سے پوچھا، آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟ میں نے انہیں لا رائیل ہوٹل کا بتایا۔ تو وہ کہنے لگے، وہ تو بہت مہنگا ہے، آپ وہاں کیسے چلے گئے؟ میں نے انہیں بتایا، ہمیں تو اس کے بارے کچھ پتا نہیں تھا اور نہ ہم کسی دوسرے ہوٹل کے بارے جانتے ہیں۔ کرنل صاحب نے ہمارے لیے ریزرو کرایا تھا۔ ہم تو مزے اٹھا رہے ہیں۔

انہوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ آپ ایمبیسی کے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں وہ سستا بھی ہے اور آپ کے لیے موزوں بھی۔ ہم نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ ہم لا رائیل ہوٹل سے ایمبیسی کے ہوٹل میں منتقل ہو گئے جہاں ہمیں معقول کرایے پر دو بیڈ کا کمرہ مل گیا۔

ہوٹل منتقل ہونے کے بعد ہم نے قونصلر جنرل سے ان کے دفتر میں جا کر ملاقات کی

اور انہیں اپنی آمد کا مقصد بتایا کہ ہم بغداد جانا چاہتے ہیں اور وہاں جا کر اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ محکمہ اوقاف کے چیئرمین سے ملیں ایسے جملہ معاملات کو وہی ڈیل کرتا ہے۔ یہاں سے ہم محکمہ اوقاف کے دفتر گئے۔ وہاں ہاشمی چیریٹیز کا شعبہ تھا۔ ہم چیئرمین اوقاف سے ملے اور انہیں اپنے آنے کا مقصد اور پروگرام بتایا۔ انہوں نے جواب دیا، آپ جو امدادی سامان بھیجنا چاہتے ہیں ہمیں دے دیں، گورنمنٹ اردن خود اسے بغداد پہنچا دے گی۔ میں نے کہا نہیں ہم خود بغداد جا کر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا، جناب! معذرت اردن حکومت کی طرف سے اجازت نہیں۔ مجھے ایک بار پھر پریشانی ہوئی۔ میں اوقاف کے منسٹر کے پاس گیا اور انہیں اپنا تعارف کرایا اور اپنے والد گرامی کے بارے بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بڑے تپاک سے ملے۔ ہمیں بتایا اسلام آباد میں ایک دفعہ میری پیر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ بڑے نفیس اور عظیم انسان تھے۔ جامعہ الازہر کے حوالے سے پیر صاحب کی بڑی تعریف کی اور کئی یادوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے اپنے سٹاف کو خصوصی حکم دیا کہ ان کے لیے فوراً اجازت نامہ تیار کرو۔ انہوں نے اسی وقت اجازت نامہ تیار کر دیا۔ ہم نے منسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد جو کوئی دوسرے ضروری کام کرنے تھے وہ کیے بازاروں میں گھومے پھرے، کچھ کام نبٹائے۔ فارغ ہو کر کھانا کھایا اور اپنے ہوٹل واپس آ گئے۔

اگلے روز ہم ایمبیسڈر جناب سلیمان بشیر صاحب سے ملنے اپنی پاکستانی ایمبیسی گئے۔ سلمان بشیر صاحب بہت مخلص اور محب وطن پاکستانی ہیں۔ اس وقت سیکرٹری خارجہ ہیں۔ ان سے بڑے خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوئی۔ ہم نے انہیں اپنی آمد اور مقصد کے بارے بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے، چاول خریدتے وقت پاکستانی چاول خریدنا۔ ہمیں ان کا یہ جذبہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ان کے جذبہ حب الوطنی نے مجھے بڑا متاثر کیا۔ ایسے محب وطن لوگ ہی اپنے ملک کا وقار اور آبرو ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ملک و قوم کی عزت کا نشان ہوتے ہیں۔

یہ پورا دن ہم نے مختلف اسٹورز دیکھنے میں گزارا۔ ان سے مختلف چیزوں کے ریٹس معلوم کیے۔ آخر کار ایک فلسطینی اسٹور ہمیں پسند آیا۔ ایک تو وہ فلسطینی مسلمانوں کا تھا۔ فلسطین اور فلسطینی بھائیوں سے عقیدت اور محبت فطری امر ہے۔ دوسرا اس کے ریٹس باقی سب اسٹورز سے زیادہ مناسب اور سستے تھے۔ چنانچہ ہم نے انہی سے سامان خریدنے کا فیصلہ کیا۔ میں اس کے سیل منیجر سے ملا اور اسے ان چیزوں کا آرڈر دیا جو ہمیں درکار تھیں۔ میں نے اسے سامان کی پیکنگ اور فوری ڈلیوری کا بھی کہا۔ اس نے کہا ہم آپ کو بڑی خوبصورت پیکنگ اور فوری ڈلیوری کے ساتھ سامان دیں گے۔ آپ ہمیں دو دن دیں سامان اکٹھا کرنے اور اس کی پیکنگ میں کم از کم ہمیں دو دن لگیں گے۔ میں نے کہا آپ کام شروع کروائیں۔ ہم دو دن انتظار کر لیتے ہیں۔

سیاحت اور زیارات

اس طرح عمان میں ہمیں دو دن کے لیے فرصت مل گئی۔ سوچا فرصت کا یہ وقت کیسے گزارا جائے۔ آخر طے پایا کیوں نہ عمان کی سیاحت اور زیارات کر لی جائیں۔ سو پروگرام ترتیب دیا اور زیارات کے لیے روانہ ہوئے۔ اردن میں وادی شعیب کے آثار اور کھنڈرات ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ عامر بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کرام اور صوفیائے عظام کے مزارات وادی شعیب، وادی اردن اور اردن اسرائیل جنگ 67ء کی یادگار ہے۔ بحر مردار اور اصحاب کہف کا غار ہے۔

وادی شعیب

دو دن تھے ہم نے شیڈول کچھ اس طرح کا بنایا کہ ہم کم وقت میں زیادہ سے زیادہ سیاحت اور زیارات سے محظوظ اور سعادت اندوز ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے وادی شعیب کی زیارت کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار پر حاضری دی۔ آپ کی قوم مدین کی بستی کے کھنڈرات اور آثار دیکھے۔ یہ وادی عمان سے براستہ سلط شہر کوئی ایک گھنٹے کی مسافت پر

ہے اس کا بڑا شہر الفاہید ہے۔ اس کے ایک طرف قوم لوط کا علاقہ ہے اور اس سے تھوڑے فاصلے پر قوم ثمود کا علاقہ آجاتا ہے چھوٹا سا سلسلہ کوہ اسے وادی اردن سے الگ کرتا ہے۔ شہر سے چند کلو میٹر باہر نکلیں تو حسین اور پر کیف مناظر، گھنے سبزے اور رنگ رنگ کے پھولوں سے سجے پہاڑ آپ کو دعوت نظارہ دیتے دکھائی دیں گے۔ جناب مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے بی بی قطورا کے بطن سے، ان کی اولاد اسی نسبت سے بنو قطورا کہلائی۔

حضرت مدین اپنے خاندان کے ساتھ حجاز میں آباد ہوئے۔ جلد ہی یہ خاندان بڑا قبیلہ بن گیا، آبادی بڑھنے پر اس نے بحر قلزم کے مشرقی کنارے عرب کے شمال مغرب میں ایسی جگہ آبادی اختیار کی جو شام سے متصل حجاز کا آخری علاقہ ہے

مصر اور فلسطین جانا ہو تو یہ علاقہ راستے میں پڑتا تھا اور اس کے کھنڈرات دکھائی دیتے تھے۔ قرآن مجید نے انہیں اصحاب ایکہ کہہ کر پکارا ہے اور ان کے بارے بتایا ہے کہ یہ بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔ سرسبز و شاداب اور خوبصورت، رنگ دار پھولوں سے بھری جھاڑیاں، وادی شعیب بھی پھولوں کے چمن زاروں اور پھلوں کے باغوں میں گھری اور لدی ہوئی تھی اس لیے اسے ایکہ کہا گیا۔

آب و ہوا کی لطافت، نہروں کی کثرت، آبشاروں کی بہتات نے اس علاقہ کو اس قدر سرسبز، شاداب، زرخیز اور پر فضا بنا دیا تھا کہ یہاں جگہ جگہ پھلوں، پھولوں اور میووں کے باغات اور چمن زار دیکھنے والے کو اپنے حسن اور رعنائی سے مسحور کر دیتے تھے۔

ان کا پیشہ تجارت تھا۔ بلسان، لبان اور صنوبر سے بنی خوشبودار پروڈکٹس مصر اور دوسرے علاقوں کو ایکسپورٹ کرتے تھے۔ دولت اور مال کی فراوانی تھی جس سے وہ بڑے مرفہ حال تھے اور ترقی و خوشحالی کی اوج پر تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے رب کریم کے اس انعام پر شکر ادا کرتے الٹا وہ برائیوں میں پھنس گئے۔ یہ ترقی اور خوشحالی انہیں راس نہ آئی۔ زمین کی زرخیزی، باغوں کی شادابی اور دولت کی فراوانی نے انہیں غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا وہ اس ترقی کو اپنی ذاتی میراث اور خاندانی ہنر سمجھنے لگ گئے۔ خدا کی یاد سے یکسر غافل ہو

گئے۔ حقوق العباد میں عدل و انصاف سے کام نہ لیتے، مظلوم کی فریاد نہ سنتے، فساد بپا کرتے، خرید و فروخت کے وقت کم تولتے اور پورا لیتے۔ معاملات میں دھوکہ دہی، ملاوٹ، لوٹ ان کے مزاج کا خاصہ بن گیا۔

سنت الٰہی کے مطابق غیرت حق حرکت میں آئی اور انہیں راہ راست پر لانے اور راہ حق دکھانے کے لیے اپنے بندے حضرت شعیب علیہ السلام کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ان کو توحید کی دعوت دیں اور رشد و ہدایت کی راہ دکھائیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کے خاندان میں سے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (الاعراف)

''اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو نہیں تمہارا ہے کوئی اس کے بغیر۔ بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیز میں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو''۔(1)

مگر قوم کے مغرور سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت ٹھکرا دی۔ ان کی ایک نہ سنی، عوام کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا اور انہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی بات سننے سے باز رکھا۔ آخر زلزلے نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے جو کبھی بڑے سرکش اور مغرور تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝

۱۔ جمال القرآن

''اور آلیا خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے تھے''۔(ہود)(1)

چنانچہ اہل مدین پر ایسا ہی عذاب آیا جیسا حضرت نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کی قوموں پر آیا۔ ان کی تباہی میں ہمارے لیے بھی درس عبرت ہے کہ اللہ کی یاد سے غافل ہونا، اس کی حدود کو توڑنا، اس کے احکام سے سرتابی کرنا بھی اسے ناپسند ہے اور اس کے بے بس مجبور بندوں پر ظلم کرنا بھی اسے گوارا نہیں۔

میں ماضی میں چلا گیا۔ تصور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اور جلیل القدر پیغمبر اور کلیم حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام یاد آ گئے وہ کیا وقت تھا جب جوانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ سے مصر میں ایک قبطی مر گیا تو آپ یہاں اردن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لے آئے ایک عرصہ آپ کے پاس رہے، آپ کی خدمت کی، آپ کی بھیڑ بکریاں چرائیں۔ پھر انہوں نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت صفورہ کا آپ سے عقد کر دیا اس طرح حضرت شعیب جناب موسیٰ علیہما السلام کے سسر اور وہ آپ کے داماد بنے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اسی طرح اشارہ کیا ہے:

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حضرت شعیب بڑی شان کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شیریں کلامی اور حسن خطابت سے نوازا تھا۔ فصاحت و بلاغت اور تقریر و بیان میں منفرد مقام تھا۔ خطیب الانبیاء تھے۔ جب آپ کی قوم اپنے تمول، دولت مندی اور خوشحالی کو اپنے آباؤ اجداد کی وراثت سمجھنے لگی، زمین کی زرخیزی اور باغوں کی شادابی کو اپنی محنت خیال کرنے لگی تو ان میں اللہ

۱۔ جمال القرآن

تعالیٰ کی شکر گزاری کی خو جاتی رہی تو نتیجۃً ان میں کئی مرض پیدا ہو گئے۔ وہ دولت پرستی کے ساتھ بت پرستی بھی کرنے لگ گئے۔ شرک شروع کر دیا۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنا عادت بنالی۔ جعل سازی اور ملاوٹ کرنا، دوسروں کا حق مارنا اور ظلم کرنا اپنا شعار بنالیا۔ جب ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت اس حد تک ابتر ہوئی تو آپ نے ان کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا۔ راہ راست پر لانے کے لیے انہیں ایک خدا کی عبادت کی تاکید کی۔ شرک اور بدعملی چھوڑنے کا کہا۔ اپنی قوم کو فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ (ہود)

''اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں (نیز) نہیں چاہتا مگر (تمہاری) اصلاح (اور دوستی) جہاں تک میرا بس ہے اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے میری عداوت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر) مبادا ہے تمہیں بھی پہنچے ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار

1۔ جمال القرآن

کرنے والا ہے''۔(1)

اس درد انگیز اور عبرت آمیز دعوت کا قوم پر ذرا اثر نہ ہوا۔ الناسر داران قوم کہنے لگے:

''اے شعیب! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تیری اکثر باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور دوسری بات یہ کہ جس راست بازی اور ایمانداری کا تم کہتے ہو اگر ہم اس کی پیروی کریں تو ہم تباہ ہو جائیں، ہماری تجارت کا کیا ہوگا وہ تو برباد ہو جائے گی ہم دنیا کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ پر آباد ہیں۔ اگر ہم قافلوں کو نہ لوٹیں اور آرام سے گھر بیٹھ جائیں تو جو سیاسی اور معاشی فوائد ہمیں آج حاصل ہو رہے ہیں وہ تو ختم ہو جائیں گے۔ ہم اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ دوسری قوموں پر ہمارا دھونس قائم نہیں رہے گا''۔

ان کی اس ڈھٹائی، ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود آپ نے انہیں خبردار کیا:

''اگر تم لوگوں نے یہ غلط روش ترک نہ کی تو یاد رکھو اللہ کا قانون حرکت میں آجائے گا اور تمہیں نیست و نابود کر دے گا''۔

آخر کار حضرت شعیب علیہ السلام بحکم الٰہی یہ فرما کر بستی سے باہر تشریف لے گئے:

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ (الاعراف)

''اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا دیے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں تو (اب) کیونکر غم کروں کافر قوم (کے ہولناک انجام پر)''۔(1)

چنانچہ اس سرکش اور نافرمان قوم کا بھی وہی انجام ہوا جو اس سے پہلی قوموں کا حشر ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

1۔ جمال القرآن

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (ہود)

''اور جب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے''۔(1)

سورۂ اعراف میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۛ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف)

''پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں گرے پڑے تھے جن (بدبختوں) نے جھٹلایا تھا شعیب کو (اور یوں نابود کر دیے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے''۔(2)

یوں ایک متکبر، متمرد اور سرکش قوم صفحۂ ہستی سے اپنی معصیت کے باعث مٹ گئی۔ اس کا علاقہ اور زمین اسی طرح باقی ہے۔ مورخین کہتے ہیں، مدین پر عذاب قوم لوط پر عذاب کے کوئی چھ سات سو سال بعد آیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار پر حاضری

وادی شعیب خوبصورت ڈھلوانوں میں گھری ہوئی ہے۔ ان میں ایک نسبتاً بلند اور سرسبز گھنے درختوں کے جھنڈوں میں گھرے پہاڑ پر ایک سفید ماربل کی بنی ایک حسین پرشکوہ مسجد زائرین کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ مسجد شعیب علیہ السلام ہے جس کے احاطے میں خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار اقدس ہے۔ جیسے ہی ہم نے مزار شریف کی طرف

1۔ جمال القرآن 2۔ ایضاً

قدم اٹھایا آنکھیں فرط محبت وعقیدت اور ادب واحترام سے بچھتی چلی گئیں اور گردن خم ہوتی چلی گئی۔ دل حاضری کی نعمت ملنے پر باغ باغ ہو گیا اور زبان الحمدللہ کا ورد کرنے لگی۔

آپ کے مرقد انور سے کوئی خاص مہک آ رہی تھی جس نے ہمیں وہ سرور بخشا کہ بیان سے باہر ہے۔ آج وہ سب بیماریاں ہمارے اندر ہیں جو قوم مدین میں تھیں۔ جعل سازی، ملاوٹ، لوٹ، افترا بازی، رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، سودے بازی میں ڈنڈی ماری، حدود شکنی، حسد، کینہ، جھوٹ، عیب جوئی، سود بازی اور طمع وحرص وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کرم اور لطف کے صدقے ایسے عذاب اور سزا سے محفوظ رکھے۔

حاضری کا کیف اور سرور طاری تھا۔ اسی کیف میں ہم پہاڑ سے نیچے اترے۔ تصور میں اس دور کی کئی باتیں گھوم رہی تھیں۔ اس قوم کی عظمتیں بھی اور پستیاں بھی۔

''الٰہی! یہ تیرے پاک پیغمبر شعیب علیہ السلام ہیں انہیں تو نے اپنے ان گمراہ بندوں کی رشد وہدایت کے لیے بھیجا جو تیرے بندوں پر ظلم کرتے، کاروبار اور تجارت میں خیانت سے کام لیتے، ناپ تول میں بددیانتی کرتے۔ تیرے اس نبی نے انہیں سمجھایا، انہیں اس کے انجام بد سے ڈرایا۔ مگر انہوں نے تیرے نبی کی مخلصانہ دعوت کو ٹھکرا دیا، اپنے کبر ونخوت میں انہیں جھٹلا دیا تو نے انہیں عذاب میں مبتلا کر کے دنیا سے نیست ونابود کر دیا۔

باری تعالیٰ! ہم بھی انہی بیماریوں میں مبتلا ہیں اپنے اس برگزیدہ پیغمبر کے صدقے ہمیں ان بیماریوں سے بچا، ہم سے حقوق العباد کی بڑی پامالی ہوتی ہے، تیرے پاک نبی علیہ السلام نے تجارت اور کاروبار کے جو اصول ہدایت فرمائے ہیں ہمیں انہیں اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں اس عذاب سے بچانا جو آپ کی قوم پر آیا۔ ہمیں رزق حلال سے نوازنا اور اپنی راہ سے کبھی غافل نہ کرنا۔ کسی حالت میں ہمیں اپنی رحمت سے دور نہ کرنا، آمین''۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضری

حضرت شعیب علیہ السلام کے روضہ اقدس کی زیارت کے بعد ہم نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضری دی اور ان کی زیارت

سے سعادت اندوز ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتح شام ہیں۔ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ حضور اقدس ﷺ نے امین الامت کے خطاب سے نوازا۔ اپنے کمال ایمان کے سبب عشرہ مبشرہ میں ٹھہرے۔

حضرت ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں جہاد میں شریک رہے۔ عہد فاروقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کے بعد شام کی اسلامی افواج کے سپہ سالار بنے اور شام پر اسلام کی فتح کا پرچم لہرایا۔ طاعون عمواس میں طاعون کا شکار ہوئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اب یہیں اردن میں ابدی آرام فرما رہے ہیں۔

آپ نے دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غیرت ایمانی اس قدر تھی کہ غزوہ بدر میں اپنے کافر باپ کو تلوار کے وار سے قتل کر دیا۔ عشق رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ غزوۂ احد میں زرہ کی کڑیاں پیوست ہونے سے جب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہوا تو آپ نے کڑیوں کو اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالا۔ آپ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ لیکن کڑیاں نکال کر دم لیا۔ سیاسی تدبر اور عسکری حکمت سے مال مال تھے۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے پر آپ کی بھی گواہی ثبت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب جانشین مقرر کرنے کی نوبت آئی تو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ ہی کا نام پیش کیا۔ مگر آپ اٹھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا: ''ابوعبیدہ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے''۔(1)

اس کے بعد سقیفہ میں موجود مہاجرین و انصار والہانہ طور پر آگے بڑھے اور بیعت کی۔ یوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہو گئے۔

آپ نے شام کے معرکوں میں وہ عسکری جوہر دکھائے کہ رومی طاقت نابود ہو گئی، ان کی شوکت جاتی رہی، انہوں نے وہ ذلت اٹھائی کہ پھر وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کر سکے۔ فتح

1۔ ابونعیم اصبہانی: معرفۃ الصحابہ

حمص کے بعد جب آپ دوسرے محاذ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے اہل حمص سے وصول کیا ہوا جزیہ انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ جزیہ جان، آبرو اور مال کی حفاظت کا ٹیکس ہے۔ جب ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو ہم وصول کرنے کے بھی مجاز نہیں۔ اہل حمص آپ کے اس طرز عمل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ عسکری دیانت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

سادگی اور درویشی کی یہ حالت تھی کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں دمشق کے دورے پر تشریف لائے تو دیکھا، آپ کے پاس ایک تلوار، ڈھال اور کجاوہ تھا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: ''جناب ابوعبیدہ! کچھ ضروری سامان تو اپنے لیے رکھیے۔ جواب دیا: ''میرے لیے یہی بہت ہے''۔

یہ تھی افواج اسلامی کے عظیم سپہ سالار اور فاتح شام و دمشق کی کل کائنات جس کی قاہرانہ حکمت نے سلطنت روما کی سطوت کو خاک میں ملا دیا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا مزار فحل کے علاقے میں ہے جو وادی اردن میں واقع ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں فحل کا معرکہ اسی جگہ ہوا۔ یہاں ایک مقام جابیہ ہے جہاں حال ہی میں ایک جدید خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار کو حکومت اردن نے حال ہی میں نئے سرے سے تعمیر کیا ہے اور اس کی زیب و آرائش کی ہے۔ جدید اور خوبصورت سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے۔ قبر کا تعویذ زمین سے بلند ہے۔ سامنے ایک تختی نصب ہے جس پر آپ کا نام اور دوسری تفصیل لکھی ہوئی ہے۔ حسب روایت مزار کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد، جدید مدرسہ اور لائبریری بھی قائم کی گئی ہے۔ عمارت کی جگہ وسیع اور کھلی ہے۔

مزار پر حاضری کے وقت کیفیت ناقابل بیان ہے۔ نبی کریم ﷺ کے درویش صفت سپاہی کی پرشکوہ آخری آرام گاہ دیکھ کر بے ساختہ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ فرط محبت سے آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ہو گیا۔ تصور میں وہ منظر گھومنے لگا کہ یہ وہ صحرا نشین ہے جس کے

آگے روما ایمپائر لرزتی تھی۔ اس ہستی نے رومیوں کی عظمت اور شوکت کو اپنے پاؤں تلے روندڈالا تھا اور قیصر کی سرزمین پر دین اسلام کی عظمت اور شوکت کے پھریرے لہرائے۔

پہلے مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے پھر مرقد انور پر سلام کے لیے حاضر ہوا۔ کیا کیف آگیں روح پرور فضا تھی۔ بیان سے باہر ہے۔ چوکھٹ اور قبر کے بوسے لیے۔ قرآن پاک کی تلاوت کی، درود پڑھا۔ جناب امین الامت کی روح پاک کو ایصال ثواب کے بعد التجا کی:

''بارالٰہ! ہمارا وطن پاکستان اس وقت اندرونی و بیرونی دشمنوں کے نرغے میں ہے۔ دشمن نے ہر طرح سے یلغار کر رکھی ہے۔ اپنے اس نیک بندے اور اپنے رسول کے پیارے صحابی کے طفیل ہمیں ایمان کی پختگی عطا فرما۔ غیرت وحمیت سے نواز۔ ہمیں وہ جرأت اور ہمت دے کہ ہم دشمن کی آنکھ میں آنکھ ڈال سکیں۔ اس کی چالوں کو ناکام کر سکیں۔ جیسے تو نے اپنے اس بندے کو ہر میدان میں فتح وکامرانی سے نوازا، ان کے قدموں کو چھونے والے ذروں کے صدقے ہمیں بھی ہر محاذ میں کامیاب فرما۔ ہمارے ملک کو ہنود، یہود اور نصاریٰ کی میلی آنکھ سے بچانا کہ اس سرزمین میں تیرے اس مقبول بندے کے عقیدت مند رہتے ہیں۔ ہمارے اس جذبے کی لاج رکھنا اور ہماری حفاظت فرمانا ہمیں کسی دشمن کے سامنے رسوا نہ کرنا ہماری جانوں کی، آبروؤں کی اور ملک کی حفاظت فرمانا اسے سدا سلامت رکھنا تا قیامت رکھنا۔ آمین''۔

شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جرنیل صحابہ میں سے ہیں۔ عسکری قابلیت اور فوجی اہلیت سے مالا مال تھے۔ افواج اسلامی کے سپہ سالار رہے۔ آزمودہ اور تجربہ کار تھے۔ فتوحات شام میں بڑا کردار ادا کیا۔ طاعون عمواس میں شہادت پانے کے سبب حضرت ابو عبیدہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی جگہ لشکر اسلام کی کمان کی اور داد شجاعت دی۔ کچھ عرصہ اردن کے حاکم بھی رہے۔

آپ کے مزار پر بھی حاضری کا بڑا سرور آیا۔ ایک کیف تھا جس نے پورے بدن کو

عجیب حالت سے دوچار کر دیا۔ فضا میں ایک دبدبہ تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کے اس سپاہی کی روح اسلام کے دشمنوں کو تاک رہی ہے اور اسے نابود کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

آپ کے حضور بھی اپنی، اپنے خانوادے، اپنی قوم، اپنے ملک اور امت محمدیہ کے ایمان کی سلامتی، جان کی سلامتی، آبرو کی سلامتی اور کردار کی سلامتی کی درخواست کی اور اصلاح احوال کی التجا کی۔

یہاں اور بہت سے صحابہ کرام کے مزارات بھی ہیں جو یہاں جہاد کرنے آئے تھے یا اسلام کی دعوت اور رشد وہدایت کا پیام دینے آئے تھے۔ ان میں سے ہم نے بیشتر کی زیارت کی اور ان پر حاضری کی سعادت وبرکت حاصل کی۔

اردن اسرائیل جنگ کی یادگار

اس کے بعد ہم نے اردن اسرائیل جنگ 67ء کی یادگار دیکھی۔ یہ جنگ جون 1967ء میں عرب اور اسرائیل کے درمیان ہوئی۔ اس کے نتیجے میں فلسطین کا سارا علاقہ اردن کے ہاتھ سے نکل گیا اب اردن صرف انہی علاقوں پر مشتمل ہے جو پہلے مشرقی اردن میں شامل تھے۔ بعد میں حکومت اردن نے یہاں ایک یادگار تعمیر کر دی جو سیاحوں کی دلچسپی کا باعث ہے کہ یہ ان کو اس جنگ کی یاد دلاتی ہے۔

بحر مردار (Dead Sea)

یہاں سے ہم بحر مردار دیکھنے لگے۔ اس کا جدید نام بحر لوط ہے۔ اسے عربی جغرافیہ نویس عموماً ''البحیرۃ المیتۃ'' کہتے ہیں۔ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کی سرزمین میں واقع ہے۔ اس نام کا اشارہ بائبل کی کتاب پیدائش کے باب 19 میں ملتا ہے مقامی لوگ اسے بحیرہ لوط کہتے ہیں۔

بحر مردار صحرائے یہوذا کے ڈھلوان، بنجر نشیبوں اور موآب کی پہاڑی زمین کے درمیان ایک نیلگوں آئینہ کی طرح شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کا طول 50 میل اور عرض 8 میل تقریباً ہے۔ اس کا منبع کوئی نہیں۔ ایک خاکنائے اس کے جنوبی حصے کو شمالی حصے سے

جدا کرتی ہے۔ مشرقی اور مغربی ساحلوں پر پہاڑ ہیں جن کی بلندیاں تین ہزار فٹ تک ہیں یہ سطح سمندر سے کوئی 1378 فٹ نیچے واقع ہے۔

اردن کی طرف اس کے ساحل پر کافی گرم چشمے بھی ہیں جن کے پانی سے کئی امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔

اس کے پانی کی کچھ کیمیائی ترکیب ایسی ہے کہ اس میں نمک کی انتہائی کثرت ہے کوئی 25 فیصد ہے جو دوسرے سمندروں سے زیادہ ہے اس لیے جاندار مخلوق کے لیے یہ قطعی ناموزوں ہے اس میں کوئی زندہ مخلوق نہیں رہ سکتی۔ اور جہاز رانی کے لیے غیر مناسب ہے۔ اس کے ساحل پر چند مقامات ہی آباد ہیں۔ ایک زمانے میں اس سے ایک قسم کی رال نکلتی تھی جو انگوروں کے باغوں میں کیڑے مکوڑوں کے مارنے کے کام آتی تھی۔ نیز دوا اور بہت سی دواؤں میں بھی استعمال کی جاتی تھی۔

مجھے اپنے بیٹے پیرزادہ محمود حیدر کے ساتھ لندن westfield شاپنگ سنٹر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بچیوں کو جمد کی علامات کے لیے بحر مردار کا نمک فروخت کرتے دیکھا جس کی خاصی قیمت وصول کی جا رہی تھی۔

اس کے کنارے بہت سے ہوٹل بنے ہوئے ہیں جہاں سیر کے لیے آئے ہوئے لوگ اپنی جلدی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے نہاتے اور غسل کرتے ہیں۔ اس کا پانی جلدی بیماریوں کے لیے بڑا مفید ہے۔ یہیں سے کچھ فاصلہ پر وہ مقام بھی تھا جہاں عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یسوع مسیح جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بپتسمہ دیا گیا۔

اردن اسرائیل بارڈر

دوسرے دن ہم اردن اسرائیل بارڈر دیکھنے گئے۔ باڈر کے پاس ایک جھیل تھی۔ اسرائیل نے دریائے اردن کے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اس سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی گئی ہے جو کوئی آٹھ فٹ چوڑی ہوگی۔ اس کو نہر عبداللہ کہا گیا ہے۔ اسے نالہ کہا جائے تو زیادہ

بہتر ہے۔ یہی نہر اس سارے علاقہ کو سیراب کرتی ہے۔ پانی کی کمی اور کم دستیابی کے باوجود اس علاقے میں زراعت بہت اچھی ہوتی ہے۔ دور دور تک سرسبز کھیت لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ یہاں بہت سے پاکستانی مزارع کے طور پر کام کر رہے تھے۔ ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی اور اپنے وطن کی یاد تازہ کی۔

غار اصحاب کہف

عمان کے قریب ہی وہ غار واقع ہے جس میں چند عیسائی نوجوانوں نے اپنے ملحد بادشاہ سے اپنا ایمان بچانے کے لیے پناہ لی جو اصحاب کہف کے نام سے مشہور ہیں یہ غار عمان سے پندرہ کلومیٹر کی مسافت پر واقع نیالے رنگ کی پہاڑوں میں واقع ہے۔ یہاں سبزہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ غار کا دھانہ کھلا اور اندر کشادہ ہے۔ روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے۔ دھوپ کسی طرف سے اندر نہیں جا سکتی۔ اندر آدمی آسانی سے لیٹ سکتا ہے۔ اوپر خوبصورت جدید مسجد بنی ہوئی ہے۔ ان نوجوانوں نے بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا۔ یہ بات ان کے ملحد بادشاہ دقیانوس کو پسند نہ آئی۔ اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انہیں عیسائیت نہ چھوڑنے پر اذیت سے مارنے کی دھمکی دی۔ نوجوان بادشاہ کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اپنا ایمان بچانے کے لیے ایک قریبی غار میں گھس گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا کتا بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی تین سو برس تک یہ نوجوان غار میں سوتے رہے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔

دراصل اللہ تعالیٰ اس معجزے کے ذریعے اپنی قدرت کا جلوہ دکھانا چاہتا تھا اور وہ لوگ جو قیامت کے منکر تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کے قائل نہیں تھے انہیں بتایا ہے کہ جو ذات عدم سے وجود میں لا سکتی ہے وہ وجود بخشنے کے بعد مار بھی سکتی ہے اور مارنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔ یہ اس کی قوت اور قدرت سے چنداں مشکل نہیں۔

نیز اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جہاں ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو ایمان کی حفاظت

کی غرض سے جگہ چھوڑنا اور روپوش ہونا جائز ہے۔ قرآن پاک میں یہ واقعہ سورۂ کہف میں اس طرح بیان ہوا ہے:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝
إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ
لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (الکہف)

"کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں (یاد کرو) جب پناہ لی ان نوجوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب! ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے اس کام میں ہدایت"۔(1)

شیخ سعدی اپنے کلام میں اصحاب کہف کے کتے کا یوں ذکر کرتے ہیں:

پسر نوح بابداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد(2)

وادی اردن

بحیرہ مردار کے ساتھ ہی وادی اردن کا خوبصورت ترین علاقہ ہے۔ میدان زرخیز اور سرسبز ہے۔ اس علاقے میں اکثریت فلسطین کے مہاجرین کی ہے جنہیں 1948ء سے اسرائیل نے مک بدر کر رکھا ہے۔

اس علاقے کی آبی ضروریات عبداللہ نہر پورا کرتی ہے جو دریائے اردن سے نکلتی ہے۔

1۔ جمال القرآن

2۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اپنائی تو خاندان نبوت سے اس کا رشتہ ختم ہو گیا۔ اصحاب کہف کا کتہ چند روز نیکوں کے ساتھ رہا تو عزت پا گیا۔

یہاں مکئی، چاول، گندم، انجیر، انگور اور زیتون بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ ان کھیتوں اور باغوں کو یہی نہر سیراب کرتی ہے۔ یہیں فحل کا مقام ہے جہاں جابیہ کے میدان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں معرکہ فحل ہوا۔

تاریخ اور تہذیب

اردن فلسطین کے مشرق اور شام کے جنوب میں واقع ہے۔ فلسطین اور اردن کے درمیان ایک دریا پڑتا ہے جسے دریائے اردن کہا جاتا ہے یہ ان کو آپس میں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ اردن اسی دریا کے مشرقی کنارے آباد ہے اس لیے یہ کسی زمانے میں اردن شرقی کہلاتا تھا۔

یہیں قدیم بستی بصریٰ ہے جہاں اعلان نبوت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے شام کے تجارتی سفر میں قیام فرمایا تھا، واقع ہے۔ موتہ کا میدان جنگ بھی اسی سرزمین میں ہے جہاں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خداداد بے مثل عسکری قابلیت اور ذہانت کا مظاہرہ کیا اور داد شجاعت دی۔ اس معرکہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔

اسپینی معرکوں میں بھی مملکت اردن کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ عمان سے 78 میل جنوب کی طرف کرک کے مقام پر چار ہزار فٹ بلند پہاڑ پر عربوں کا بنایا ہوا قلعہ آج بھی دیکھنے والوں کو اس دور کی یاد دلاتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے لبنان کی طرح اردن بھی شام ہی کا ایک حصہ ہے۔ پہلی جنگ عظیم تک عثمانی خلافت کے ماتحت رہا گو کہ انتظامی لحاظ سے شام کی بجائے فلسطین سے وابستہ رہا۔ جنگ کے بعد 1920ء میں یہ شام کی مملکت میں شامل ہو گیا۔ بعد میں برطانیہ نے اردن کو الگ کر کے شاہ فیصل بن حسین کے بھائی شاہ عبداللہ کو اس کا امیر بنا دیا۔ ستمبر 1951ء میں شاہ عبداللہ کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے طلال کو شاہ قرار دے دیا گیا۔ لیکن پارلیمنٹ نے اسے معزول کر دیا اور مئی 1925ء میں اس کے بیٹے شاہ حسین کو شاہ بنا دیا۔

جون 1967ء میں عرب اسرائیل کی جنگ چھڑی۔ جس کے نتیجے میں فلسطین کا سارا علاقہ اردن کی قلمرو سے نکل گیا۔ جس سے اردن کے لیے مالی، اقتصادی اور دوسرے کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ اردن فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت و سیاحت سے حاصل ہونے والی آمدن سے محروم ہو گیا جو اس کی خوشحالی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ اس کے بعد 1975ء میں اردن اور شام ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور کئی سطح پر مختلف شعبوں میں باہمی تعاون کے معاہدے ہوئے۔

اسرائیل کی سرحد پر جو عرب ریاستیں واقع ہیں، ان سے سٹریٹجیکلی لبنان اور اردن کمزور ہیں۔

اردن کا بڑا حصہ ریگستان ہے۔ صرف دریائے اردن کی وادی اور کچھ شمالی حصے زراعت کے قابل ہیں جہاں بارش ہوتی ہے، شمالی پہاڑوں پر جنگل ہیں۔ خاص پیداوار گیہوں اور جو ہیں۔ پھل بھی خوب پیدا ہوتے ہیں، انہیں ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ بحر مردار کے پاس پوٹاش اور فاسفیٹ کی کانیں اہم معدنیات ہیں۔ رقبہ 37738 مربع میل اور آبادی 2000ء کی مردم شماری کے مطابق 30590000 ہے۔

اردن کا طرز حکومت بادشاہت ہے مقننہ دیوانی ہے مملکت کے سربراہ کو شاہ اور حکومت کے سربراہ کو وزیر اعظم کہا جاتا ہے۔ دارالحکومت عمان ہے۔ اس کی آبادی چھ لاکھ ہے واحد بندرگاہ عقبہ ہے۔ 1999ء میں شاہ حسین کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہ عبداللہ اردن کے نئے شاہ بنے۔ شاہ حسین بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے وہ اچھے حکمران کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

اردن گو اسلامی ملک ہے۔ مگر اس میں کوئی منظم اسلامی تحریک یا دینی جماعت نہیں۔ ملک کی واحد سیاسی جماعت فرنٹ نیشنل یونین ہے جو 1972ء میں قائم ہوئی۔ اس سے پہلے خلیفہ عبدالرحمٰن کی سربراہی میں "الاخوان المسلمون" نے اسلامی افکار کے فروغ میں کچھ کردار ادا کیا تھا اب اس پر پابندی ہے۔

باعث حیرت و افسوس بات یہ ہے کہ اردنی مسلمان بڑے آزاد خیال اور لبرل واقع ہوئے ہیں۔ وہ مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے خود کو مبرا سمجھتے ہیں۔ یورپی اور امریکی اکثر پاکستانیوں پر بنیاد پرستی کی پھبتی کستے ہیں اور انہیں بنیاد پرست کہتے تھکتے نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر پاکستانیوں میں ایسی کون سی بات ہے جو مغرب کے لوگ انہیں انتہا پسند اور بنیاد پرست کہتے ہیں۔ جب میں نے عمان میں اپنے مسلمان بھائیوں کی اخلاقی اور عملی حالت کو دیکھا تو میری سمجھ میں آیا کہ وہ لوگ ہمیں کیوں بنیاد پرست سمجھتے ہیں۔ شراب عام تیار ہوتی اور بکتی ہے کوئی روک ٹوک نہیں بڑے بڑے ہوٹلوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ٹی سٹالوں تک سے پینے کو شراب مل جاتی ہے۔ جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں بھی اسٹور پر کھلے عام شراب دستیاب تھی بڑی تعداد میں وہاں ڈانسنگ کلب اور مساج گھر ہیں جہاں حسین نوجوان نوخیز لڑکیاں دادعیش دے رہی ہوتی ہیں۔ غربت عام ہے، خاص طبقہ امراء کا ہے۔ ان کے گھر پورے محل ہوتے ہیں۔ اگرچہ باہر سے دیکھنے میں وہ عام سادہ اور ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اندر کی شان و شوکت بڑے بڑے محلات کو مات دے رہی ہوتی ہے۔

میں یہ سب دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوا۔ لاہور جہاں میں رہتا ہوں، جیسے کیپٹل ایریا میں نہ تو آزادی سے شراب بکتی ہے، نہ کوئی اتنی آزادی سے پینے کی جرأت کر سکتا ہے اور نہ اس میں ایسے ڈانسنگ کلب اور مساج گھر ہیں جہاں کھلے عام شباب و کباب دادعیش دیتے ہوں اور نہ کوئی ایسا شاندار گھر ہے جو ان کے محلات کا مقابلہ کر سکے۔ پھر ہم بنیاد پرست نہ کہلائیں تو کیا کہلائیں۔

سوئے منزل

عمان کی دو دن کی سیر و سیاحت کے بعد تیسرے روز ہم فلسطینی اسٹور پر گئے جہاں ہم نے اپنا آرڈر دے رکھا تھا۔ وعدے کے مطابق سارا مال تیار تھا۔ انہوں نے بڑی خوبصورت پیکنگ میں پیکٹ اور بیگ بنائے ہر پیکٹ میں بچوں کے لیے بسکٹ، چاکلیٹ، ٹافیاں، کھلونے، فٹ بالز اور کئی دوسرے چلڈرن آئٹمز اور فیملی کے لیے ہر بیگ میں چاول، گھی، چینی، چائے، خشک دودھ اور اس طرح کا دوسرا ضرورت کا سامان پیک کیا گیا۔ چار ٹرکوں پر یہ سارا سامان لوڈ تھا۔ اس کی مالیت کوئی 40 لاکھ تھی۔

ہم علی الصبح جب عمان سے بغداد کے لیے روانہ ہوئے تو ہمارے ساتھ 6 اور دوست بھی شامل ہو گئے ہم عمان سے اردن کے کرامہ بارڈر کے راستے عراق میں داخل ہوئے۔ یہاں موجود چیک پوسٹ سے ہم نے عراق کے ویزے کے بارے پوچھا۔ وہاں کے اہلکاروں نے بتایا کہ بغداد پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اس لیے اب ویزے کی پابندی نہیں رہی۔ آپ کو بغداد جانے کی اجازت ہے۔ کرامہ کا علاقہ اردن اور عراق کے درمیان No man land ہے۔

کرامہ بارڈر

بارڈر کراس کرنے کے بعد عراق کا سفر شروع ہوا۔ کچھ دیر چلے تو امریکن فورسز کی چیک پوسٹ آ گئی۔ انہوں نے ہمیں روک لیا ہم نے انہیں بتایا کہ ہم پاکستان سے اپنے عراقی

بھائیوں کی امداد کے لیے ریلیف پیکیج تقسیم کرنے آئے ہیں اس لیے ہمیں بغداد جانے کی اجازت دیں۔ امریکی سپاہی ہمارے ساتھ بڑی درشتگی اور سختی کے ساتھ پیش آئے وحشت اور رعونت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ یہاں غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ میرا تو خون کھول اٹھا کہ جس سرزمین نے انبیائے کرام کے تلووں کو بوسے دیے۔ آج یہ پلید اسے اپنے ناپاک جوتوں سے روندرہے ہیں۔ جس خاک نے بڑے بڑے اولیاء، صوفیاء، صلحاء اور علماء کے قدموں کو چھوا یہ اس پر یوں دندنا رہے ہیں اور ہم پر اپنا دھونس جما رہے ہیں۔ جس کے سینے پر نیک ہستیاں گھومتی تھیں اس پر آج یہ بدقماش مسلح ہو کر چل رہے ہیں۔

میں نے انہیں بتایا ہم کسی سیر و تفریح پر نہیں نکلے۔ جن پر آپ لوگوں نے یہ قیامت ڈھائی ہے اور آپ کے بڑوں نے ننگی جارحیت دکھائی ہے اپنے ان بے بس اور لاچار بھائیوں کی مدد کرنے آئے ہیں اس لیے انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ تم لوگ ہمیں جانے دو۔ انسانی حقوق کے علمبردار کی انسان دوستی اور امن پسندی کہاں گئی ہے؟

میری کڑوی باتیں سن کر وہ مجھے اپنے دفتر کے ایک کمرے میں اپنے انچارج کے پاس لے گئے اور اسے اپنی زبان میں میرے بارے بتایا۔ انچارج بھی بڑی رعونت سے پیش آیا۔ کہنے لگا آپ اپنے ساتھ سامان نہیں لے جا سکتے۔ میں نے کہا اگر ہم سامان نہیں لے جا سکتے تو ہمیں پھر ان حالات میں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے ہم نے آپ کی فاتحانہ شان اور اپنے عراقی بھائیوں کی مظلومانہ حالت دیکھنے جانا ہے۔ تم لوگوں کو ہمیں بغداد جانے کی ہر حال میں اجازت دینا ہوگی ورنہ ہمیں کوئی دوسرا ذریعہ استعمال کرنا پڑے گا۔ میرا یہ عزم دیکھ کر انچارج بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ کو بلایا اور اس سے کہا کہ کچھ سپاہیوں کو اپنے ساتھ لو اور ان کی اور ان کے سامان کی اچھی طرح چیکنگ کرو۔ ان کے کاغذات کو دیکھو اور مجھے رپورٹ دو۔

اس کے حکم کے بعد اسسٹنٹ اور کچھ امیگریشن اہلکار میرے ساتھ آئے اور جہاں مجھے اور میرے ساتھیوں کو روکا ہوا تھا وہاں ہمیں مجرموں کی طرح ایک لائن میں کھڑا کیا گیا۔

باری باری ایک ایک کے پاس آئے، اس سے پوچھ گچھ کی، سوالات کیے جامہ تلاشی لی، کاغذات دیکھے، سامان چیک کیا، تسلی ہونے کے بعد رپورٹ ہوئی تب انچارج نے ہمارے پاسپورٹوں پر "تاشیرہ العبور" کی سٹمپ لگائی اور ہمیں بغداد جانے کی اجازت دی۔

یہ منظر دیکھ کر میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں کہ اپنے ہی برادر اسلامی ملک کی سرزمین پر سمندر پار سے آئے غاصبوں نے ہمارے ساتھ یہ مجرموں کا سا سلوک کیا آج یہ ذلت اور خواری ہماری اپنی ہی شامت اعمال ہے۔

اس سے پہلے کہ میں اپنے سفر کی روداد کا تذکرہ کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عراق کی قدیم اور جدید تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ ان اسباب کا اندازہ اور حالات کا تجزیہ کیا جاسکے جو عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملے کا محرک ہے۔

قدیم عراق

عراق انبیاء و اولیاء کی سرزمین ہے۔ اس اعتبار سے بڑی متبرک اور مقدس سمجھی جاتی ہے اس کی تاریخ، تمدن اور تہذیب بہت پرانی ہے۔ پہلے یہی خیال کیا جاتا تھا کہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب نے وادی نیل میں جنم لیا اور اس کی آب و ہوا میں پروان چڑھی۔ لیکن جب آثار قدیمہ کے ماہرین نے دجلہ و فرات کے کھنڈرات کی کھدائی کی اور اس سے برآمد ہونے والے آثار پر تحقیق کی تو پتا چلا کہ وادی دجلہ و فرات کے کنارے پیدا ہونے والی تہذیب وادی نیل کی تہذیب سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اس وقت یہ میسوپوٹیمیا کہلاتی تھی۔

اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ معلوم انسانی تاریخ کی رو سے دنیا میں جو پہلا تمدن وجود میں آیا وہ وادی دجلہ و فرات کا تمدن تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب انسان شعور کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ اس زمانے میں بھی اس خطے کے لوگوں میں بلا کی ذہانت اور تخلیق کی مہارت تھی ان کی قوت ایجاد کا یہ عالم تھا کہ اونچے درجے کے صناع، ماہر کاریگر اور اعلیٰ ہنرمند تھے۔ بہترین سنگ تراش اور مجسمہ ساز تھے، پیکر تراشی کے فن کو انہی کے ہاتھوں سے عروج ملا، اینٹ بنانے کا سانچہ ہو یا گاڑی کا پہیہ، یا محراب اور گنبد ہو سب انہی ذہانت سے ایجاد ہوئے۔ دھاتوں میں ٹانکہ لگانا، جھڑاؤ، کندہ کاری، مرصع کاری اور جوہر تراشی بھی انہی کے دست ہنر کے شاہکار ہیں۔ پل باندھنے، کپڑا بننے، بادبانی کشتی بنانے، مٹی کی اینٹوں کو بھٹی میں پکا کر پختہ کرنے کا طریقہ یہیں سے وضع ہوا۔ دیگر تہذیبوں نے اس خطے سے یہ سب

حاصل کیا۔ نیز دنیا کی پہلی یونیورسٹی، دنیا کے پہلا کیلنڈر، علم فلکیات، جغرافیہ، طب و جراحی، حیاتیات، فن تحریر، رسم الخط، فنون لطیفہ اور موسیقی کی ابتدا بھی اسی خطے میں ہوئی۔

ابتدا

تاریخی لحاظ سے عراق کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا، قدیم عراق۔ ۲، اسلامی عراق۔ ۳، جدید عراق

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ قدیم عراق شروع میں ''میسوپوٹیمیا'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اسے یہ نام یونانیوں نے دیا تھا۔ میسوپوٹیمیا دو یونانی لفظوں کا مرکب ہے جس کا معنی ہے، دوآبہ یعنی ایسا علاقہ جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو۔ یہ خطہ چونکہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اس لیے اس نسبت سے اسے میسوپوٹیمیا کہا جاتا تھا۔

بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ عراق کا یہ پرانا نام سکندر اعظم کے بعد رکھا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق عراق کا اس سے بھی زیادہ قدیم عبرانی نام ''ارم نہرائیم'' تھا (دو دریاؤں اور نہروں کا علاقہ)۔

ایرانی شاہوں کے زمانے میں یہ ''دل ایران شہر'' کے نام سے مشہور تھا۔ ابن خرداذبہ کے ہاں عراق کے اس نام کا نشان ملتا ہے۔ بقول یزید فارسی:

''پورے ایران شہر کو ایک جسم سے تشبیہ دی جاتی تھی جس کا دل عراق تھا''۔

بقول اصمعی، عراق کا پہلا ایرانی نام ''سورستان'' تھا (1)۔

وجہ تسمیہ

عراق و عراق کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے معنی کے بارے میں کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ عربوں نے اس کے کچھ معانی بیان کیے ہیں لیکن وہ اطمینان بخش نہیں۔

ابن العربی نے اس کا معنی ''نشیبی علاقہ کیا ہے''۔ خلیل نے ''ساحلی علاقہ'' لکھا ہے۔

عراق کو سواد (سیاہ ملک) بھی کہا جاتا ہے۔ میدان کی شوخ، سفیدی مائل زرد رنگ کی

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مٹی کے مقابلے میں اس کی زمین کی مٹی کا رنگ کاشت ہونے کی وجہ سے سیاہ ہے اس لیے اسے سواد کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے زمانے میں ''العرقان یا العراقین'' عراق کے دو شہروں کوفہ اور بصرہ کو بھی کہا جاتا تھا۔

اس زمانے میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں خطے ساسانی شاہوں کی قلمرو کا حصہ تھے۔ عربوں نے میسوپوٹیمیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک بالائی اور دوسرا زیریں۔ زیریں زرخیز زرعی خطہ تھا جو زمانہ قدیم سے بابلونیا کہلاتا تھا۔ عرب اسے ہی عراق کا نام دیتے ہیں۔

دریائے دجلہ

دجلہ و فرات زمین پر بہنے والے دو دریا ہی نہیں، تاریخ کے بہتے ایسے دو دھارے ہیں جن کے سینوں میں ماضی کے کئی سربستہ راز چھپے ہیں۔ ان میں کئی تہذیبوں کے آثار دفن ہیں۔ انہوں نے کئی تمدنوں کو بام عروج کو چھوتے بھی دیکھا اور زوال پذیر ہوتے بھی دیکھا۔ کئی قوموں نے ان کے سامنے اپنی شاندار روایات بھی چھوڑیں اور کئی عبرت کا نشان بھی بنیں۔

یہ دو دریا آج بھی عراق کے بڑے دریا ہیں۔ عراق آج کا ہو یا سات ہزار سال پرانا، اس کی زندگی کا انحصار انہی دو دریاؤں پر ہے عراقیوں کی بود و باش اور ان کے لیے آب و ہوا کے یہی دو دریا ضامن ہیں۔ صدیوں سے انہوں نے عراق کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔

دریائے دجلہ کا منبع شمالی ترکی کے پہاڑی سلسلہ (Tausud mountain) ٹورس میں واقع ہے جو کہ (City Elazig) سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے منبع سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

دریائے دجلہ کی چار چھوٹی ندیاں پانی مہیا کرتی ہیں جن میں سب سے بڑی زب (Great zob) اور چھوٹی زب (The little zob)، اور ٹیم (The

Adhaim) اور ذیالہ (Diyala) ہے بائبل میں اس کا ذکر دو دفعہ آیا ہے۔

دریائے دجلہ، فرات کی نسبت کم چوڑا اور زیادہ گہرا ہے۔ پانی کی رفتار تیز ہے۔ میدانی علاقے میں سیکڑوں میل کا سفر کرتے ہوئے مقام "قرنا" پر دریائے فرات سے جا ملتا ہے۔ اس کی کل لمبائی تقریباً 1900 کلومیٹر ہے۔

دریائے فرات

دجلہ کی نسبت زیادہ چوڑا ہے۔ سکون سے بہتا ہے۔ شمال میں ترکی کے پہاڑی سلسلے کوہ اراط سے نکلتا ہے اور شام سے گزرتا ہوا شمال مشرق کی طرف سے عراق میں داخل ہو جاتا ہے۔ المسیب کے کچھ نیچے یہ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ مغربی شاخ کا نام شط الہندیہ اور مشرقی کا شط الحلہ ہے۔ قرنا کے مقام پر دجلہ اور فرات دونوں مل کر ایک دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو خلیج عربی یا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ جس علاقے میں یہ دونوں دریا اکٹھے ہوتے ہیں اسے "شط العرب" (عرب کی پٹی) کا نام دیا جاتا ہے۔ دریائے فرات کی مغربی سمت "مقیر" کے مقام پر سومیری تہذیب کے آثار ملتے ہیں کسی زمانے میں یہ "ار" کہلاتا تھا یہی ار ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ولادت ہے۔ اس کی لمبائی 2780 کلومیٹر ہے

دریائے فرات کا نام لیتے ہی ذہن واقعہ کربلا کی طرف چلا جاتا ہے جہاں نواسہ سرور عالم ﷺ حضرت امام حسین اور آپ کے رفقاء پر لشکر یزید نے فرات کا پانی بند کیا۔

دجلہ و فرات کی وادی میں سومیری تہذیب کے علاوہ بھی کئی اور تہذیبوں کے نشان ملتے ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے عظیم الشان روایات چھوڑیں اور تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش ثبت کیے۔ ان میں اکادی، اشوری، کسدی اور کلدانی قابل ذکر ہیں جو 539 قبل مسیح سے 400 قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں یہاں آباد ہوئیں۔ اس لیے ماہرین نے اسے (Cradel of civilization) تہذیبوں کا گہوارہ قرار دیا ہے۔ بخت نصر نے 44 سال اس وادی پر حکمرانی کی۔ چونکہ دہریہ تھا اس لیے اپنی قوم میں معتوب ٹھہرا۔ چنانچہ

اس کے بعد بادشاہی اس کے خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

بابل

وادی دجلہ و فرات کا ذکر بابل اور نینوا کے کھنڈرات کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ یہ کھنڈرات اس تہذیب کا لازمی حصہ ہیں جس نے اس وادی میں جنم لیا اور اس کی آب و ہوا میں پروان چڑھی اور اپنی عظمت و سطوت سے پورے عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ان کھنڈرات کے آثار و نشانات بغداد شہر سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ملتے ہیں۔ عراق کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ایک لوح ملی جس پر یہ تحریر کندہ تھی:

"جہاں کبھی دنیا کے دو عظیم شہر بابل اور نینوا آباد تھے۔ بابل اور نینوا کے درمیان اگرچہ تین سو میل کا فاصلہ ہے لیکن یہ دونوں پرشکوہ مملکتیں دجلہ و فرات کے ایک ہی خطے میں پروان چڑھی ہیں" (1)۔

بابل سلطنت کا مرکز اور اس وقت کی دنیا کا بڑا شہر تھا۔ دجلہ اور فرات کے درمیان ایک اونچی جگہ پر واقع تھا۔ اس کے گرد تہہ در تہہ فصیلیں، دیوار اندر دیوار محلات اور مندر تھے۔ قدیم عرب مورخین نے بابل شہر (Boby lon) اور بابل ملک کو (Boby lonia) کو بابل ہی لکھا ہے۔ اس کے کھنڈرات بغداد سے کوئی 54 میل کے فاصلے پر بغداد۔ حلہ شاہراہ پر ملتے ہیں۔ ان کی حدود کے بارے ان میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: وہ وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اور بعض کا خیال ہے: اس کا رقبہ بہت کم تھا۔ اس کے ابتدائی باشندوں کے بارے بہت کم معلومات میسر آسکی ہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے کوئی چار ہزار سال پہلے جنوبی حصے میں مسیری آباد تھے اور شمالی حصے میں اکادی جو سامی مشہور تھے۔ پھر ایک ہزار سال بعد شمالی شام سے یہاں اموری پہنچ گئے اور اموری حکمران خاندان کی بنیاد پڑی۔ حمورابی جس کا مشہور ترین فرد تھا۔

1100 ق م کے قریب آرامیوں نے ملک کو پامال کیا یہ بھی سامی تھے۔ انہی میں

1۔ موسیٰ خان جاں زئی: عراق، عروج بغداد سے سقوط بغداد تک

کلدانیوں نے بابل میں تخت حکمرانی سنبھال لیا بخت نصر اسی خاندان سے تھا۔

مسلم مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کی رائے میں بابل کا شہر اسلامی فتوحات سے بہت عرصہ پیشتر ہی ویران اور برباد ہو چکا تھا اس وقت اس کی جگہ بابل کے نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہی موجود تھا۔ یہ گاؤں عباسی عہد چوتھی صدی ہجری تک قائم تھا۔

ابن حوقل بابل کے بارے لکھتا ہے:

''اس کی عمارتیں عراق بھر میں سب سے قدیم خیال کی جاتی تھیں اور یہ شہر بادشاہوں نے آباد کیا اور اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا اور ان کے جانشینوں نے بھی اسے برقرار رکھا۔ اس کی شاندار عمارتوں کے کھنڈرات اب بھی اپنی عظمت رفتہ کے شاہد خواں ہیں''۔

ابوالفدا یہ اضافہ کرتا ہے:

''یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور نار نمرود کا واقعہ پیش آیا ان دنوں وہاں کھنڈرات کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں ان کھنڈروں پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے''(1)۔

بابل کی تاریخ کے بارے میں مسلم مورخوں میں بہت اختلاف ہے۔ اس کی حقیقت و اصلیت کے بارے میں وہ متفق نہیں البتہ ان میں جو مشہور اور راجح بات ہے وہ یہ ہے کہ اس شہر کو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے بعد آباد کیا اور خود اس میں بسے۔

ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ بادشاہ ضحاک پہلا شخص تھا جس نے اس شہر کو آباد کیا اور بسایا۔ اس کا رقبہ 12x13 فرسخ (2) تھا۔ دریائے فرات اس کی فصیلوں سے ٹکراتا تھا۔ یہ برابر آباد اور پررونق رہا یہاں تک سکندر اعظم کے ہاتھوں برباد ہوا۔

بابل کی تہذیب و ثقافت کئی وجوہ سے مشہور ہوئی۔ اکادی رسم الخط اور طرز تحریر یہیں وجود میں آیا، دنیا کا پہلا انسائیکلوپیڈیا مرتب ہوا۔ شہری قوانین کا مجموعہ تیار ہوا جو زمانہ قدیم کا نہایت اہم سرمایہ خیال کیا جاتا ہے۔ جنگی رتھ ایجاد ہوا۔ ناپ تول کے پیمانے بنے،

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ 2۔ ایک فرسخ پانچ کلومیٹر کا ہوتا ہے۔

شیشہ گانہ عددی نظام تھا۔ ریشم و کمخواب کی صنعتیں تھیں، ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجے جاتے تھے۔ بلند پایہ نظام حکومت تھا، اعلیٰ اور شاندار عمارتیں تھیں۔ ایک زیر زمین قید خانہ (Dungeon) بھی تھا۔ جہاں یہودی اور نصرانی کچھ مقررہ تہواروں کے موقع پر زیارت کرنے آتے۔ اکثر کا خیال ہے کہ یہی گڑھا ہاروت اور ماروت کا کنواں تھا۔

یہ دو فرشتے لوگوں کو جادو سکھانے کے لیے اترے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

المجل (Al- Madjal) نام کا ایک مینار بھی ہے۔ جدید ماہرین آثار نے اسے Ziggurat کا نام دیا ہے اسے نمرود نے تعمیر کرایا تھا۔ قرآن نے سورۃ النحل میں اسی مینار کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النحل)

''ان سے پہلے جو کچھ گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں (کیا نتیجہ نکلا) انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں پس ان کے اوپر انہی کی بنائی ہوئی چھت آ گری اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا''(1)۔

بابل کا عشتار گیٹ دنیا میں مشہور ہے۔ یہ عشتار دیوی سے منسوب ہے۔ یہ شہر کے وسط میں واقع ہے۔ سرخی مائل پکی اینٹوں سے چنا گیا ہے۔ جنہیں اژدہوں اور بیلوں کی مورتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس سے نکلنے والی شاہراہ کے دونوں جانب کی دیواروں پر ہر شیروں کے نقش کھینچے گئے ہیں۔ دروازے کے اوپر بھی چمکیلی رنگ دار نالیں لگی ہوئی ہیں جن کا رنگ بدستور تین ہزار برس گزرنے کے باوجود بھی چمک رہا ہے۔ ان کھنڈرات تک سب سے پہلے جرمن ماہرین پہنچے تھے وہ اس کا بہت سا سامان اپنے ساتھ لے گئے اور جا کر برلن کے عجائب گھر میں سجا دیا۔

1۔ جمال القرآن: ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

اب بابل کیا ہے ٹوٹی ہوئی اینٹوں کا ویرانہ، دیوی دیوتاؤں کا اجڑا معبد اور صحرا نشان عبرت۔

نینوا

بابل کی طرح نینوا بھی اپنے اندر عبرت کا بہت سا سامان رکھتا ہے۔ یہ مدتوں بابل کا حریف رہا۔ یہاں بھی عشتار دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ آشوریوں کا جاہ و جلال یہاں بھی خوب برسا تھا۔

یہ ایک ہزار قبل مسیح آباد ہوا تھا یہ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے اور موصل کے بالمقابل کھنڈروں کا ایک وسیع و عریض رقبہ ہے۔ جہاں قدیم سلطنت آشوری کا پایہ تخت واقع تھا۔ یہ بابل کی دیوی نینا سے منسوب ہے جسے اشتر کا اوتار مانا جاتا تھا۔ اشتر کا مطلب ہے، سب سے بڑا معبد، یہیں آشوری سرزمین میں تھا۔ آشوری کتبوں میں اسے اکثر نینوا لکھا ہے۔

نینوا کے کھنڈروں کا رقبہ موجودہ شہر موصل سے دگنا اور شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ قدیم شہر کی حدود اس کی فصیلوں سے واضح ہیں۔ یہ فصیلیں سنہرب کے عہد میں تعمیر ہوئیں ان میں پندرہ دروازے تھے جو آج بھی دیواروں میں شگافوں کی شکل میں نظر آتے ہیں اور بعض اب تک آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام انہی اہل نینوا کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہیں آپ کے رہائشی حجرے اور محراب تھی۔ مقدسی کا قول ہے:

''نینوا کی سات زیارتوں کا ثواب فریضہ حج کے برابر ہے''۔

آج بھی شمالی عراق میں اہل سنت کے نزدیک اسے مقدس ترین مقام سمجھا جاتا ہے اور مسلمانوں کو یہاں لا کر دفن کیا جاتا ہے(1)۔

نینوا کے یہ عظیم آثار برٹش میوزیم میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

1۔ دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ

جغرافیہ

معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''عراق ایک ہموار میدانی ملک ہے جو مغرب میں دشت شام سے جنوب میں عرب کے لق و دق میدانوں اور صحرائی علاقوں نیز خلیج ایران کے شمالی ساحل سے، مشرق سے جبل حمرین (Zagros) کی جنوبی شاخوں اور مغربی خوزستان سے اور شمال میں الانبار سے تکریت تک کھینچے ہوئے خط سے گھرا ہوا ہے۔ یہ شمالی سرحد اس بلند سطح زمین کے علاقے کو ظاہر کرتی ہے جہاں قدیم ترین زمانے میں خشک زمین ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے جنوب میں رفتہ رفتہ سیلابی زمین بنتی چلی گئی جہاں پانی کے افراط اور اس کی آسان تقسیم کے باعث منفعت بخش کاشتکاری کے لیے نہایت ہی عمدہ وسائل پیدا ہو گئے۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی انتظامی سرحد اس قدرتی سرحد سے مختلف تھی اور عموماً شمالی سرحد اس خط سے ظاہر کی جاتی ہے جو تکریت سے الحدیثہ تک کھینچا جاتا ہے۔ الحدیثہ بھی جو ہیت سے تقریباً 70 میل شمال مغرب میں واقع ہے، العراق ہی میں شامل تھا۔

جغرافیائی نقطہ نظر سے خوزستان (سوسیانہ susiona) بھی جو عراق کی مشرقی سرحد سے ملتا ہے۔ اسی کا ایک حصہ ہے کیونکہ کوئی طبعی حد بندی اسے عراق سے جدا نہیں کرتی۔ یہی حال طف کا ہے یعنی وہ بلند سطح زمین جو خوبصورت دشت کوفہ اور بصرہ کے دروازوں کے سامنے سے شروع ہوتی ہے۔ اس علاقے میں زمین دریاؤں کی وادیوں کی سطح سے بلند ہو کر

ایسا بند سا بنا لیتی ہے جو دریاؤں کی طغیانی کے سیلاب سے بچا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ریگزر کا کام بھی دیتا ہے۔ اسے عرب جغرافیہ دانوں نے ''ظہر'' ماہی پشت کا نام دیا ہے(1)۔

یہ سرزمین آرمینیا کے سطح مرتفع کی جنوبی ڈھلوانوں سے خلیج فارس تک 600 میل کی لمبائی سے پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی تاریخ کا آغاز ان بیرونی حملہ آوروں سے ہوا جو 3200 اور 3500 ق م کے درمیان دریائے فرات اور شط الحی کے سنگھم پر واقع ''اُر'' (UR) میں آکر آباد ہوئے۔ عراق کا مجموعی رقبہ 1,69,240 مربع میل ہے۔

سی آئی اے رپورٹ

عراق میں دریافت شدہ تیل 115 ارب بیرل ہے عراق دنیا میں تیل پیدا کرنے والا تیسرا بڑا ملک ہے۔ امریکی محکمہ توانائی کے مطابق ابھی ملک میں 90 فیصد تیل کی تلاش ہونی ہے جس سے 100 ارب بیرل کا اضافی تیل حاصل ہونے کی توقع ہے۔ عراق میں تیل کے کنویں کھودنے میں سب سے کم لاگت آتی ہے عراقی تیل کے کنویں کی تعداد 2000 ہے جب کہ صرف امریکی ریاست ٹیکساس میں تیل کے کنویں کی تعداد 10 لاکھ کے قریب ہے۔

تہذیب وثقافت

تاریخ بتاتی ہے کہ ابھی آریائی تہذیب کے آثار تک نمودار نہ ہوئے تھے۔ جب روم اور یونان کی تہذیبوں نے جنم لیا تھا۔ دنیا میں میسوپوٹیمیا کے نام سے عراقی تہذیب کا وجود تھا۔ یہ سات ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ معروف قلمکار جناب رؤف خالد اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''علمائے ارض کا کہنا ہے کہ نوع انسان پر خطہ عراق سے جنم لینے والی تہذیب کے لاتعداد احسانات ہیں۔ عراق عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب (Origin) سرچشمہ ہے۔ یہیں سے دنیا کی دوسری تہذیبوں نے روشنی حاصل کی ہے یہ بابل ہی تھا جس کے دانش کدوں سے یونانیوں نے فیض حاصل کیا۔ مشرقی اور مغربی اقوام سب اپنی تہذیب کا

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ 2۔ روزنامہ جنگ سنڈے میگزین 30 مارچ 2003

رشتہ بابل کے گہوارے میں پرورش پانے والی تہذیب سے جوڑتے ہیں''۔(2)

شداد کی جنت دجلہ وفرات ہی کی وادی میں واقع تھی۔ باغ عدن کا اصل مقام دجلہ و فرات ہی کا سرچشمہ تھا۔ کوفہ مملکت نینوا ہی کی قدیم ترین بستی ہے۔ صدیوں یہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن رہا۔ کوفہ سے کچھ فاصلے پر جو کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں وہ حمورابی اور بخت نصر کے شہر بابل کے ہیں۔

نمرود بھی یہیں پیدا ہوا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام یہیں مقام اُر میں تولد ہوئے۔ حضرت ادریس اور حضرت خضر علیہما السلام بھی یہیں رہے۔ نجف اشرف جو صدیوں پہلے پشت کوفہ کہلاتا تھا، جہاں شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روضہ مبارک ہے کبھی دنیا کا بلند ترین پہاڑ تھا۔ جب طوفان نوح آیا تو حضرت نوح علیہ السلام کے ایک نافرمان بیٹے نے اس سے پناہ مانگی تب اس وقت سے حکم الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو کر نرم ریت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

یہیں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم سے نجات ملی۔

الغرض یہ سرزمین جہاں نبیوں اور رسولوں کا مسکن رہی ہے وہاں شروع سے تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ اور تمدن کا گہوارہ بھی رہی ہے۔ اس خطے نے اب تک عروج وزوال کے بے شمار مناظر دیکھے ہیں اس کی تاریخ کے ایک ایک ورق پر یہ داستانیں لکھی نظر آتی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اگر عراق کو شورشوں، المیوں، برباد قوموں، اجڑی تہذیبوں اور بکھرے تمدنوں کی سرزمین کہہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا تاریخی لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔

اسلام کی آمد

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کبھی عرب کی کسی حکومت کو عروج حاصل ہوتا اور اسے اپنی طاقت پر بھروسہ ہو جاتا تو وہ سب سے پہلے عراق کے ملک کو اپنا نشانہ بناتی۔ عراق خوشحال تھا، زمین زرخیز تھی اول درجے کی کپاس پیدا ہوتی تھی اس لیے قدرتی طور پر وہ

تمام بنیادیں فراہم ہو جاتیں جس سے اس کے لیے فتح آسان ہو جاتی تھی۔

مسلمانوں نے عراق پر پہلا حملہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں کیا جو 633ء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے۔ 634ء میں ساسانیوں کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا۔ مدائن کی فتح سے دجلہ و فرات کی وادی میں اسلام کی حکمرانی کا آغاز ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی مردانگی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ پانچ برسوں کی قلیل سی مدت میں پورے عراق پر چھا گئے اور قابض ہو گئے۔ پورا عراق اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔

مسلمان جب مدائن فتح کرنے کی غرض سے طوفانی دجلہ میں اترے تو ایرانی حیران رہ گئے انہیں یقین نہ آیا کہ مسلمان طوفانی دریا پار کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں جب مسلمان آگے ہی بڑھتے چلے گئے اور دریا پار کر کے ان کے قریب جا پہنچے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اب وہ بجائے دفاع کرنے کے ہتھیار پھینک کر بھاگنے لگے اور حیرت میں یہ چلاتے جاتے، دیواں آمند دیواں آمند (دیو آگئے دیو آگئے)

یہاں سے اسلامی عراق کی بنیاد پڑتی ہے۔ مسلمان پوری قوت سے عراق پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جس سے انہوں نے عظیم الشان ابتدائی فتوحات حاصل کیں۔ فرات کے کنارے ایران کی سب سرحدی چوکیاں فتح کر لیں۔ جنگ نہاوند میں ساسانی سلطنت کا تختہ الٹا دیا۔ دانش مندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے دفاع اور استحکام کے لیے 400 میل لمبا عسکری نظام قائم کیا۔ جس کی مغربی اور مشرقی سرحدوں پر بصرہ اور کوفہ کی چھاؤنیاں تھیں۔

خلافت امویہ

شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے بیٹے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین اور مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

ٹھیک چھ ماہ بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کر لی اور خلافت کی نازک ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ ہی کے بارے پیش گوئی فرمائی تھی:

"میرا یہ نواسہ مسلمانوں کے دو ناراض گروہوں میں صلح کرائے گا"۔(1)

اس طرح اسلامی سلطنت کی زمام اقتدار پوری طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی اور خلافت امویہ کی بنیاد پڑی۔ خلافت راشدہ کا عہد ختم اور ملوکیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے دمشق کو اپنا پایہ تخت بنایا اور عراق کو ایک صوبہ قرار دیا۔ زیاد بن ابیہ کو اس کا عامل (گورنر) مقرر کیا۔ اس نے اپنے تدبر اور فہم سے خوب کام لیا اور عراق میں امن و امان قائم کیا اس کے بعد اس کا بیٹا عبید اللہ عامل بنا۔ اس کے عہد میں سانحہ کربلا پیش آیا۔ عبدالملک کے عہد میں حجاج بن یوسف پورے عراق کا عامل مقرر ہوا۔ اس نے اپنے سخت گیر مزاج سے کام لیتے ہوئے ساری بغاوتوں کو کچل دیا اور کوفہ و بصرہ کی شورش پسندانہ سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے موثر اقدامات کیے۔ اس نے واسط کو عراق کی علمی اور اقتصادی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جو دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ جہاں سے کوفہ اور بصرہ زیادہ دور نہ تھے۔ کوفہ 120 میل اور بصرہ 180 میل کے فاصلے پر تھا۔ ان پر آسانی سے حکومت کی جا سکتی تھی۔

اس دور میں عراق کو بہت فائدہ پہنچا۔ رائج الوقت بازنطینی اور ایرانی سکوں کی جگہ عربی سکے استعمال ہونے لگے۔ ڈاک کا محکمہ قائم ہوا، سرکاری زبان عربی قرار دی گئی۔ اس سے پہلے سرکاری دستاویزات پہلوی اور عربی دونوں زبانوں میں تحریر کی جاتی تھیں۔

حجاج بن یوسف کے عہد میں اس کے بھتیجے محمد بن قاسم نے اس کے حکم پر سندھ کے راستے ہندوستان پر حملہ کیا اور ملتان تک کا علاقہ اسلامی حدود میں داخل کیا۔ وہ چار سال ہندوستان رہا۔

1۔ صحیح بخاری، سنن ترمذی

مسعودی کی تحقیق کے مطابق:

''بنو امیہ نے پورے ایک ہزار ماہ حکومت کی''۔(1)

ان کی حکومت کی کل مدت 90 سال 11 ماہ اور 13 دن بنتی ہے۔ اموی خلفاء میں سب سے نمایاں حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے جنہوں نے دو سال کی قلیل مدت میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ خلافت راشدہ کے دور کی یاد تازہ ہوگئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور لوٹ آیا۔ اسی لیے آپ کو تاریخ میں عمر ثانی کہا جاتا ہے۔

خلافت عباسیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''بنو عباس بنو امیہ سے دگنی حکومت کریں گے ایک دن کے بدلے دو دن، ایک ماہ کے بدلے دو ماہ، ایک سال کے بدلے دو سال اور ایک خلیفہ کے بدلے دو خلیفہ حکومت کریں گے(2)۔

32ھ میں زاب اعلیٰ کے مقام پر آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی شکست کے بعد بنو امیہ کی جگہ بنو عباس نے لے لی اور یوں خلافت عباسیہ کا آغاز ہوا۔ عباسی رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منسوب ہیں یہ آپ کے قرابتدار ہونے کی وجہ سے خود کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے امویوں کے خلاف زیر زمین تحریک چلائی اور شورش کی آگ بھڑکائی اور آخر کار امویوں سے خلافت لینے میں کامیاب ہوگئے۔

پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح بنا۔ کوفہ صدر مقام قرار پایا۔ مورخ و ادیب احمد حسن زیات عہد عباسیہ کے بارے لکھتے ہیں:

''حکومت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ عہد زریں ہے جس میں مسلمان تمدن و تہذیب اور عمران و اقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر

1۔ مروج الذہب: مسعودی 2۔ ایضاً

کبھی اس بلندی پر نہ پہنچے۔ فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے آداب عربیہ نے نشوونما پائی۔ غیر ملکی علوم کے ترجمہ کیے گئے۔ عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور اس نے غور و فکر اور بحث و تمحیص کے لیے ایک وسیع جولانگاہ پائی۔ اس حکومت کے فرمانروا آن حضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں جنہوں نے ایرانیوں کی مدد سے خلافت کو امویوں کے ہاتھ بزور و جبر چھین کر اس کا پایہ تخت عراق بنایا جہاں پانچ صدی سے کچھ زیادہ مدت میں ان کے 37 خلفاء تخت سلطنت پر باری باری بیٹھے تا آنکہ ہلاکو نے 656ء میں اس حکومت کا تختہ الٹ دیا اور حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ اس تمدن و آداب میں انحطاط ہوتا گیا اور بالآخر حکومت کے ختم ہونے پر ان کے آداب و تمدن کا بھی خاتمہ ہوگیا(1)۔

ابو جعفر منصور خلافت عباسیہ کا حقیقی بانی اور معمار تھا۔ عباسی خلفاء میں ہارون الرشید سب سے نمایاں اور ممتاز خلیفہ تھا۔

نجف اشرف

نجف اشرف کوفہ کے مغرب کی سمت بغداد سے 160 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ کوفہ سے ایسے ہی ملا ہوا ہے جیسے راولپنڈی سے اسلام آباد۔ تاریخی لحاظ سے یہ قدیم ترین علاقہ ہے۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام یہیں پیدا ہوئے پھر آپ اور آپ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام یہیں رہے۔ حضرت ادریس اور حضرت خضر علیہم السلام بھی اسی علاقے میں رہے۔ وہ تنور جس سے طوفان نوح پھوٹا وہ بھی اسی جگہ ہے۔ طوفان سے پہلے یہاں آب پاشی کا بہترین نظام تھا۔ اسی مقام پر مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا تھا۔ بابل کے کھنڈرات بھی اسی کے نواح میں واقع ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے امن کی وادی کا نام دیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''یہ علاقہ امن کا ٹکڑا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کی آماجگاہ ہے''۔

1۔ تاریخ ادب عربی: احمد حسن زیات/عبدالرحمن سورتی

کچھ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ نجف پہلے ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اور آپ کے نافرمان بیٹے نے اس سے پناہ مانگی تو وہ اللہ کے حکم سے شق ہو گیا اور اس سے ایک دریا نکل کر بہنے لگا اور یہ دریا خشک ہو گیا اس لیے اسے نجف (خشک دریا کی سرزمین) کہتے ہیں۔

نجف اشرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ کے روضہ مبارک کی وجہ سے مشہور ہے۔ آج اسے مشہد علی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ 17 رمضان المبارک 40ھ میں شہید ہوئے۔ وصیت کے مطابق آپ کو رات کو دفن کیا گیا اور دشمن کی نظر سے بچانے کے لیے مرقد پر کوئی نشانی تک نہ چھوڑی گئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مدفن کا یہ ظہور اور انکشاف ہارون الرشید کے دور میں ہوا۔ 175ھ میں جب وہ خلیفہ بنا تو اطراف کوفہ میں ایک مرتبہ شکار کے لیے آیا یہاں اس نے کچھ ہرن دیکھے اس نے ان کے پیچھے اپنے باز اور کتے چھوڑ دیے۔ اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ جب ہرن ٹیلے پر چڑھ جاتے تو ان پر نہ باز جھپٹتے اور نہ کتے ان کی طرف لپکتے۔ اس نے قریبی آبادی کی طرف اپنا ایک مصاحب بھیجا۔ یہ آبادی حیرہ تھی۔ حیرہ کے ایک بوڑھے شخص نے خلیفہ کو بتایا:

''وہ ایک مرتبہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آیا تھا اس ٹیلے پر ہم نے نماز پڑھی اور اس کی زیارت کی۔ میں نے ان سے دریافت کیا یہاں کیا بات ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ اس کی زیارت کے لیے یہاں آئے تھے حضرت امام نے فرمایا تھا:

''اس مقام پر ہمارے جد اعلیٰ حضرت علی المرتضیٰ کی قبر ہے جو عنقریب ظاہر ہو گی''۔

چنانچہ خلیفہ کے حکم پر وہ جگہ کھودی گئی ایک قبر کا نشان ملا، اس پر ایک لوح تھی جس پر سریانی خط میں دو سطریں مرقوم تھیں۔ ترجمہ کیا گیا تو پتا چلا کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن ہے۔

بعد میں ہارون الرشید نے یہاں روضہ تعمیر کرایا۔ جس کی عمارت سرخ گنبد کی صورت میں تھی جس کے چاروں طرف دروازے تھے اور دیواریں سفید اینٹوں سے چنی گئی تھیں۔

عضد الدولہ نے اس عمارت میں اضافہ کر کے اسے پرشکوہ بنا دیا اور گنبد پر سفید رنگ کرایا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روضہ ایک بڑے مرکزی گنبد پر مشتمل ہے۔ اس کے بیرونی حصے پر سونا لگا ہوا ہے اور اندرونی حصے میں سفید اور ہلکے نیلے رنگ کے ماربل پاؤڈر اور سونے کی آمیزش سے تزئین و آرائش کی گئی ہے جو زائرین کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ گنبد کی خوبصورتی کا عالم یہ ہے کہ ایک مورخ کے مطابق:

''دنیا بھر کے تمام بادشاہوں کے مزارات پر تعمیر کیے جانے والے گنبدوں کی خوبصورتی کو اگر جمع کر لیا جائے تو تب بھی وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کے گنبد کی خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر سکتے''۔

شاعر مشرق، فیلسوف اسلام حضرت علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں نجف سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھوں کا خاک مدینہ و نجف

آپ کے روضے کے قریب دنیا کا دوسرا بڑا قبرستان ہے اسے وادی امن یا وادی سلام بھی کہا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے کئی پیغمبر ابدی آرام فرما رہے ہیں۔

نجف بھی زمانے کی چیرہ دستیوں سے نہیں بچ سکا۔ یہ بھی دوسرے شہروں کی طرح کئی دفعہ اجڑا اور برباد ہوا۔ اس میں بھی لوٹ کھسوٹ، تباہی اور بربادی کا طوفان برپا ہوا اسے بھی کئی مرتبہ وقت کے تھپیڑے کھانا پڑے اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ عراق و کویت جنگ، عراق و ایران جنگ، عراق و امریکہ جنگ اور اب خانہ جنگی میں اس نے شدید نقصان اٹھایا اور اٹھا رہا ہے۔

755ھ میں روضے کو آگ لگ گئی جس سے عمارت کا بہت سا حصہ منہدم ہو گیا۔

760ھ میں پھر اسے تعمیر کیا گیا۔ ایک ایرانی تاجر نے خالص سونے کے دروازے لگوائے۔ شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی نے آئینہ کاری کا کام کرایا اور روضہ کے اندر یہ رباعی تحریر کروائی:

گرد حرمت آئینہ کاری کردم
کارے نہ سزائے شہر باری کردم
تا جلوہ حق بہ بینم از طلعت تو
درپیش رخت آئینہ کاری کردم(1)

کوفہ

کوفہ عربی لفظ ہے، جس کا معنی ہے "ریت کا گول ٹیلا" خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد زریں میں ایک مضبوط دفاعی اعتبار سے مستحکم چھاؤنی کے طور پر آباد ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خواہش اور درخواست پر اسے تعمیر کیا گیا تاکہ نئے مفتوحہ علاقوں کی آبادی کو آسانی سے کنٹرول میں رکھا جا سکے اور دارالخلافہ مدینہ اور ان فوجی مرکزوں کے درمیان حمل و نقل پر کوئی طبعی رکاوٹ اثر انداز نہ ہو سکے۔

چنانچہ حیرہ کے قریب ایک موزوں جگہ کا انتخاب ہوا جو ایک تو فرات کے قریب سرسبز و شاداب مقام پر تھی اور دوسرا صحرا سے کچھ دور نہیں تھی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اس مناسبت سے اس کا نام کوفہ تجویز ہوا۔ اسلام سے قبل نعمان بن منذر کے خاندان کا پایہ تخت یہی مقام تھا۔ ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر اس کے نواح میں واقع تھیں۔ یہ دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ عرب اسے "خدالعذراء" عارض محبوب کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے عمدہ قسم کے پھولوں کا چمن زار تھا۔ یہ فرات کے کنارے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کا محل وقوع بصرہ سے زیادہ صحت افزا تھا۔ قرب و

1۔ میں نے آپ کی عزت و حرمت کی خاطر یہ آئینہ کاری کا کام کرایا ہے۔ یہ کام بادشاہی کے شایان شان تو نہیں یہ کام کرانے کا سامان اس لیے ہے کہ آپ کی جبین مبارک کے طفیل حق کا کوئی جلوہ دیکھنا نصیب ہو جائے۔

جوار کے علاقے کی اہم پیداوار کھجور، شکر اور کپاس تھی۔

سب سے پہلے ایک اونچی جگہ پر مسجد تعمیر کی گئی۔ اس کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں 30 ہزار آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتے تھے۔ اس کے گرد چاروں طرف کھلی جگہ بھی کافی چھوڑی گئی تاکہ اگر کسی وقت نمازی زیادہ ہوں تو وہ شریک نماز ہو سکیں۔ مسجد کے قریب ہی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش کے لیے ایک مکان تعمیر کیا گیا۔ بیت المال بھی اس کے اندر قائم کیا گیا اسے قصر سعد کا نام دیا گیا۔

ایک زمانہ میں کوفہ بہت مشہور اور معروف شہر تھا۔ اسلام کی برکت سے بڑی ترقی اور خوشحالی اس کے حصے میں آئی۔ زرخیز اور شاداب تھا، آب و ہوا اچھی تھی۔ خشکی اور تری دونوں سے یکساں تعلق رکھتا تھا۔ اس لیے لوگ امڈتے چلے آئے۔ مسجد اور قصر سعد کی تعمیر کے بعد شہر کی آبادی شروع ہوئی۔ جلد ہی اس نو آباد شہر نے حیرہ کی شوکت اس سے چھین لی۔ لخمین کا پایہ تخت اس کی معمولی بستی ہو کر رہ گیا۔ چند برسوں میں ہی اس نے خاص اہمیت حاصل کر لی اور عربوں کی طاقت کا مرکز بن گیا۔

خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے دارالاسلام کہتے تھے۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں "قبۃ الاسلام" کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں 1500 صحابہ کا قیام رہا جن میں 24 بدری تھے۔ شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسے دارالخلافہ بنایا اور اسے علمی جلاء بخشی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو السابقون الاولون میں سے ہیں اور کوفہ کے رہبر و معلم تھے، نے اپنے دبستان فقہ کی اسی شہر میں بنیاد رکھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی مسند کے وارث بنے۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس سرزمین کے فرزند تھے۔ امام عامر بن شرحبیل، شعبی اور محمد بن علاء بن کریب ہمدانی رحمہم اللہ جیسے حفاظ حدیث جن سے اصحاب صحاح ستہ نے حدیث کی روایت کی ہے، یہیں سے اٹھے۔ فن نحو کے قواعد کے انضباط کا عمل اسی میں شروع ہوا فقہ حنفی کی بھی یہیں سے بنیاد پڑی۔ فقہ کا مرکز بھی تھا اور حدیث رسول کا بھی۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں:

''میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں کتنی دفعہ محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد حدیث لینے گیا''(1)۔

لیکن کوفہ کے عام باشندے بڑے متلون مزاج اور ناقابل اعتبار واقع ہوئے ہیں۔ یہ روش سیاسی زندگی کے لیے بڑی مہلک ثابت ہوئی اور خانہ جنگیوں کا سبب بنی جو خلافت کے خوش آئند اور باوقار ارتقاء میں سدراہ رہی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفیوں کی اس روش سے نالاں اور ناخوش رہے۔

کوفہ کی یہ سطوت، شوکت، رفعت اور عظمت بھی زمانے کے ہاتھوں گہنا گئی۔ چوتھی صدی میں تیزی سے خلافت کے انحطاط سے کوفہ پر بھی زوال آیا۔ یہ بھی رفتہ رفتہ اپنی ہر قسم کی اہمیت سے محروم ہوتا چلا گیا۔ اور تیزی سے گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔ قصر سعد جو بعد میں قصر الامارہ کے نام سے مشہور ہوا اب اس کی صرف بنیادیں باقی رہ گئی ہیں۔ قزوینی لکھتا ہے:

''اردگرد کا سارا علاقہ صحرا ہے اور شہر میں کسی قسم کی آبادی نہیں۔ یہاں کی سب سے قابل ذکر چیز وہ جامع مسجد ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخم کاری لگا تھا۔ لیکن اب اس کی بھی صرف چار دیواری ہی باقی رہ گئی ہے''۔(2)

کوفہ بھی عراق پر حالیہ امریکی یلغار میں ان کی زد پر رہا ہے۔ آبادی اور املاک نے شدید نقصان اٹھایا ہے۔

بصرہ

کوفہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوجی ضروریات کے لیے ایک اور شہر آباد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ خریبہ نامی ایک جگہ کا انتخاب ہوا۔ یہ ایک چٹیل میدان تھا۔ زمین کنکریلی تھی، آس پاس پانی کا کوئی نشان نہ تھا اور محل وقوع مزاج عرب کے موافق تھا۔ یہ بندرگاہ کے قریب تھی جہاں ہندوستان اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوتے

1۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری 2۔ قزوینی: تاریخ قزوینی

تھے۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے یہ جگہ پسند کی تھی چنانچہ یہاں امیر المومنین کے حکم سے پہلے بانس کی ایک مسجد تعمیر ہوئی اور پھر مکانات بنے مسلمان جب بھی حملہ کرنے جاتے تو ان کو گرا جاتے اور جب واپس آتے تو بنا لیتے۔ بعد میں پختہ عمارتیں اور مکانات تعمیر ہوئے۔ سرکاری عمارتوں میں جامع مسجد، قصر امارت، دفاتر، جیل اور بیت المال ممتاز تھیں۔

یوں بصرہ خلیج فارس کے کنارے سرحدی چھاؤنی بن گیا۔ یوں اسلامی تاریخ میں جو مقام کوفہ کو حاصل ہوا وہی بصرہ کو بھی نصیب ہو گیا۔ تاہم اپنے محل وقوع اور دیگر مسائل کی بہتات کے سبب کوفہ بصرہ سے ممتاز تھا۔

جس زمانے میں کوفہ کی بنیاد پڑی غالباً اسی زمانے میں بصرہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اس لیے یہ دونوں شہر عمران و سیاست اور علوم و فنون میں ایک دوسرے کے حریف اور مخالف رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بصری کوفیوں سے رشک و حسد کرتے تھے۔

تاہم اہل بصرہ بھی علم و فضل میں اپنا شاندار مثالی مقام رکھتے ہیں۔ بہت سے علوم عربیہ اور اسلامیہ کی یہیں بنیاد پڑی اور فنون کی ابتدا ہوئی۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام مجتہد اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ خلیل بن احمد بصری کا خمیر اسی مٹی سے تھا جس نے عربی لغت کی پہلی کتاب ''العین'' لکھی۔ علم نحو کا پہلا امام سیبویہ یہیں سے اٹھا، الغرض لغت ہو یا ادب، حدیث ہو یا فقہ، تاریخ ہو یا ثقافت، علم و فن کے بہت سے دھارے اس شہر سے ہی پھوٹے۔

موصل

موصل بہت پرانا شہر ہے۔ اس کی تاریخ اسلام سے پہلے کی ہے۔ یہ پہلے ایک برائے نام شہر تھا۔ یہاں کچھ کھنڈرات، ایک قلعہ اور عیسائیوں کے چند کلیسے تھے۔ حضرت ہرثمہ بن عرفجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ان کی اجازت سے نئے سرے سے آباد کیا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ بقول یاقوت حموی:

''میں نے کئی لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں:

۱۔ نیشاپور، یہ مشرق کا دروازہ ہے۔

۲۔ دمشق، یہ مغرب کا دروازہ ہے۔

۳۔ موصل، یہ مشرق اور مغرب کی گزرگاہ ہے۔

ہر گزرنے والے کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے خواہ اس نے کہیں جانا ہو۔ اسے موصل اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جزیرہ اور عراق کو آپس میں ملاتا ہے۔ اس کے ذریعے مشرق و مغرب کے ڈانڈے آپس میں ملتے ہیں۔

بعض کا یہ قول ہے کہ جس بادشاہ نے اس شہر کو آباد کیا اس کا نام موصل تھا اس لیے اس کا نام موصل پڑ گیا اور یہی وہ پرانا شہر ہے جو نینوا کی مشرقی جانب دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ شہر کے وسط میں پیغمبر خدا حضرت جرجیس علیہ السلام کا مرقد مبارک ہے"(1)۔

ایرانی بادشاہت کے دور میں اس شہر نے بہت ترقی کی اور بڑا مقام حاصل کیا۔ انہوں نے اسے "نوار دشیر" کا نام دیا۔ تعمیر نو کے بعد اس کی خوشحالی میں اور اضافہ ہوا اور اس کی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ اس کے بارے یہ بات مشہور تھی، جو مسافر موصل میں ایک سال تک ٹھہر جائے اس کے بدن میں بے شمار طاقت آجاتی ہے یہ یہاں کی ہوا کی تازگی اور پانی کی شیرینی کی وجہ سے تھا۔ اس میں باغات نسبتاً کم، موسم سخت ہے گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔

شہر میں دو جامع مسجدیں ہیں: ایک نورالدین محمود زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کرائی اور دوسری مسجد کی تعمیر کا سہرا مروان بن محمد کے سر پر ہے۔ کوفہ و بصرہ کی طرح موصل بھی علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں بھی جلیل القدر حفاظ حدیث اور رفیع المرتبت علمائے دین نے جنم لیا۔ مشہور محدث ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ موصل ہی میں پیدا ہوئے۔

حالیہ امریکی شورش کی زد سے موصل بھی نہیں بچ سکا۔ اس نے بھی شدید دھچکے کھائے ہیں اور نقصان برداشت کیا ہے۔ یہ بغداد سے 74 کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔

1۔ یاقوت حموی: معجم البلدان

زیارات

اللہ تعالیٰ نے عراق کی سرزمین کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ وہ بے شمار انبیاء و اولیاء کی مولد اور مسکن رہی ہے۔ اس کی آغوش میں کئی قدسی نفوس اور پاکیزہ روحیں ابدی آرام فرما رہی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور القدس کے بعد نہایت متبرک اور مقدس جگہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ ہزاروں زائرین عقیدت و احترام سے ان مقامات کی زیارت کے لیے کشاں کشاں چلے آتے ہیں اور فیوض و برکات سمیٹتے ہیں۔

حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یرمیاہ علیہ السلام، حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت جرجیس علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام یہ سب پیغمبران خدا سرزمین عراق میں دعوت توحید دینے اور نور ہدایت پھیلانے کے لیے مبعوث ہوئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام طاہر بن امام باقر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام محمد تقی جواد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی نقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قنبر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے کئی صلحاء اور آئمہ کے علاوہ حضرت نرجس زوجہ امام حسن عسکری اور

حضرت حکیمہ خاتون جیسی کئی صالحات کے مزارات اسی جگہ مرجع خلائق ہیں۔ عباد اللہ اختر لکھتے ہیں:

''دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس کے تاریخی واقعات ایسے نتیجہ خیز ہوں جتنے کہ عراق کے ہیں اور جو عظمت و شان اس ملک کو حاصل تھی وہ کبھی کسی کو ہوئی ہو یا قدرت اور انسانی صنعت نے جو کچھ اس جگہ نظارے دکھلائے تھے وہ کسی اور جگہ ہوں''(۱)۔

1۔ عباد اللہ اختر: بغداد

پرانا بغداد

عروج و سقوط

بغداد عراق کا متبرک اور مقدس شہر ہے۔ دنیا میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور القدس کے بعد عزت و تکریم اور تقدس و احترام جس شہر کے حصے میں آیا ہے وہ یہی بغداد ہے۔ یہ عراق کا دارالحکومت بھی ہے اور اس کی پٹرولیم انڈسٹری کا مرکز بھی اور اس کا سب سے بڑا، بہترین اور خوبصورت شہر بھی۔

یہ صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ ہے۔ فکر و فلسفہ کا سرچشمہ ہے۔ اس کی آغوش میں کئی دبستان پروان چڑھے اور کئی مذاہب نے جنم لیا۔ عمران و سیاست، تمدن و معاشرت کو یہیں جلا ملی۔ یہاں سے بڑی بڑی علمی، فکری، روحانی، سیاسی اور انقلابی شخصیات اٹھیں۔ حتیٰ کہ کئی پیغمبران خدا توحید کی روشنی پھیلانے کے لیے مبعوث ہوئے۔ بلاد اسلامیہ میں جو مقام اسے ملا وہ کسی اور شہر کو نصیب نہیں ہوا۔ جو عظمت اور شوکت اس کے حصے میں آئی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوئی۔

لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ بغداد نے اگر رفعت کے اوج ثریا کو چھوا ہے تو کئی بار نکبت کی دلدل میں بھی گرا ہے۔ اگر یہ بلندیوں پر اڑا ہے تو پستیوں میں بھی غوطے کھائے ہیں۔ عروج پایا ہے تو زوال بھی دیکھا ہے۔ اپنی سطوت کا علم لہرایا ہے تو ذلت سے اپنے خون میں نہایا بھی ہے۔ ماضی کے سینے میں اس کے عروج و زوال کی سیکڑوں داستانیں چھپی ہوئی ہیں جو اس کی عظمت رفتہ پر نوحہ کناں بھی ہیں اور ان میں ہمارے لیے

عبرت کا سامان بھی۔

پس منظر

بغداد کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں رکھی گئی اور اس وقت سے خلافت عباسیہ کے خاتمے تک یہ برابر دارالخلافہ اور صدہا سال تک عالم اسلام کا ثقافتی مرکز رہا۔ 1258ء کے بعد یہ ایک صوبے کا صدر مقام اور عثمانی ترکوں کے تحت ولایت بغداد کا مرکز رہا۔ 1921ء میں یہ جدید مملکت عراق کا دارالحکومت ہو گیا۔

آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے 760ء/132ھ میں دریائے نیل کے کنارے ذات السلاسل کے مقام پر قتل کے بعد شام میں خاندان امیہ کی خلافت کا چراغ گل ہو گیا اور بنو عباس اس پر قابض ہو گئے۔ بنو امیہ کی حکومت 40ھ سے 132ھ تک رہی۔ ابوالعباس عبداللہ جو السفاح کے لقب سے مشہور ہوا، خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ بنا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔

نئے حکمران خاندان کے لیے دار الخلافہ لابدی امر تھا۔ چنانچہ عباسیوں کو نئے دارالخلافہ کی فکر لاحق ہوئی۔ دمشق تو ان کے لیے کسی طرح مناسب نہ تھا کیونکہ ایک تو اس میں امویوں کی تاثیر باقی تھی۔ دوسرا قسطنطنیہ کی حدود کے قریب تھا۔ تیسرا ایران اور خراسان سے دور تھا جو عباسیوں کے طاقت کے اصل سرچشمے تھے۔ سفاح نے عارضی طور پر ہاشمیہ کو مرکز بنایا جب کبھی اسے فرصت ملتی تو وہ قصبہ ہاشمیہ میں ہی آ کر رہتا یہ پرانے ایرانی شہر انبار کے پہلو میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ مگر منصور کو یہ جگہ کئی وجوہ سے پسند نہ تھی۔ بلکہ وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ وہ اسے دارالخلافہ کے لیے کسی طرح موزوں نہ سمجھتا تھا۔ کوفہ جہاں اکثر تلوار چل اٹھتی تھی، اس کے بہت قریب تھا۔

سرزمین حجاز بھی مناسب اور موزوں نہ تھی کیونکہ مقبوضات سلطنت سے وہ بہت دور تھی چنانچہ عراق ہی دارالخلافہ کے لیے موزوں مقام تھا اور عراق میں دجلہ و فرات کے کناروں کے بعد کوئی موزوں اور بہتر جگہ نہ تھی۔ یہ مغربی دجلہ کے کنارے فرات کے اوپر ایک پرانا

ایرانی دیہہ تھا جسے منصور نے دارالخلافہ کے لیے منتخب کیا۔

تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ دیہہ کسی زمانے میں بہت آباد تھا۔ اس جگہ سے کچھ ایسی اینٹیں برآمد ہوئی ہیں جن پر بخت نصر کا نام کندہ تھا۔ دجلہ اور فرات ان دنوں اپنے موجودہ رخ پر نہیں بہتے تھے۔ فرات بابل کے کھنڈرات سے کچھ اوپر دائیں طرف بہتا اور کوفہ سے ہوتا ہوا ایک وسیع دلدل میں جا گرتا اور دجلہ قوت الامارہ کے پاس سے ہوتا ہوا جنوب کی طرف رخ کرتا اور واسط سے شط الحی کے راستے گزرتا ہوا اسی دلدل میں آ گرتا اور یہاں سے دونوں مل کر بصرہ سے گزرتے ہوئے خلیج میں جا گرتے (1)۔

145ھ/762ء میں خلیفہ ابوجعفر منصور نے شہر کی بنیاد کا پتھر رکھا اس وقت اس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (الاعراف:128)

''بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہی کی ہے۔ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے''۔(2)

اسے فاتح الخلفاء کا نام دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی خلافت عباسیہ کے دارالخلافہ کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''یہ زرخیز میدان میں واقع تھا جہاں دریا کے دونوں جانب کھیتی خوب ہوتی تھی۔ خراسان کی سڑک پر ایسی جگہ آباد تھا جہاں کاروانوں کے مختلف گروہ آ کر ملتے تھے اور مہینے کے مہینے میلے لگتے تھے چنانچہ عوام اور فوج کے لیے یہاں سامان رسد افراط سے مل سکتا تھا۔ اس کے اردگرد نہروں کا جال تھا جو زراعت کے لیے بھی نہایت کارآمد تھیں اور شہری دفاع کا بھی کام دے سکتی تھیں۔ یہ مقام عراق کے وسط میں واقع تھا۔ آب و ہوا معتدل اور صحت افزا تھی اور مچھروں سے خاصا محفوظ تھا''(3)۔

طبری نے بغداد کے دارالخلافہ کے لیے موزوں ہونے کے بارے میں بہت کچھ لکھا

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ 2۔ جمال القرآن 3۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''دارالخلافہ کے واسطے یہ جگہ بہت موزوں تھی۔ چار اضلاع بوق، کلواذہ دجلہ کے مشرقی کنارے اور نطرنبل اور بدریا مغربی کنارے پر واقع تھے۔ کھجوروں کے جھنڈ اور پانی کی افراط تھی۔ اگر کسی ضلع میں گرانی غلہ ہو تو دوسرے سے امداد مل سکتی تھی براہ نہر فرات دریائے فرات سے غلہ کشتیوں کے ذریعے بہ افراط آسکتا تھا۔ مصر اور شام کے کارواں اس جگہ بآسانی پہنچ سکتے تھے اور دجلہ کے ذریعے براہ موصل قسطنطنیہ کی اشیاء بہم پہنچ سکتی تھیں۔ سمندر کے راستے چینی کے برتن اور دیگر تجارتی مال واسباب مختلف ممالک سے آسکتا تھا، دشمن کا گزر اس جگہ مشکل تھا کیونکہ سمندر اور دریا حائل تھے''۔(1)

بغداد کی وجہ

جدید مصنفین کا تو یہ خیال ہے کہ بغداد فارسی لفظ ہے جس کا معنی ہے، دادِ خدا، عطیہ خدا، یا عطیہ صنم۔ بعض کا خیال ہے کہ یہاں بغ نامی ایک بت تھا۔ جس کے نام پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ بغداد اصل میں باغ داد تھا وہ باغ جہاں نوشیرواں مظلوموں کی دادرسی کرتا تھا۔ کچھ مصنفین کی رائے یہ ہے کہ بغداد کی اصل آرامی ہے جس کا معنی ہے، بھیڑوں کا باڑہ یا احاطہ۔

نیز حمورابی کے عہد کی ایک قانونی دستاویز میں بھی ''بگدادو'' نام کے شہر کا ذکر ملتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ حمورابی کے عہد اور ایرانی زمانہ سے پہلے موجود تھا اور استعمال ہوتا تھا اور بغداد اسلامی عہد سے پہلے کا نام ہے اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس نام کی اصل واضح نہیں اور نہ تحقیق سے معلوم ہو سکی ہے(2)۔

بعض تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ قدیم اسلام میں یہ بغدادہ کہلاتا تھا اور زمانہ اسلام میں بغداد مشہور ہوا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مغداد تھا۔ مغ کہتے ہیں آتش پرست کو اور داد کا مطلب بنیاد

1۔ابن جریر طبری: تاریخ طبری 2۔دیکھیے دائرہ اردو معارف اسلامیہ

ڈالنا، آباد کرنا ہے۔ ممکن ہے یہاں کسی زمانے میں کوئی آتش کدہ ہو اور کسی آتش پرست نے اسے آباد کیا ہو اور بعد میں مغداد سے بغداد ہو گیا ہو۔

عظمت وشان

ابوجعفر منصور نے اپنے اس نو آباد شہر کا نام مدینہ السلام رکھا۔

یہی سرکاری نام دستاویزات، سکوں اور باٹوں پر لکھا جاتا تھا۔ عرفی نام جیسے مدینہ المنصور، مدینہ ابی جعفر، مدینہ الخلفاء اور الزوراء بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

اپنی خاص خوبیوں کی بدولت اس شہر نے جلد ہی بابل، سلوقیہ اور مدائن کی جگہ لے لی اور سب پر بازی لے گیا۔ منصوبہ بندی کے تحت اسے ایک دائرے کی صورت میں آباد کیا گیا۔ اس نسبت سے اسے ''مدورہ'' بھی کہا جاتا ہے، جس کا معنی ہے ''گول شہر'' حفاظت کی غرض سے نوے فٹ اونچی فصیل بنائی گئی اس کے ساتھ ایک گہری خندق کھدوائی گئی تاکہ کوئی حملہ آور باہر سے اندر داخل نہ ہو سکے۔ شہر کے چار اطراف دروازے بنائے گئے جن کے نام باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان تھے۔

اس زمانے میں یہ شہر دو حصوں میں بنا ہوا تھا: ایک حصہ خود خلیفہ کے نام پر منصور یہ کہلاتا تھا اور دوسرا اس کے ولی عہد مہدی کے نام پر مہدیہ بولا جاتا تھا۔ وسط شہر میں بڑی جامع مسجد تھی اور اس سے متصل خلیفہ کا محل اور ایوان۔ دجلہ سے ایک نہر نکال کر شہر کے لیے پانی کا اہتمام کیا گیا۔

شہر کے وسعت کے بارے مختلف معلومات ملتی ہیں۔ یعقوبی کے اندازے کے مطابق ہر دو دروازوں کا درمیانی فاصلہ خندق کے باہر سے 5000 ذراع (2534.5 میٹر) تھا۔ اس کی تعمیر پر اٹھنے والے خرچ کے بارے میں بھی بہت سے بیانات ملتے ہیں۔ سرکاری بیان کی رو سے جو دفتر خلافت کی قدیم دستاویزوں پر مشتمل ہے، منصور نے اس گول شہر پر چالیس لاکھ آٹھ سو تراسی (4008883) خرچ کیے(1)۔

1۔یعقوبی: تاریخ یعقوبی

شہر کے علاوہ منصور نے باب الخراسان کے سامنے دجلہ کے کنارے ایک محل بھی تعمیر کرایا۔ اس میں وسیع باغات تھے اس مناسبت سے اس کا نام خلد رکھا۔ یہ جگہ مچھروں سے پاک اور تازہ ہوا کے لیے مشہور تھی اس کا نام خلد بہشت کی یاد دلاتا تھا۔ عباداللہ اختر لکھتے ہیں:

''یہ وہ دارالخلافہ تھا جس کے فرمانروا ایسی عظیم الشان وسیع سلطنت پر حکومت کرتے تھے جو ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ممالک اسلامیہ میں سے صرف ہسپانیہ ہی آزاد مقابل حریف تھا۔ شہنشاہ روم خود سر فرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔

یہ وہ بغداد تھا جس کی خوشگوار آب و ہوا، دجلہ کی روانی، کشتیوں کی سیر، باغوں کی رنگینی اور صبح و شام آفتاب کے طلوع و غروب کا دلربا سماع الف لیلہ میں دکھایا گیا ہے''۔(1)

انوری اپنے اشعار میں بغداد کی شوکت کا یوں نقشہ کھینچتا ہے:

خوشا نواحے بغداد جائے فضل و ہنر
کہ کس نشان ندہد در جہاں چنیں کشور
سواد او بمثل چوں سپہر مینا رنگ
ہوائے او بہ صفت چوں نسیم جاں پرور
بخاصیت ہمہ سنگش عقیق لولو خیز
بمنفعت ہمہ خاکش عبیر غالیہ بر
کنار دجلہ ترکان سیم تن خلخ
میان رحبہ زخوباں ماہ رخ کشمر
برہم بعث بازاں سپہر آئینہ رنگ
زماں زماں بہ نمود مے عجائب دیگر(2)

1۔ بغداد 2۔ بغداد اور اس کے نواح فضل و ہنر کا منبع ہیں دنیا میں اس نام و نشان کا کوئی شہر نہیں۔ اس کی زمین مثل آسمان کے مینا رنگ اور ہوا نسیم کی مانند جان پرور ہے۔ اس کے پتھر اپنی خلقیت میں عقیق کے موتی لگتے ہیں اور مٹی عبیر۔ دجلہ کے کنارے نرم و نازک ترک اور اندر بستیوں میں حسین دکھائی دیتے ہیں۔ (بقیہ آگے)

مشہور سیاح ابن جبیر اپنے سفرنامے میں بغداد اور اس کے باشندوں کے بارے میں لکھتا ہے:

''ہر ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ ''لم یخلق مثلها فی البلاد'' بغداد ہی کی صفت ہے، بغداد سا دوسرا شہر آباد کرنا دشوار ہے۔ اہل بغداد بجز اپنے شہر کے کسی شہر کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک خدا کی خدائی میں نہ ان کے شہر کے سوا کوئی شہر ہے اور نہ ان کی ذات کے سوا کوئی بندہ ہے''۔(1)

ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

''عراق تو تاریک تھا، بغداد کی وجہ سے اسے روشنی اور جلاء ملی اور وہ ماہ کامل بن کر دنیا میں چمکتا ہے۔ اگر زمین پر بغداد نہ ہوتا تو وہ اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اس کی مہک کے سبب فضا میں اڑنے لگتا''۔(2)

تاریخ

حالات اور واقعات کو دیکھا جائے تو خلافت عباسیہ کا عہد پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اسی تناظر میں بغداد کی تاریخ بھی سمجھی جا سکتی ہے۔

پہلا دور 750ء/ 132ھ تا 883ء/ 218ھ میں بغداد کی بنیاد سے خلیفہ مامون الرشید کی وفات تک

حقیقتاً بغداد کی تاریخ کا آغاز 762ء/145ھ سے ہوتا ہے جب خلیفہ ابوجعفر منصور نے دجلہ کے کنارے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ پہلے دور میں خلافت عباسیہ اوج کمال کو پہنچی اسے انتہائی عروج ملا اس دور میں بغداد کو جو اقتدار حاصل ہوا وہ پھر کبھی اسے نصیب نہ ہوا، اس

(بقیہ گزشتہ) حسینوں سے اٹا ساحل دجلہ حسن میں خلخ کی مانند ہے اور میدان اپنی حسیناؤں کے ساتھ مثل کشمیر کے ہیں اس پر آسمان کئی دفعہ برہم ہوا۔ اس میں ہر زمانے میں نت نئے عجائب ظاہر ہوئے۔

1۔ ابن جبیر، سفرنامہ 2۔ بغداد

میں ایسے عظیم الشان اور محیر العقول واقعات ہوئے کہ ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ایسے خلفاء تخت نشین ہوئے جن کی دولت وحشمت بڑے بڑے فاتحوں کے بھی حصے میں نہ آئی۔ یہ خلیفہ بھی خود تھے اور سپاہی بھی خود۔

منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا۔ مہدی کے بعد ہادی خلیفہ بنا، ہادی کے بعد ہارون الرشید مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ ہارون کا عہد دولت اسلامیہ کے شباب کا زمانہ تھا۔ سلطنت کی ترقی، خوشحالی، اوج، کمال اور عروج کا وقت تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے: امین، مامون اور معتصم۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی سلطنت کو اپنے دو بیٹوں امین اور مامون میں تقسیم کر دیا۔ اور تیسرے بیٹے معتصم کو ان پڑھ ہونے کی وجہ سے محروم رکھا۔ لیکن یہی بعد میں تخت خلافت پر بیٹھا اور خلافت اس کی اولاد میں رہی۔

دوسرا دور 946ء/334ھ میں ختم ہوا۔ اس دور میں ترکوں کا غلبہ ہوا۔ ترکوں کا اس قدر زور بڑھا کہ وہ غلامی کے مقام سے اوپر امارت کے مقام پر جا پہنچے اور آخر یہاں تک خود کو پھلایا کہ خلفاء کے سرپرست کہلانے لگے۔ معتصم کو ترکوں سے اس قدر انس ہو گیا کہ انہی کی بولی بولتا اور انہی کا چلن چلتا۔

تیسرا دور، یہ دور خلیفہ مستکفی کی خلافت سے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں آل بویہ کا بغداد میں غلبہ ہوا اور وہ اقتدار پر قابض ہوئے۔ ان کا ایک سو برس سے زیادہ غلبہ رہا۔ یہ ایرانی شہزادے تھے۔

احمد الدولہ، رکن الدولہ اور معز الدولہ بویہ کے بیٹے تھے۔ خلفاء کے ماتحت مختلف صوبوں کے حاکم تھے۔ مرکز کی بدنظمی اور ابتری سے فائدہ اٹھایا۔ عراق وفارس پر قبضہ کر لیا عز الدولہ ترکوں کا استیصال کرتا ہوا بغداد داخل ہو گیا۔ اس کے تمام دفاتر اور خزائن پر قبضہ کر لیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ یوں آل بویہ کے اقتدار کا ستارہ چمکا۔

چوتھا دور، اس میں آل بویہ کا تنزل اور خاندان سلجوق کا غلبہ ہوا جو محمد طغرل بیگ کے اقتدار 1055ء/447ھ سے شروع ہو کر سلطان سنجر کی وفات 1258ء/650ھ پر ختم ہوتا

ہے۔ سلجوق نے سمرقند اور اس کے نواح میں اپنی ایک چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد رکھی اور بادشاہت قائم کی اور اسلام اختیار کیا۔ اس نواح میں سلجوق کی کوشش سے اسلام خوب پھیلا۔ انہوں نے ایک سو سات برس حکومت کی۔

پانچواں دور، اس میں سلجوق تنزل کا شکار ہوئے۔ 1250ء/650ھ میں مغلوں نے بغداد پر حملہ کیا۔ خلیفہ مستعصم قتل ہوا۔ بغداد پر مغلوں کے قبضے کے بعد خلافت عباسیہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

ان واقعات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بغداد کی تاریخ عربوں کی تاریخ نہیں بلکہ مختلف قوموں اور خاندانوں کے زور وغلبہ اور زوال وانحطاط کے احوال کی تاریخ ہے۔

مختلف وقتوں میں بغداد کو بیرونی حملوں اور محاصروں نے بڑی دفعہ نقصان پہنچایا ہے۔ بغداد کے پانچ محاصرے ہوئے۔ پہلا محاصرہ 197ھ میں مامون کے سپہ سالار طاہر نے کیا۔ یہ محاصرہ ایک سال سے زائد عرصہ تک قائم رہا۔ اس کی فوجوں نے بغداد کو دونوں جانب سے گھیر لیا۔ اس محاصرے میں بغداد تباہ ہو کر رہ گیا۔ پرانی یادگاریں ایسی مٹیں کہ پھر دوبارہ نہ بنیں۔ ایسی تباہی اور غارت گری ہوئی کہ بغداد کی ساری شان وشوکت جاتی رہی۔

دوسرا محاصرہ 251ھ میں شروع ہوا، یہ بھی کئی مہینوں تک رہا۔ کئی ایک مرتبہ خونریزی ہوئی۔ پہلے محاصرے میں مدینۃ المنصور ویران ہوا۔ اس محاصرہ میں مشرقی بغداد ایسا اجڑا کہ پھر نہ بنا۔ اس میں ترکوں کو فتح حاصل ہوئی اور دار الخلافہ سامرہ رہا لیکن تین سال بعد پھر 252ھ کو معتز کے تخت نشین ہونے پر بغداد کو غلبہ حاصل ہوا آل بویہ کا زمانہ بغداد کے لیے بڑا پرشوار اور مشکل تھا۔ اس میں نہری نظام تباہ ہو گیا۔ عمارتی سرگرمیاں محدود ہو گئیں۔ البتہ سلجوق کے دور میں بغداد خاصا پر رونق تھا۔ بہت وسیع ہو گیا۔ خلفاء کے محلات کے گرد رباط کی بنیادیں پڑیں۔ اس زمانے میں شہر میں چھ بڑی جامع مسجدیں تھیں۔ مغربی بغداد میں جامع منصور، جامع حربیہ، جامع زبیریہ اور جامع براثا اور دو مشرقی بغداد میں جامع رصافہ اور جامع قصر تھیں۔

تیسرا محاصرہ 530ھ میں ہوا۔ پہلے دو محاصروں کی وجہ خانہ جنگی تھی لیکن اس محاصرے کا سبب دوسری قوموں کا زور اور غلبہ تھا۔ خلیفہ مستظہر کے بعد اس کا بیٹا راشد مسند نشین ہوا۔ باپ کی طرح گو قابل تھا لیکن حالات پر گرفت نہ ہونے کی وجہ وقت کی نبض پر ہاتھ نہ رہا۔ سلطان ملک شاہ کا پوتا مسعود سلجوقی چاہتا تھا کہ خلیفہ اسے سلطان تسلیم کر لے تاکہ اس کا رعب و داب قائم رہے۔ خلیفہ کی غیرت نے یہ بات گوارا نہ کی۔ چنانچہ دونوں میں بگڑ گئی۔ مسعود بغداد پر چڑھ دوڑا اور اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ اس نے گورنر واسط کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہر طرف سے بغداد کے آمد و رفت کے سب راستے مسدود کر دے۔ اہل بغداد نے بھی بغاوت کر دی۔ خلیفہ نے مقابلے کی بڑی کوشش کی لیکن تقدیر کے آگے اس کی کوئی تدبیر نہ چلی۔ آخر پچاس روز کے بعد مجبور ہو کر اسے مسند چھوڑنا اور موصل کی طرف بھاگ کر اس میں پناہ لینا پڑی۔

تیسرے محاصرے کے 21 برس بعد چوتھا محاصرہ ہوا۔ مسعود سلجوقی کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمد سلجوقی اس کا جانشین ہوا اس کی خلیفہ سے کچھ ایسی بگڑی کہ وہ بھی اپنے چچا کی طرح بغداد پر چڑھ آیا۔ 551ھ میں اس نے اپنے الاؤ لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور بغداد کے باہر کی دیواروں کے نیچے سے نمودار ہوا۔ خلیفہ مشرقی بغداد میں محصور ہو گیا۔ اس محاصرے میں خلیفہ کا پلڑا بھاری رہا۔

واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے خواہ مخواہ دشمن کو بغداد میں آنے کی تکلیف دی، وہ خود ہی ان کی خبر گیری کر لیتا۔ اس محاصرہ میں سخت جانی مالی نقصان اٹھا کر پسپا ہوا۔ قصر سلجوقی لوٹ لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی آل سلجوق کی طاقت اور اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

پانچواں محاصرہ 656ھ سے ہوا۔ یہ مغلوں کی فتح اور عباسیوں کی دولت کے خاتمہ پر منتج ہوا۔ خلیفہ مستنصر کے بعد اس کا بیٹا مستعصم مسند پر بیٹھا۔ یہ ایک سادہ لوح خلیفہ تھا۔ اسے گرد و نواح کی کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تخت کو عرش معلیٰ خیال کرتا، قصر کو کعبہ سمجھتا، اس میں اس حجر اسود کے رنگ کا ایک سیاہ پتھر رکھا ہوا تھا جسے آنے والے لوگ تبرکاً چومتے

ایک سیاہ اطلس کی آستین جھروکے سے لٹکا رکھی تھی جسے لوگ اپنی آنکھوں سے لگاتے سیکڑوں غلام اور کنیزیں زریں کمر اس کے آگے پیچھے جھرمٹ کی طرح حاضر رہتے۔ قصر کے اندر ہی رہتا کبھی باہر نہ نکلتا۔ ظل اللہ کی بجائے خود کو الٰہ تصور کرنے لگا، اس کا وزیر علقمی اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ کل اختیار رکھتا تھا۔ جو چاہتا وہ کرتا۔ خلیفہ کی ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتا، ناراض ہوتا اور طیش میں آتا۔ خلیفہ اس کے سامنے دم نہ مارتا تھا۔ خلیفہ قصر میں اگر خدا بنا بیٹھا تھا تو یہ شیطان، جہاں جھوٹی نمود و نمائش اور عیش و عشرت کا سامان ہو اور مفادات کا دور دورہ ہو تو حسد اور خود غرضی پیدا ہونا فطری بات ہے۔ وزیر کی خلیفہ سے کچھ ایسی بگڑی کہ تباہی آ گئی۔ ایسی بربادی ہوئی کہ پھر آبادی نہ ہوئی۔ وہ خلیفہ کی طرف سے راندہ درگاہ کیا ہوا کہ اس نے غضب میں آ کر ہلاکو خان کو بغداد کا راستہ دکھا دیا اور اسے تباہ و برباد کرا دیا۔

ہلاکو خان ایسا طوفان تھا کہ مدتوں دنیا اندھیر رہی۔ ہر طرف تاتاری ٹڈی دل چھایا دکھائی دیتا۔ ظالم جہاں ٹھہرتا تنکا تک نہ چھوڑتا۔ 656ء میں ہلاکو خان نے مشرقی بغداد کے سامنے خیمے لگائے اور محاصرہ ڈال دیا۔ نمک حرام امراء نے اس کی پوری مدد کی۔ کرخ اور دوسرے محلوں والوں نے کھل کر اپنی عداوت اور بغض کا مظاہرہ کیا جو کام تاتاری نہ کر سکے وہ ان کور نمک لوگوں نے کر دکھایا۔ پہلے خفیہ خط و کتابت شروع کی پھر اعلانیہ اس کا ساتھ دیا۔ پچاس دن یہ محاصرہ جاری رہا آخر ہلاکو خان نے "برج عجمی" پر ایک زور کا حملہ کیا اور مشرقی بغداد کو ہلا کر رکھ دیا۔ خلیفہ گرفتار ہو گیا۔ قیدیوں کی طرح خیموں میں لایا گیا ہلاکو خان قابض ہونے کے بعد بغداد شہر میں داخل ہوا اور قصر مامونیہ میں ٹھہرا۔

پورے چالیس دن تک بغداد میں غارت گری ہوئی، قتل عام کا بازار گرم رہا۔ لاکھوں لقمہ اجل بنے اور بے دریغ تہ تیغ ہوئے۔ ان کا خون پانی کی طرح بہا۔ دفتر جلا دیئے گئے اس قدر کتب خانے دریا برد ہوئے کہ دجلہ کا پانی روشنائی سے کالا ہو گیا۔ معتصم کو نہایت بیدردی سے مار دیا گیا، لاش کی تشہیر کرائی گئی۔ ہر طرف آگ، تلوار، خاک و خون کا خوفناک منظر تھا۔ مسجدوں، مقبروں، بازاروں اور مکانوں سے آگ شعلے اگل رہی تھی۔ آسمان

دھواں دکھا رہا تھا۔ بازاروں، گلیوں، گھروں میں بے گناہ عورتوں، معصوم بچوں اور شریف بوڑھوں کی بے گور و کفن لاشیں کسی کی راہ تک رہی تھیں اس بلا خیز طوفان نے کسی اپنے پرائے میں ذرا فرق نہ کیا شیعوں پر بھی وہی قیامت ٹوٹی جو وہ سنیوں کے لیے چاہ رہے تھے۔ سب سے پہلے کاظمین برباد ہوا جہاں شیعے آباد تھے۔ وقت کا تازیانہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ عباسی سلطنت تباہ ہوئی تو خلافت کی عظمت بھی جاتی رہی۔

زوال وانحطاط

یہ زمانہ عالم خواب ہے پے تشنہ مثل سراب ہے
جو مکان ہے نقش بر آب ہے جو مکیں ہے مثل حباب ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بغداد نے جہاں عروج دیکھا، اوج کو پہنچا، بلندیوں کو چھوا، شوکت وسطوت حصے میں آئی، عظمت ورفعت نصیب بنی۔ سلطنت واقتدار مقدر ٹھہرا، ترقی وخوشحالی قسمت قرار پائی، آبادی پر رونق ہوئی وہاں کئی بار زوال بھی آیا، ذلت دیکھی، پستیوں میں گرا، شکست وکبت سے دوچار ہوا۔ شوکت وسطوت مٹی، عظمت ورفعت خاک ہوئی، قوت واقتدار چھن گئی، بدحالی اور ابتری نے ڈیرے ڈال دیے، بربادی نے پاؤں جما لیے۔ صاحب تاریخ وصاف، بغداد کے شہر کی تباہی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں:

''القصہ بغداد جو عالم میں انتخاب شہر تھا، ویران ہو گیا، اس کی نفیس چیزیں اور خزانے دوسرے کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ مغلوں نے قیمتی شاہی گھریلو سامان اور سونے چاندی کے ظروف جو بادشاہ کے ذاتی مے خانے اور باورچی خانے سے لوٹے تھے، پیتل اور سیسے کے بھاؤ ادھر اودھر جا کر بیچ ڈالے اور شیراز میں یہ چیزیں بہت زیادہ پہنچائی گئیں۔ کئی افراد ان چیزوں کے لین دین میں فقر وفاقہ کے گڑھے سے نکل کر دولت ونعمت کی بلندیوں پر جا پہنچے۔ تاتاری لشکر کو اس قدر نقدی، اطلس، سیاہ سرخ رشیم، دیبا روم، مصر وچین سے لائے گئے قماش، عربی گھوڑے، خچر، رومی وولایتی غلام، ترک، خطا وبربر کی کنیزیں حاصل ہوئیں کہ شمار وحساب ممکن نہیں۔ سونے، جواہرات، نفیس مال، قالینوں کی کثرت نے لوگوں کو

ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ حرم کی پردہ نشینوں کو جنہیں آفتاب کی کرنوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا تاتاری محلوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر باہر لاتے اور گلی کوچوں میں پھراتے تھے۔ اب ان میں سے ہر ایک کسی تاتاری دیو کے قبضہ قدرت میں تھی۔ روشن دن ان عزت والی بیبیوں اور پاک دامنوں کے سامنے سیاہ ہو گیا یہ قیامت کا ایک بھونچال تھا جو سلامتی کے شہر بغداد میں ظاہر ہوا''۔(1)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کی اس تباہی پر دلدوز اور درد آمیز مرثیہ لکھا۔ آپ جامعہ نظامیہ بغداد کے فیض یافتہ اور پروردہ تھے۔ اس لیے بغداد سے محبت فطری اور قدرتی امر تھا۔ آپ نے فرمایا:

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمد! گر قیامت می براری سر ز خاک
سر بر آوردیں قیامت درمیان خلق ہیں
نوحہ لائق نیست بر خاک شہیداں زانکہ ہست
کمتریں دولت مرایشاں رابود خلد بریں
لیکن از وئے مسلمانی و راہ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد برفراق نازنین
باش تا فردا کہ بنی روز داد درست خیز
گر لحد باروئے خون آلود بر خیزد دفیں
در زمین خاک قدمشاں تو تیائے چشم بود
روز محشر خونشاں گلگونہ رخسار عین
قالب مجروح اگر در خاک وخون غلطد چو پاک

1۔ عبداللہ بن فضل اللہ: تاریخ وصاف

روح پاک اللہ جوار لطف رب العالمین
تکیہ بر دنیا نشاید کرد دل بروے نہاد
کآسماں کاہے ہمر است اے برادر کہ بکیں
روز گارت باسعادت بادو سعدی مدح گوئے
رایت منصور و بخت یارو اقبالت قریں(1)

مدرسہ مستنصریہ

مدرسہ مستنصریہ خلیفہ مستنصر نے 1227ء/525ھ دجلہ کے کنارے بنایا۔ جس عظمت وشان کا یہ مدرسہ بنا اس کی ماضی اور حال میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ 1235ء/623ھ میں بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام سے اس کا افتتاح ہوا۔ جس میں اعیان مملکت، افسران فوج، علماء، قضاۃ، مدرس اور عوام بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ مدرسہ سے متصل لائبریری، دارالاقامہ، مطبخ، اسطور، حمام اور شفاخانہ بھی تھا۔ لائبریری میں مختلف علوم کی نادر کتب تھیں جو طلبہ کی سہولت کے لیے بڑے قرینے اور ترتیب سے رکھی گئیں۔ ان کی تعداد کا کوئی شمار نہیں تھا۔ طلبہ کو کاغذ، قلم، دوات، چارپائی، بستر، کھانا، چراغ اور روغن ضرورت کی ہر چیز مدرسے سے ملتی۔ دسترخوان پر معمول کے کھانے کے علاوہ شیرینی اور میوے پھل بھی چنے ہوتے۔ ایک اشرفی ہر طالب علم کا ماہوار وظیفہ تھا۔ شفاخانے میں ایک حکیم مقرر تھا جو طلبہ کا علاج کرتا۔

خلیفہ کو اس مدرسہ سے خاص شغف اور انس تھا۔ بلاناغہ ہر روز مدرسے آنا اس کا معمول تھا۔ اس نے اپنے اس شوق کی تسکین کے لیے مدرسہ کے ساتھ ایک باغ بنوایا۔ اس میں

1۔ حاصل یہ کہ آسمان پر سے لازم ہے کہ وہ امیر المومنین معتصم کی مملکت کے زوال پر خون کے آنسو بہائے یہ جو خلق خدا پر قیامت ٹوٹی ہے۔ شہیدوں کے مزاروں پر نوحہ تو روا نہیں لیکن چونکہ بغداد زمین پر ظلا بریں ہے۔ اس لیے اس کی تباہی اور اپنے پیاروں کی جدائی میں دل جلتا ہے۔ خدا کرے ابوجعفر منصور کا جھنڈا سربلند اور اس کا بخت واقبال تابندہ رہے۔

ایک ''منظرہ'' تھا جہاں خلیفہ دیر تک بیٹھتا۔ مدرسے کو دیکھتا۔ پڑھنے والے طلبہ اور پڑھانے والے اساتذہ کے کام کا مشاہدہ کرتا ان کی بحثوں کو سنتا اور محظوظ ہوتا۔

اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ بدقسمتی سے اس سے پہلے خلفائے عباسیہ نے کروڑوں خرچ کر کے بڑے بڑے عالی شان محل اور قلعے بنائے، عمارتیں بنوائیں مگر کوئی مدرسہ نہ بنایا۔ بغداد میں جتنے بھی مدرسے بنے وہ سب بیرونی حملہ آوروں نے اپنے اپنے عہد میں بنائے تھے۔ اس لیے خلفائے عباسیہ کے دامن پر یہ دھبہ اور داغ تھا۔ یہ خلیفہ مستنصر تھا جس نے اس دھبے کو دھویا اور داغ کو صاف کیا اس لیے مدرسے سے اس کا انس فطری امر تھا۔ مدرسہ مستنصریہ کی خوش بختی تھی کہ مغلوں کی دست برد سے بچ گیا۔ ابن بطوطہ جب بغداد آیا تو اسی طرح موجود تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''سوق ثلاثہ کے وسط میں نظامیہ اور نظامیہ کے اخیر میں مستنصریہ ہے جو حسن وخوبی میں ضرب المثل ہے''(1)۔

بارہ سال بعد حمداللہ مستوفی اس بارے لکھتا ہے:

''بغداد میں بے نظیر عمارت ہے''۔

ناصرالدین شاہ ایران نے اپنے سفرنامے میں اس کی ٹوٹی پھوٹی عمارت کا ذکر کیا ہے جو اس کی عظمت رفتہ اور شوکت گزشتہ کی یاد دلاتی ہے ۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدیداست صنادید عرب را(2)

مدرسہ نظامیہ

مدرسہ نظامیہ بغداد کی عظیم درسگاہ تھی اس کی عمارت مشہور عمارتوں میں سے تھی۔ 451ھ میں اس کی بنیاد نظام الملک طوسی نے رکھی جو سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم تھا۔ دو برس میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

1۔ ابن بطوطہ: سفرنامہ
2۔ بغداد شکستہ در و دیوار کے باوجود نقش ونگار سے آج بھی عرب سرداروں کی عظمت وشوکت شان ظاہر ہوتے ہیں

پہلے پہل مسجد اور مدرسہ الگ نہیں ہوتے تھے۔ مسجد میں تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا تھا۔ وقت اور حالات کے پیش نظر اس کے لیے الگ اور مستقل عمارت بنانے کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی۔ دنیائے اسلام میں پہلا باقاعدہ مدرسہ نیشاپور میں بنا جسے ناصر الدولہ ابوالحسن نے امام ابوبکر محمد بن حسین بن فورک کے لیے بنایا۔

سلطان الپ ارسلان اور سلطان ملک شاہ آل سلجوق میں سب سے نامور اور باعظمت حکمران ہوئے ہیں۔ نظام الملک طوسی ان کا وزیر اعظم رہا اس نے اپنے عہد میں کئی مکاتب اور مدارس قائم کیے۔ بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی تعمیر اس کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔

وہ یہ سمجھتا تھا کہ رفاہ عامہ کے ساتھ تعلیم و تربیت کی طرف توجہ بھی ضروری ہے۔ کسی قوم کی عزت و وقار اور ملک کی ترقی و خوشحالی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر منحصر ہے اور یہ مقصد کسی بڑے مرکز اور گہوارے کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے اس خیال کو عملی تعبیر دینے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑی درسگاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے اس نے شیخ الشیوخ ابوسعد نیشاپوری کا انتخاب کیا اور یہ اہم کام ان کے سپرد کیا۔ شیخ نے اس کے لیے دجلہ کے کنارے ایک وسیع خطہ اراضی پسند کیا۔ 1065ء/ 457ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور 1067ء/ 459ھ دو سال بعد مکمل ہوا۔ 60 ہزار دینار اس پر لاگت آئی۔ عمارت کی پیشانی پر نظام الملک کا نام نقش کیا گیا۔ مدرسے کے چاروں طرف بازار اور حمام بنائے گئے سالانہ خرچ چھ لاکھ دینار تھا جو شاہی خزانے سے دیا جاتا۔ نظام الملک خود بھی اپنی جاگیر سے دسواں حصہ دیتا تھا۔ زکوٰۃ و خیرات بھی ملتی تھی۔ امراء اور روساء اپنی جائیدادیں بھی وقف کرتے تھے۔

اس کے ایک حصے میں لائبریری تھی جس میں نادر اور بیش قیمت ہزاروں کی تعداد میں کتب تھیں۔ عملے میں متولی، شیخ، خازن، معید، مفتی، واعظ، مدرس اور ناظر تھے۔ نظامیہ اپنی کارکردگی اور خوبیوں کے سبب جلد عالم اسلام کی عظیم اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ اس میں دور دور سے تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے آتے۔ یہ پہلی درسگاہ تھی جس میں طلبہ کو وظیفہ دیا جاتا اس سے پہلے اس کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اس سے وہ اپنی ضروریات،

کتب اور خورد و نوش سے بے نیاز ہو جاتے۔ اس کی مثالی تعلیم، اعلیٰ تربیت اور عمدہ نظام سے اسلامی دنیا میں علم کی خوب روشنی پھیلی اور ہر طرف اس کا چرچا اور شہرہ ہوا۔

نظامیہ کا یہ فیضان تین سو سال تک جاری و ساری رہا۔ بڑے نامور علماء پیدا کیے جو اس کے لیے عزت اور شہرت کا باعث بنے۔ ابواسحاق شیرازی، امام غزالی، ابوعبداللہ طبری، خطیب تبریزی اور بہاالدین شداد جیسے اساطین علم اور اکابرین امت اس میں صدر مدرس رہے۔ مورخ ابن جبیر کا بیان ہے:

''اس نظام الملک کے دور میں تیس مدرسے تھے ہر ایک کی عمارت خوشحالی اور خوبصورتی میں محلات سے بڑھ کر تھی لیکن مدرسہ نظامیہ سب سے عمدہ تھا''(1)۔

محمد عبدہ لکھتے ہیں:

''نظامیہ بغداد کے اوقاف کی سالانہ آمدنی پندرہ ہزار دینار تھی''۔ آلوسی کا بیان ہے:

''طلبہ علم کو حصول علم کے مواقع حاصل تھے کیونکہ ان کے قیام و طعام، کپڑوں اور سواری تک کے لیے مفت انتظام تھا اور سہولتوں کی وجہ سے اس درسگاہ نے ایک کثیر تعداد متبحر علماء و فضلاء کی پیدا کی''(2)۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط سے چودھویں صدی تک یہ علم و عرفان کا مرکز و گہوارہ قائم رہا۔ پھر آہستہ آہستہ حوادث زمانہ نے اسے بھی قصہ پارینہ بنا دیا اور رفتہ رفتہ اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

شیخ سعدی شیرازی، چھٹی صدی ہجری میں نظامیہ کے آخری طالب علم تھے۔ وہ نظامیہ کے وظیفے پر ہی علم کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔ کسی نے نظامیہ کے طرز تعلیم و تربیت کا اندازہ کرنا ہو، اس کے فضل و کمال کو جانچنا ہو تو وہ شیخ سعدی شیرازی کی کتاب زندگی کا مطالعہ کرے۔ آپ اپنے زمانہ طالب علمی کا اپنی کتاب ''بوستان'' میں اس طرح ذکر کرتے ہیں:

1۔ سفرنامہ ابن جبیر
2۔ ڈاکٹر احمد شلبی/ ابی محمد حسن زبیری: تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ

مرا در نظامیہ ابرار بود
شب و روز تلقین و تکرار بود
مرا استاد را گفتم اے پرخرد
فلاں یار برمن حسد مے برد
چوں من داد معنی دہم درحدیث
برآید بہم اندرون خبیث
شنید ایں سخن پیشوائی ادب
بہ تندی برآشفت و گفت ای عجب
حسودے پسندت نیاید دست
ندانم کہ گفتت کہ غیبت نکوست
گر او راہ دوزخ گرفت از حسی
ازیں راہ دیگر تو دروے رسی(۱)

اس سے بڑھ کر کوئی طالب علم اپنی مادر علمی کی تعریف و مدح نہیں کر سکتا۔

بیت الحکمت

خلافت عباسیہ کے بانی خلفاء کا ایک اور شاندار کارنامہ پایہ خلافت بغداد میں بیت الحکمت کا قیام بھی تھا۔ اس کا حقیقی بانی ہارون الرشید تھا۔ مامون الرشید نے اسے اوج کمال تک پہنچایا۔ اس کے عہد میں اسے بہت شہرت اور ترقی حاصل ہوئی مامون عالم فاضل اور کشادہ ذہن تھا۔ اس نے بیت الحکمت کو ترقی دینے میں بڑی دلچسپی سے کام لیا۔ جو صاحب

۱۔ مجھے مدرسہ نظامیہ میں وظیفہ ملتا تھا۔ شب و روز تلقین و تکرار میں گزرتے۔ ایک دن میں نے دوران تعلیم اپنے ایک استاد سے عرض کی۔ اے مردانا! میرا فلاں دوست مجھ سے حسد کرتا ہے۔ جب میں کسی حدیث کے مطالب بیان کرتا ہوں تو وہ بد باطن اس پر بھڑک اٹھتا ہے۔ جب امام ادب نے میری یہ بات سنی تو سخت لہجے میں مجھ سے ناراض ہوئے اور فرمایا، بڑے تعجب کی بات ہے کہ دوست کا حسد تجھے پسند نہیں آیا تمہیں کس نے بتایا کہ غیب کرنا اچھا ہے۔ اگر اپنی کمینگی سے دوزخ کی راہ لی ہے تو دوسری راہ سے اس تک پہنچ جائے گا۔

علم و فضل اور نامور و باعظمت خلیفہ ہوا ہے۔

یہ غیر ملکی علم و ادب کے مطالعہ کے فروغ کی زبردست تحریک تھی۔ اس لیے مامون نے اس کی طرف اپنی پوری توجہ صرف کی اور ہر طرح کی سہولیات فراہم کیں۔ سہل بن ہارون اس کے ناظم اور سعید بن ہارون معاون تھے۔ ہارون کے عہد میں علان شعوبی نقل نویس اور ابوسہل فضل بن نوبخت مترجم تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی اس علمی و فکری تحریک کا نگران تھا۔ یہ خود بھی علم و فضل کا مالک تھا اس نے ہندوستان سے کئی پنڈتوں کی خدمات حاصل کیں اور ان کی کتابیں منگوائیں۔ بازنطین کی فتح میں ہارون کے ہاتھ کچھ یونانی کتابیں لگیں اس نے یوحنا بن ماسویہ کو ان کے ترجمہ پر مامور کر دیا۔ مامون نے صقلیہ کے حکمران سے یونانی کتابوں کا ایک پورا ذخیرہ منگوایا اور بیت الحکمت کے حوالے کیا اور ان کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔

بیت الحکمت میں یہ سب سے پہلی عظیم الشان پبلک لائبریری تھی جو قائم ہوئی۔ اس میں متعدد علوم و فنون کی مختلف زبانوں میں کتب تھیں۔ اس کے ساتھ فلکیات کی رصد گاہیں بھی ملحق تھیں ان میں ایک بغداد اور دوسری دمشق میں تھی۔ ان میں علوم طبیعی سے متعلق تجربے کیے جاتے تھے۔ بیت الحکمت میں مترجمین کا باقاعدہ ایک بورڈ تھا جس کے ذمہ غیر ملکی ادب اور علوم کو یونانی، شامی، ایرانی اور ہندوستانی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرنا تھا۔ سلام، حجاج بن مطر، ابن بطریق، حنین بن اسحاق، عمرو بن فرحان اور اسحاق بن حنین مامون کے عہد کے مترجم اور حاشیہ نگار علماء میں سے ہیں۔ مسلم اہل علم کے علاوہ ہندو، پارسی، نصرانی اور یہودی اہل علم بھی بطور مترجم مقرر تھے۔ ہر مترجم کو پانچ سو دینار مشاہرہ ملتا تھا۔ جب کسی کتاب کا ترجمہ مکمل ہو جاتا تو مامون خوش ہو کر مترجم کو کتاب کے وزن کے برابر انعام بھی دیتا تھا۔

یہ اسی دار الحکمت ہی کا ثمر تھا کہ اس وقت کی دنیائے علم پہلی بار حکمائے یونان، سقراط، ارسطو اور افلاطون کی تعلیمات اور افکار سے عربی ترجمے کی وساطت سے آگاہ ہوئی اور اپنی علمی رفتار کو ترقی دی۔ اس نے علمی زندگی میں نئی لہر دوڑا دی اور فکر کے نئے زاویے کھولے۔

متوکل کے دور میں یہ اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہا۔ جب بغداد کی جگہ سامرہ دولت عباسیہ کا دارالحکومت بنا تو اس کی شہرت اور شان کو بھی بہت بڑا لگا رہی سہی کسر 656ء میں تاتاریوں نے پوری کر دی اور صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

آہ گردش زمانہ! منصور کا بغداد اجڑ گیا، کھنڈر بن گیا۔ اجاڑ اور ویرانی نے جگہ لے لی۔ محل اور قلعے نہ رہے۔ تاج اور تخت چھن گئے۔ وہ عظمتیں، رفعتیں، شانیں، شوکتیں، سطوتیں سب خاک میں مل گئیں۔ حقیقت تھیں افسانہ بن گئیں۔ نظارہ تھیں خواب بن گئیں۔ اب نہ کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ سنائی۔ عبرت کے لیے اس کے صرف کچھ نشان باقی رہ گئے ہیں۔

فاعتبروا یا أولی الأبصار

جدید عراق

خلافت عثمانیہ..... امریکی نوآبادیاتی کالونی

یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی باہر سے حملہ آور آیا اس نے بغداد پر ہی چڑھائی، کوئی بیرونی طاقت اٹھی تو اس نے اسی پر زور آزمائی کی۔ باہر کی کسی قوم نے تسلط جمایا تو اس نے اسے ہی تختۂ مشق بنایا۔

منگولوں کے بعد 740ھ تک بغداد ایلخانیوں کے تحت رہا۔ حسن بزرگ نے بغداد میں اپنا قبضہ جمایا اور خاندان جلائری کی بنیاد رکھی جو 813ھ تک قائم رہا۔ 813ھ میں یہ قرہ قویونلو ترکمانوں کے قبضے میں چلا گیا اور 872ھ تک انہی کے قبضے میں رہا۔ 914ھ میں شاہ اسماعیل صفوی کی حکمرانی میں آ گیا اور عثمانیوں اور ایرانیوں میں اس پر قبضے کے لیے لڑائیوں کا دور شروع ہوا صفوی کے حکم سے مدرسوں کی عمارتیں اور سنیوں کے مقبرے منہدم کر دیے گئے خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات اجاڑ دیے گئے بہت سے سربرآوردہ راسخ العقیدہ مسلمان قتل ہوئے۔

1048ھ میں عثمانی ترکوں نے سلطان مراد چہارم کی قیادت میں بغداد پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس نے مقبروں خصوصاً امام ابوحنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ 1048ھ/1638ء سے 1116ھ/1704ء تک بغداد پر چوبیس پاشاؤں نے حکومت کی، ان کی حکومت نیم خودمختار تھی۔ اس دور میں کوئی ترقی نہ ہوئی۔ آبادی گھٹ کر پندرہ ہزار رہ گئی۔ اس دور میں بغداد میں سخت ابتری پڑی۔ ینی چری

جن کی قوت بڑھی ہوئی تھی، شہر کے مالک تھے۔ نواح کے دیہاتوں پر عرب قبائل قابض تھے۔ امن وامان یکسر مفقود تھا، کاروبار اور تجارت عدم تحفظ کے شکار تھے۔

1704ء میں حسن پاشا کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا احمد پاشا جانشین ہوا۔ ان باپ بیٹے کے عہد میں بغداد کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے ینی چریوں کا زور توڑنے کے لیے مملوکوں کو آگے کیا۔ یوں مملوکوں کے اقتدار اور حکومت کی بنیاد پڑی جو 1831ء تک قائم رہی۔ انہوں نے ینی چریوں اور عرب قبائل کو قابو میں کر لیا جس سے نظم و ضبط اور امن وامان بحال ہو گیا اور ایرانی خطرہ ٹل گیا۔

1737ء اور 1743ء میں نادر شاہ نے دوبارہ بغداد کا محاصرہ کیا پہلے محاصرے میں بغداد کا بہت نقصان ہوا۔ احمد پاشا ڈٹا رہا اور اپنی ہمت سے شہر کو بچا لیا۔ 1749ء میں سلیمان پاشا کو بغداد کا حکمران بنایا گیا یہ پہلا شخص تھا جس نے عراق میں مملوکوں کی عملداری کی بنیاد رکھی تھی۔ 1762ء میں علی پاشا اس کا جانشین ہوا اور 1764ء میں عمر پاشا کی حکومت آئی۔

1772ء میں بغداد میں ایک وبا پھیلی جو چھ ماہ تک پھیلی رہی۔ اس میں ہزاروں آدمی شکار ہو کر مر گئے اور ہزاروں شہر چھوڑ گئے۔ اس کے بعد 1816ء میں داؤد پاشا آیا اس نے امن وامان بحال کیا اور کئی اصلاحی کام کرائے۔ 1831ء سے عثمانی عہد کے خاتمے تک بغداد براہ راست حکومت قسطنطنیہ کی ماتحتی میں رہا۔ کئی حکمرانوں نے اس کے حالات بہتر کرنے کے لیے اصطلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی۔ محمد رشید پاشا پہلا حکمران تھا جس نے اقتصادی حالت بہتر کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بغداد اور بصرہ کے درمیان بار برداری کے لیے دو جہاز خریدے۔ اس کے لیے ایک کمپنی بنائی۔ جس کو کامیاب دیکھ کر بعد میں انگریزوں نے بھی ایسا منصوبہ بنایا(1)۔

پہلا قدم

1869ء میں مدحت پاشا آیا۔ اس نے جدید نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ کئی پرانے

1۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

ٹیکس اور محصول ختم کر دیئے۔ بغداد اور کاظمین کے درمیان ٹرام گاڑی چلائی جو پورے ستر برس چلی۔ پہلا مطبع اور دارالاشاعت قائم کیا۔ اخبار "الزوراء" کا اجراء کیا گیا جو عراق میں پہلا سرکاری ترجمان اخبار تھا۔ 1917ء تک ہفتہ وار شائع ہوتا رہا۔ نئی طرز کے مدارس قائم کیے۔ ٹیکنیکل اور ملٹری سنٹر بنوائے۔ شہر کی تمام فصیلیں گرا دیں۔ یہ شہر کو جدید بنانے کی طرف اس کا پہلا قدم تھا۔ 1890ء میں اس نے لڑکیوں کا پہلا سکول کھولا۔ 1900ء میں ٹیچر ٹریننگ سنٹر قائم کیا۔ اس دور میں بغداد کے بنے ہوئے ریشمی کپڑے اپنی بنائی اور رنگ کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور تھے۔ یہاں سوتی، اونی، ریشمی کپڑے، جبے، برقعے اور چادریں سب تیار ہوتے تھے۔ رنگریزی کی صنعت بہت اعلیٰ تھی "معظم" شہر میں قریباً چالیس کارخانے تھے۔ نجاری اور تیغ سازی بھی مشہور تھی۔

1879ء میں بلدیات کا محکمہ قائم کیا گیا جس کے ذمے شہر کی صفائی، سینٹری اور سیوریج کا کام تھا۔ اس دور میں بغداد نے بہت ترقی کی۔

نئے عراق کی بنیاد

غرضیکہ 1534ء سے لے کر 1918ء تک عراق آل عثمان کی حکومت کے تحت رہا۔ ان کی سلطنت ترکی کا ایک صوبہ رہا۔ اس وقت یہ چار کائیوں موصل، بغداد، بصرہ اور دیر الزور پر مشتمل تھا۔ اس زمانے میں استنبول کے مقرر کردہ گورنر بے اختیار ہوتے، ان کا کنٹرول نام کا رہ گیا تھا۔ مختلف مذہبی اور نسلی قوتوں اور گروہوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ کرد، ترکمان، آشوری اور شیعہ غیر معمولی طور پر طاقتور بن گئے تھے۔ عراق اور ترکی کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ برطانیہ نے اس سے فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا۔ وہ اس کشیدگی کو ہوا دینے لگا۔ مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے یہ ضروری تھا۔ یوں بھی عراق ہندوستان جانے کے لیے محفوظ روٹ تھا۔

چنانچہ پہلے مرحلے میں نومبر 1914ء میں برطانیہ نے ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور اپنی فوجیں شط العرب کے راستے عراق میں داخل کر دیں یوں پہلی جنگ عظیم چھڑ

گئی۔ 1916ء میں اس نے بیان دیا کہ وہ تمام عرب ممالک کو ترکی کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی عراق کے خلاف زبردست فوجی ایکشن شروع کر دیا۔ 1917ء میں اپنی ملٹری پاور کے زور پر پورے عراق پر قبضہ کر لیا۔ برطانیہ اور فرانس میں طے ہونے والے خفیہ معاہدے 1916ء کے تحت موصل، فرانس اور بغداد اور بصرہ، برطانیہ کے حصے میں آئے۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد شام اور لبنان پر فرانس نے اپنی عمل داری قائم کر لی اور عراق اور فلسطین پر برطانیہ نے تسلط جما لیا۔ یہاں سے جدید عراق کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

مارچ 1920ء میں عراق کے عرب لیڈروں کا دمشق میں ایک اجلاس ہوا جس میں آزادی کی قرارداد منظور ہوئی اور شریف مکہ کے بیٹے امیر عبداللہ کو عراق کا حکمران چنا گیا۔ مئی میں باقاعدہ اس کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ عراق میں برطانیہ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ 1920ء کے آخر میں قبائلی عرب برطانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی۔ برطانیہ کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بغاوت پر قابو پانے کے لیے برطانیہ کے 4 کروڑ پاؤنڈ خرچ ہوئے۔ یہ رقم ترکوں کے خلاف کارروائیوں پر اٹھنے والی رقم سے تین گنا زیادہ تھی۔ اس میں ملک کے وسائل اور املاک کا بے حد و شمار نقصان ہوا۔ شیعہ کمیونٹی نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

1921ء میں برطانیہ نے عربوں پر قابو پانے کے لیے شریف مکہ کے بڑے بیٹے شاہ فیصل اول کو عراق کا حاکم بنایا جسے فرانس نے دمشق سے نکال دیا تھا۔ 1924ء میں عراق کا اساسی دستور تیار کیا گیا۔ 1925ء میں عراق کی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ہوا۔ 1927ء میں برطانیہ نے فوجی و مالی معاملات میں اپنی نگرانی کافی ڈھیلی کر دی۔ تاہم سیاسی معاملات پر اثر و رسوخ بدستور برقرار رہا۔ 1930ء میں برطانوی ہائی کمشنر اور عراق کے وزیر خارجہ نوری السعید کے درمیان اینگلو عراق معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے عراق کا دفاع فوجی تربیت اور اسلحہ کی فراہمی برطانیہ کے ذمہ ہوگی اور برطانیہ عراق میں اپنا ملٹری بیس بنائے گا۔ معاہدہ

کے تحت 1932ء میں برطانیہ نے اپنی عملداری ختم کر دی، عراق کو آزاد ملک تسلیم کر لیا اور عراق آزاد خود مختار ملک کی حیثیت سے لیگ آف نیشنز کا ممبر بن گیا۔

اس کے ٹھیک گیارہ ماہ بعد 1933ء کو شاہ فیصل کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا غازی تخت نشین ہوا۔ اس نے 1939ء تک حکومت کی۔ 1936ء میں بکر صدقی نے بغاوت کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ 1937ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں چار بغاوتیں ہوئیں۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا شاہ فیصل دوم حکمران ہوا۔ یہ چونکہ کم سن تھا اس لیے اس کا چچا امیر عبداللہ نائب السلطنت مقرر ہوا۔

1939ء میں جب جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو ایک عراقی لیڈر رشید علی نے مزاحمتی تحریک شروع کی۔ یہ جرمنوں کا حامی اور انگریزوں کا مخالف تھا۔ برطانیہ نے اس کی طاقت کو توڑا اور ایک دفعہ پھر عراق پر قبضہ کر لیا۔ اقتدار کے ٹھیک ایک ماہ بعد برٹش آرمی نے رشید کو قتل کر دیا۔ جنگ ختم ہونے پر برطانیہ نے عراق سے اپنی فوج واپس بلا لی اور عراق پھر آزاد ہو گیا۔

ماڈرن عراق کی ابتدا

روس کے کمیونسٹ ایک مدت سے عرب ملکوں کو اپنی کالونی بنانے کی تگ و دو میں تھے ایک تو اس لیے کہ وہ اسلام کو کمیونزم کی راہ میں سب سے بڑا پتھر خیال کرتے تھے دوسرا عرب دنیا میں مصر، عراق، یمن خاص اہمیت کے حامل ملک ہیں چنانچہ کمیونسٹوں نے جہاں دوسرے عرب ممالک میں اپنی سازشوں کے جال بچھائے وہاں عراق کو بھی اپنی مجرمانہ تگ و تاز کا نشانہ بنایا اور پروپیگنڈے کے ذریعے عراق میں پہلے اپنے لیے فضا سازگار کی پھر قبضہ و تسلط جمانے اور اقتدار حاصل کرنے کی راہ نکالی۔

1958ء میں کمیونسٹوں نے برٹش اثر و رسوخ کے خلاف بغاوت کر دی اور جنرل عبدالکریم قاسم کی سربراہی میں شاہ فیصل کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ شاہ فیصل اور وزیر اعظم نوری السعید کو قتل کر دیا گیا۔ جنرل قاسم نے ملک کا انتظام ایک کونسل کے سپرد کیا۔ عراق کو

جمہوری قرار دے دیا گیا۔ اس کے صدر لیفٹیننٹ جنرل نجیب الربیع مقرر ہوئے اور وزیراعظم جنرل عبدالکریم قاسم خود بنے۔

اس انقلاب سے شاہی اور برطانوی اثر ونفوذ کا خاتمہ ہوگیا۔ ''زعیم عظیم'' عبدالکریم کے حکم سے شاہی خاندان کے تمام افراد کو قتل کر دیا گیا۔ بچوں اور عورتوں کو گولیوں سے بھونا گیا۔ عراق کی محرومیوں اور المیوں کا بہت حد تک ذمہ دار نوری السعید تھا۔ یہ شخص 30 سال تک عراق کا مرد آہن بنا رہا لیکن عوام کی فلاح کا کوئی کام نہ کر سکا۔ اس لیے عوام اس سے دل سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے ہمیشہ برطانوی مفادات کی بات کی۔ ان کی پالیسوں کی تائید و وکالت کی۔ بغداد پیکٹ اس کا آخری کارنامہ تھا جس کے عرب سخت مخالف تھے۔ یہ بھی عوام کے انتقام سے نہ بچ سکا۔ لوگوں نے اس کی لاش کو گلیوں میں گھسیٹا۔ ملوکیت کے بعد آمریت کا تخت بچھا تو المیوں کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ نوری کے دور میں لوگ اگر آزادی اظہار کی نعمت سے محروم تھے تو ''زعیم عظیم'' کے دور میں زندگی کے حق سے بھی محروم ہوگئے۔ کمیونسٹ بلاشرکت غیرے عراق کے مالک بن گئے۔ انہوں نے پورے ملک میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اچھالا۔

''اللہ فی قصص الاتہام'' نامی ایک کتاب شائع کی جس میں اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید کا جی بھر کر تمسخر و مذاق اڑایا گیا۔ چنانچہ 1959ء کی ایک تاریک رات کو عراقی فوج کے ایک کرنل شواف کی سربراہی میں موصل میں بغاوت ہوگئی جسے حکومتی اور سیاسی زور پر دبا لیا گیا باغیوں نے اقبال جرم کر لیا۔ اس کے بعد کمیونسٹوں کا دیندار طبقے پر غضب ٹوٹ پڑا۔ 18 دیندار اعلیٰ فوجی افسروں کو پھانسی دے دی گئی۔ غنڈوں نے شہروں اور دیہاتوں میں سیکڑوں ہزاروں دین داروں کا خون بہایا جس سے زمین ان کے خون سے لالہ زار ہوگئی بڑے بڑے علماء کو ہجرت کرنی پڑی۔

موصل اور کرکوک میں کمیونسٹوں کی اس غارت گری نے پورے ملک میں آگ لگا دی۔ عوام بپھر کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کمیونسٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے مسلمان ان سے

پناہ ڈھونڈتے تھے تو اب یہ کتوں کی طرح پناہ ڈھونڈ رہے تھے۔ موصل اور کرکوک میں چار سو کے لگ بھگ ان کے بڑے بڑے سورما مارے گئے باقی نے بغداد کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔

اس دور میں البتہ کچھ ترقیاتی کام بھی ہوئے۔ سرکاری رہائشی مکانات کی سکیم بنائی گئی۔ ٹریڈ اور پولیٹکل یونینز کے قیام کی اجازت دے دی گئی۔ ملک کا نیا آئین تیار کیا گیا۔ پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا، سماجی فلاح کے ترقیاتی کاموں کے لیے فنڈ دگنا کر دیا گیا۔ عراقی پٹرولیم کمپنی کو تیل پیدا کرنے کی اجازت دے دی گئی لیکن اس کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار حکومت نے اپنے پاس رکھا۔ حکومت نے یہ فیصلہ بھی کیا ملک میں تیل کے نئے ذخائر دریافت کیے جائیں۔ مگر اس کی اتھارٹی بھی حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔

1963ء میں جنرل قاسم نے ایک نئی آئل کمپنی قائم کی جس کے قیام کا مقصد تیل کے تمام ذرائع کو حکومت کی ماتحتی میں لانا تھا تاکہ انہیں قوم اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے صحیح استعمال کیا جا سکے۔

عالمی طاقتوں کو عراق میں ہونے والی یہ ترقی پسند نہ آئی۔ ان کی حامی جماعتوں نے اس ترقی کے خلاف سازشیں شروع کر دی۔ 1959ء میں بعث پارٹی نے قاسم حکومت کے خلاف بغاوت کی کوشش کی، مگر ناکام ہوئی۔ قاسم کے قتل کی سازش بنائی۔ بعد میں یہ سازش پکڑی گئی۔ صدام حسین بھی اس میں شریک تھے جو 1956ء میں بعث پارٹی کے ممبر بنے اور جو پچھلی چار دہائیوں سے عراقی سیاست پر چھائے ہوئے تھے۔ قتل کی سازش کے ناکام ہونے پر ملک سے فرار ہوگئے۔ کرنل عبدالسلام عارف جنرل قاسم کی حکومت کا تختہ الٹ کر خود صدر اور احمد حسن البکر وزیراعظم بن گئے۔ آخر 1963ء میں جب بعث پارٹی نے بغداد کا کنٹرول حاصل کیا تو صدام حسین واپس آ گئے۔ بدقسمتی سے چند ماہ تک ہی یہ پارٹی اقتدار سنبھال سکی۔ پارٹی کے اقتدار سے محروم ہونے کے بعد صدام حسین کو قاسم قتل کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔

1968ء میں بعث پارٹی نے بغاوت کر کے پھر دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا۔ اس وقت صدام حسین پارٹی کی انقلابی کمانڈ کونسل میں اہم مقام حاصل کر چکے تھے۔ بعث پارٹی نے پاور میں آتے ہی ماڈرن عراق کی ابتدا کر دی۔ وزیر اعظم میجر جنرل احمد حسن البکر اس منصوبے اور پروگرام کے انچارج تھے صدام حسین اس کے ڈپٹی انچارج تھے۔ انہوں نے سیاسی، سماجی اور معاشی ہر سطح پر اصلاحات کے نفاذ کا عمل شروع کیا۔ قومی سطح پر ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ 1974ء میں عراقی پٹرولیم کمپنی کو حکومت نے قومی تحویل میں لے لیا۔ عرب اسرائیل جنگ 74ء میں عراقی تیل کی ڈیمانڈ میں اضافہ ہوا جس سے عراق بہت امیر ہو گیا۔

بعث پارٹی کے اس انقلاب میں 5000 کمیونسٹ قتل کیے گئے۔ کردوں کے خلاف بھی کارروائی کی گئی اور ان کے گھروں کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ آخر انہوں نے حکومت سے معاہدہ کیا کہ اندرون ملک انہیں رہنے کی آزادی ہے۔ ایران کو اس معاہدے کا پتا چلا تو اس نے کردوں کی ایک لسٹ تیار کی۔ اردن درمیان میں پڑا اور عراق اور ایران کے درمیان معاہدہ کرایا۔ آخر کار ایران نے کردوں کو اکیلا چھوڑ دیا۔

1979ء میں صدر احمد حسن البکر نے استعفیٰ دے دیا اور ان کی جگہ صدام حسین نے اقتدار سنبھال لیا۔

صدام عہد حکومت

عراق آئینی لحاظ سے اسلامی جمہوریہ ہے۔ نظام کے لحاظ سے اشتراکی ہے۔ اعلیٰ اختیارات انقلابی کمانڈ کونسل کے پاس ہیں۔ صدر بننے کے بعد صدام حسین اختیارات کے سرچشمہ بن گئے۔ وہ ملک کے بیک وقت صدر، وزیر دفاع، کمانڈر انچیف، انقلابی کمانڈ کونسل کے چیئرمین اور بعث پارٹی کے جنرل سیکرٹری رہے۔ کابینہ کی تقرری اور معزولی کا انہیں حق حاصل تھا۔ نیشنل پروگریسو فرنٹ (NPF) ملک کی واحد پولیٹکل پارٹی ہے جو بعث پارٹی کے ممبران پر ہی مشتمل ہے۔

غیر جانبداری، پان عرب ازم، اسرائیل امریکہ اور ویسٹ امپریلزم کی مخالفت خارجہ

پالیسی کے بنیادی ستون ہیں۔ روس سب سے بڑا حلیف اور اسلحہ سپلائر ہے، فرانس ایٹمی پروگرام کا واحد معاون ہے۔

آئل کی دولت سے صدام نے عوام کی ویلفیئر کے بہت سے منصوبے تیار کیے۔ مختلف ترقیاتی معاہدے کیے۔ اس نے اپنی زندگی اور جان اپنی قوم کی ترقی، فلاح اور بہبود پر لگا دی۔ پورے عراق کو تعلیم یافتہ بنا دیا۔ عام عراقی بھی پڑھا لکھا ہے۔ اقوام متحدہ نے اسے خصوصی تعلیمی ایوارڈ سے نوازا۔

1979ء میں جب ایران میں انقلاب آیا تو اس سے ایران اور عراق کی آپس میں بارڈر پر چپقلش شروع ہو گئی۔ آخر ستمبر 1980ء میں عراق نے ایران پر حملہ کر دیا اس جنگ میں عراق کو سعودی عرب، کویت، فرانس اور امریکہ کی حمایت اور تعاون حاصل رہا۔ امریکہ نے تو خطرناک کیمیائی ہتھیار بھی مہیا کیے جس کا مقصد ایرانی انقلاب کے اثرات کو ختم کرنا تھا۔ 1980ء میں جنگ بندی کا ریزولیشن پاس ہوا لیکن ایران نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر جولائی 88ء میں بھاری نقصان اٹھانے کے بعد ایران کو جنگ ختم کرنے پر راضی ہونا پڑا۔ اس جنگ میں ایران اور عراق کی چار لاکھ آبادی لقمہ اجل بنی اور ساڑھے سات لاکھ سے زائد زخمی اور ناکارہ ہوئی۔

جانی و مالی نقصانات کے باوجود عراقی ملٹری بڑی طاقتور ثابت ہوئی۔ اس نے صدام کی اقتدار پر گرفت اور مضبوط کر دی جنگ کے بعد عراق کی مالی حالت کمزور ہو گئی۔ خصوصاً کویت کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہو گئے۔ صدام نے روبیلیا آئل فیلڈ پر اپنا حق جتانا شروع کر دیا۔ اگست 1990ء میں اس نے کویت پر حملہ کر دیا۔ اس پر قبضہ جما لیا اور 8 اگست کو اسے عراق کا صوبہ قرار دے دیا۔ کویت پر قبضہ کے بعد صدام نے اپنی نصف فوج سعودی عرب کے بارڈر پر لگا دی جس سے عرب دنیا میں نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ دنیا بھر سے سعودیہ، شام، مصر، مراکش، بنگلہ دیش، برطانیہ، فرانس، پاکستان اور امریکہ سمیت پندرہ ملکوں کے لاکھوں فوجی سعودی عرب میں اکٹھے ہو گئے۔ ان میں ہزاروں کی تعداد میں امریکی فوج تھی۔

نومبر 90ء میں سلامت کونسل نے عراق کی اس جارحیت کے خلاف ایک متفقہ قرارداد منظور کی اور حکم دیا کہ عراق کویت سے اپنی فوج غیر مشروط طور پر واپس بلالے۔ جنوری 91ء تک کویت خالی کردے ورنہ طاقت کا استعمال کیا جائے گا۔ عراق نے کویت خالی کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ 16 جنوری 91ء کو عراق کے خلاف ''آپریشن ڈیزرٹ اسٹارم'' شروع کردیا گیا۔ یہ آپریشن 43 روز جاری رہا۔ عراق پر شدید بمباری ہوئی۔ عراقی فوج نے اپنا بھرپور دفاع کیا لیکن کب تک، آخر صدام کو 24 فروری کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور جنگ بندی کا اعلان کیا۔ 26 فروری کو کویت سے دستبرداری کا اعلان کردیا۔ اس جنگ میں 86000 سول اور فوجی موت کی نذر ہوئے۔ جنگ کے بعد اقوام متحدہ نے عراق پر عسکری، اقتصادی، تجارتی اور دفاعی پابندیاں عائد کردی۔

ان پابندیوں کے عراق کی زندگی پر شدید اثرات مرتب ہوئے۔ عراق ہلاکت کے دہانے پر پہنچ گیا۔ خوراک، اناج اور ادویات نہ ملنے کی وجہ سے لاکھوں بچے، جوان، بوڑھے لقمہ اجل بن گئے۔ لیکن صدام نے ہمت نہ ہاری۔ اس سے جو غلطی ہوگئی تھی اس نے اس کا خمیازہ تو بھگتنا تھا مگر وہ دلبرداشتہ نہ ہوا۔ اس نے خستہ حال عراق کی تعمیر و ترقی اور بحالی کے لیے معاشی اور سیاسی اصلاحات کا نیا پروگرام شروع کیا اور اسے حیرت انگیز طور پر ایک بار پھر اپنے پاؤں پر کھڑا کردیا جسے باہر کی دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

عراق کا دارالحکومت بغداد ملک کا سب سے بڑا شہر ہے عراق کی پٹرولیم انڈسٹری کا مرکز ہے۔ موصل دوسرا بڑا شہر ہے جو تجارتی مرکز کہلاتا ہے۔ بصرہ بڑی بندرگاہ ہے جو شط العرب کے قریب واقع ہے۔ سرکاری زبان عربی ہے۔ بڑی پیداوار میں پٹرولیم، کاٹن، کھجور، لیدر پروڈکٹس، دیگی ٹیبل آئل شامل ہیں۔ قومی دن 17 جولائی کو منایا جاتا ہے۔ عراق کا پرچم 14 جولائی 1954ء کو تجویز ہوا۔ یہ تین رنگوں کی عمودی پٹی پر مشتمل ہے۔ بائیں جانب سیاہ پٹی، درمیان میں سفید اور آخر میں سرخ پٹی۔ سفید پٹی کے وسط میں ستارہ بنا ہوا ہے جس میں پانچ نوکیں ہیں۔ ورلڈ فیکٹ بک 2002ء کے مطابق عراق کی آبادی

2 کروڑ 40 لاکھ کے قریب ہے۔ 80 فیصد آبادی شہروں اور 20 فیصد دیہات میں رہتی ہے۔ 15 سے 64 سال تک کی عمروں والے مرد و خواتین کی شرح 55 فیصد ہے۔ شرح پیدائش 2.52 فیصد ہے۔ بچوں کی اموات کی شرح 57.6 فی ہزار ہے۔ مردوں کی اوسط عمر 66.3 اور عورتوں کی 60.5 سال ہے۔ 75 سے 80 فیصد آبادی عرب ہے۔ 15 سے 20 فیصد کرد اور 5 فیصد ترکمان ہیں۔ 97 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جن میں 60 سے 65 فیصد شیعہ 32 سے 37 فیصد سنی اور 3 فیصد عیسائی ہیں۔ شرح خواندگی 56 فیصد ہے جن میں 13 سال سے زائد عمر کے افراد لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ مردوں میں شرح خواندگی 70 فیصد اور عورتوں میں 45 فیصد ہے۔ عراق کی کرنسی دینار ہے۔ 1997ء میں عراق میں 13 ٹی وی اسٹیشن تھے جب کہ 15 ایف ایم اور 19 اے ایم ریڈیو اسٹیشن کام کر رہے تھے۔ 2001ء میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد 13 ہزار تھی۔ عراق میں ریلوے لائنیں 2339 کلومیٹر اور سڑکیں 45500 کلومیٹر لمبی ہیں۔ خام تیل کی پائپ لائن 4350 کلومیٹر طویل ہے۔ عراق کی آمدنی کا 95 فیصد انحصار تیل کی برآمد ہے(1)۔

بعث پارٹی

یہ پارٹی 1940ء کو شام میں قائم کی گئی۔ اس کا اصل اور پورا نام ''حزب البعث العربی الاشتراکی'' ہے جو مختصر ہو کر حزب البعث، بعث پارٹی رہ گیا۔ اس کی بنیاد مائیکل افلق اور صلاح الدین بیطار نے رکھی۔ مائیکل عیسائی نژاد تھا۔ پارٹی کے یہ دونوں خالق فرانسیسی سامراج کی پیداوار تھے۔ اس پارٹی کی بنیاد اشتراکیت اور عرب قومیت دو اجزاء پر رکھی گئی: ''حریت اور اشتراکیہ''، اس کا نعرہ تھا: ایک جھنڈا، ایک آدمی، ایک بادشاہ، ایک عرب ملک، اس کا مانو شام، اردن اور عراق کو مجتمع کرنا تھا۔

1946ء میں جب شام آزاد ہوا تو بعث پارٹی ایک مضبوط سیاسی پارٹی کے طور پر سامنے آئی۔ 1949ء میں مائیکل حسن الزعیم کی کابینہ میں وزیر تعلیم بنے۔ اس دور میں اللہ کی

1۔ جنگ سنڈے میگزین 30، مارچ 2003ء

پناہ، خدا کا جنازہ نکالا گیا۔ ابوجہل اور ابولہب کے نام سے تفریحی کلب بنائے گئے۔ جب پارٹی میں اختلافات پھوٹے اور انہوں نے شدت اختیار کر لی تو یہ شام چھوڑ کر لبنان چلا گیا۔ کچھ عرصہ برازیل میں گزارا۔ جب عراق میں پارٹی نے اقتدار سنبھالا تو بغداد چلا آیا۔

مائیکل پارٹی کا بانی اور روح رواں تھا، یہ دمشق میں پیدا ہوا، یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اعلیٰ تعلیم پیرس میں پائی۔ فراغت کے بعد سکول میں پڑھایا، پھر سیاست میں آ گیا۔ شام کی حسن الزعیم کی حکومت میں وزیر تعلیم بن گیا۔ 1989ء میں بغداد میں فوت ہوا اور پارٹی کے ہیڈ کوارٹر میں دفن کیا گیا۔ مشہور ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا نام مشعل افلق رکھ لیا تھا۔

کچھ عرب دنیا میں بعث تحریک کے اثرات بہت تیزی سے پھیلے۔ لبنان، اردن، یمن، سوڈان اور عراق میں بعث پارٹی کی برانچز قائم ہوئیں اور دفاتر کھولے گئے۔ عراق میں بعث پارٹی فوجی انقلاب کے ذریعے اقتدار میں آئی۔ کرنل عبدالسلام عارف پہلے صدر بنے۔ لیکن اسے عراق میں وہ مقبولیت نہ ملی جو اسے شام میں حاصل ہوئی۔

پارٹی کا انتظامی ڈھانچہ کچھ اس طرح کا تھا کہ بنیادی یونٹ کو سیل سرکلر کہا جاتا تھا جو تین سے سات ممبران پر مشتمل ہوتا، یہ شہر، دیہات میں سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی، فوجی ہر سطح پر منظم ہوتا۔ حلقے میں کام کرنے والے ورکروں کی مانیٹرنگ اور اس کی رپورٹنگ اس سیل کے ذمے ہوتی۔ سیل کی کمان ڈویژنل کمانڈر کے پاس ہوتی اور ڈویژنل کمانڈر صوبائی کمانڈر کے ماتحت ہوتا۔ کانگریس کے اجلاس میں ڈویژنل اور صوبائی سب کمانڈر شریک ہوتے۔ ان کی کمانڈ قومی کمانڈر کرتا اور یہ کمانڈ صدام حسین کے پاس تھی۔ اہم سرکاری عہدے پر پارٹی ممبر ہی تعینات ہوتا تھا۔

اپریل 2003ء تک عراق پر اس کی حکومت رہی۔ قبضے کے بعد امریکہ نے جون 2003ء میں اس پر پابندی عائد کر دی۔ فلسطین میں یہی بعث پارٹی عرب لبریشن فرنٹ (ALF) کے نام سے کام کر رہی ہے۔

تیل پر سیاست

ولیم اری پہلا شخص تھا جس نے خلیج میں وسیع پیمانے پر تیل دریافت ہونے کی پیشین گوئی کی۔ برطانیہ نے برٹش آئل کمپنی کے ذریعے ایرانی تیل کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اسے تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگا۔ 17 جولائی 1913ء کو چرچل نے ہاؤس آف کامن کو بتایا:

''ہم تیل کے مالک بن گئے ہیں اب ہم تیل کو تجارتی مقاصد کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں''۔

دیکھا دیکھی امریکہ نے بھی مشرق وسطیٰ میں تیل پیدا کرنے والے عرب ملکوں کا استحصال شروع کر دیا۔ اسے دیکھ کر فرانس اور جرمن بھی تیل کی بیش بہا دولت کے حصول کی دوڑ میں شامل ہو گئے اور عراق میں تیل نکالنے کا کام کرنے لگ گئے۔ اس سے پہلے عراق کا تیل ترکی کے قبضے میں تھا۔ ترکش پٹرولیم کمپنی عراق میں تیل نکالنے کا کام کرتی تھی۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ نے اسے اپنے قبضے اور اختیار میں لے لیا تاکہ تیل سے حاصل ہونے والی آمدنی میں حصہ دار ہو سکے۔ اس کے بعد تیل کی برآمد کا کام تیز ہونے کی وجہ سے تیل کی پیداوار بہت بڑھ گئی اور آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

1910ء میں برٹش جیولوجیکل سروے نے بحرین میں تیل کا نیا ذخیرہ دریافت کر لیا۔ برطانیہ نے فیصلہ کیا کہ اس کے علاوہ یہاں سے تیل نکالنے کا کوئی حقدار نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے 1913ء میں باقاعدہ ایک معاہدے پر بحرین سے دستخط کرائے تاکہ تیل کی دولت پر برطانیہ کی گرفت اور قبضہ مضبوط ہو۔ 1924ء میں کویت اور سعودی عرب میں نیوزی لینڈ کی ایک کمپنی نے تیل کی تلاش شروع کی۔ 1924ء میں کویت میں تیل دریافت کر لیا گیا۔ اس کے بعد برطانیہ، امریکہ، فرانس اور جرمنی میں تیل کی دولت پر قبضے کے لیے دوڑ شروع ہو گئی اور اس پر سیاست ہونے لگی۔ ہر ایک دوسرے ملک کے خلاف اسے اس دولت سے بے دخل اور محروم کرنے کے لیے چالیں چلنے لگا۔ 25-1924 میں برطانیہ اور

ایران نے آپس میں کئی اقتصادی معاہدے کیے۔ اس کی زد امریکی مفاد پر پڑی، وہ خلیج کے تیل سے کوئی فائدہ اٹھانے کے حق سے یکسر محروم ہو گیا۔ امریکہ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ اس نے ایران کو برطانیہ کے خلاف بھڑکایا جس کی وجہ سے ایران میں برطانیہ کے خلاف شورش اور مظاہرے شروع ہو گئے۔ آخر برطانیہ نے مجبور ہو کر تیل کی تلاش کا کام کیلیفورنیا کی ایک امریکی کمپنی کے حوالے کر دیا۔ یوں خلیج فارس میں امریکی مداخلت کا آغاز شروع ہوا اور اس پر سیاست کی جانے لگی۔

پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ جب زوال پذیر ہوئی تو یورپی اتحادیوں میں ان علاقوں کی تقسیم پر بندر بانٹ شروع ہو گئی جو معدنی تیل سے مالا مال تھے۔ ہر ملک نے اپنے اپنے مفادات کے لیے کسی نہ کسی علاقے پر نظر گاڑھ رکھی تھی۔ 1916ء میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے اور سائیکو معاہدہ طے پایا۔ بقول مورخ مارگریٹ میک میلن: ''یہ معاہدہ مشرق وسطیٰ میں نوآبادیاتی نظام کی اہم دستاویز ہے''۔(1)

اس معاہدے کے مطابق عراق، اردن اور فلسطین برطانیہ کو ملے اور شام، لبنان، فرانس کے حصے میں آئے۔ جب برطانیہ کو پتا چلا کہ شمالی عراق کا صوبہ موصل تیل سے مالا مال ہے اور معاہدے کی رو سے فرانس کے حصے میں آ رہا ہے تو وہ لیت ولعل سے کام لینے لگے، جوڑ توڑ شروع کر دیا۔ معاہدے کے اس حصے سے منحرف ہونے لگے آخر کار برطانیہ کو لاچار ہو کر فرانس کو موصل دینا پڑا اس شرط پر کہ مستقبل میں موصل سے نکلنے والے تیل کی آمدنی میں فرانس کا بھی حصہ ہوگا۔ برطانیہ کو اس علاقے میں کیوں دلچسپی تھی؟ مارگریٹ میک میلن اس بارے لکھتی ہیں:

''اس علاقے میں ایسے چھوٹے چھوٹے تالاب تھے جن میں گاہے بگاہے آگ بھڑک اٹھتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں تیل ہے''۔(2)

1925ء میں برطانیہ اور عراق میں جو معاہدہ ہوا اس کے مطابق حکومت عراق نے تیل

1۔ عراق، عروج بغداد سے سقوط بغداد تک 2۔ ایضاً

کے اپنے سارے وسائل اور ذخائر برطانیہ کے حوالے کر دیے۔ اس معاہدے کے بارے عرب سیاست کے ایک تجزیہ نگار اور حکومت عراق کے ایک سابق مشیر سعید آبورش کہتے ہیں:

''اس معاہدے کے مطابق عراق کے تیل کا سارا فائدہ برطانوی حکومت کو جاتا تھا جب کہ خود عراقی حکومت اس کی آمدنی سے حاصل والی تھوڑی بہت رائلٹی ملنے پر ہی راضی تھی۔ عراق کے تیل کے بارے میں برطانوی اور عراقی حکومتوں کے درمیان سمجھوتے جیسی مجرمانہ دستاویز میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی اس معاہدے کا بنیادی مقصد ہی عراق کو زمانہ قدیم کی پستیوں میں رکھنا تھا''۔(1)

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ بھی تیل کے حصول کی دوڑ میں ٹپک پڑا۔ ایک تو وہ مشرق وسطیٰ کی آئل فیلڈز اپنے کنٹرول میں کرنا چاہتا تھا اور دوسرا جو امریکی اور مغربی کمپنیاں اس خطے کے تیل کی دولت سے بے دخل اور محروم رہی ہیں، انہیں تیل کے ذخائر پر قبضے اور کنٹرول سے نوازنا چاہتا تھا۔ یوں تیل کے حصول کی اس دوڑ کو جیتنے کے لیے امریکی اور برطانوی کمپنیوں کے درمیان سخت مقابلہ بازی ہے۔ ان میں شیورون، ایکسون موبائل، ٹیک کو، شیل اور بی پی نمایاں ہیں۔ ان میں جو کمپنی امریکہ کی بزنس پارٹنر ہوگی وہ تیل کی پیداوار میں حصہ دار ہوگی۔

اس وقت تیل کے ذخائر کے اعتبار سے عراق دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اگر یہ ذخائر امریکہ کے ذریعے ان کمپنیوں کو مل جاتے ہیں تو ساری دنیا کی معیشت امریکہ کے کنٹرول میں آ جائے گی۔ یہاں تک کہ فرانس، روس اور چین تک تیل کے حصول میں امریکہ کے محتاج ہوں گے۔

اگرچہ امریکہ ابھی تک اس بات پر مصر ہے کہ اس کی جنگ تیل کے لیے نہیں عراق میں قیام امن کے لیے ہے۔ لیکن صاف پتا چل رہا ہے کہ امریکہ اور برطانیہ عراق پر قبضے کی آڑ میں اس کوشش میں ہیں کہ جب بھی مغرب کو تیل کی سپلائی بند ہوئی تو اس وقت عراق کے

1۔ عراق، عروج بغداد سے سقوط بغداد تک

تیل کے ذخائر ان کی معیشتوں کو زندہ رکھیں گے۔

جنگ کے بعد جب ماڈرن عراق وجود میں آیا تو اس وقت ایسو (ESSO)، بی پی (BP)، شیل (SHELL)، موبک (MOBIC) اور دیگر کئی کمپنیاں تیل نکالنے کا کام کر رہی تھیں۔ یہ سب امریکہ اور برطانیہ کی یہود نواز کمپنیاں تھیں۔ عراق کو صرف 476 ملین ڈالر سالانہ رائلٹی دیتی تھیں۔ صدام حسین نے اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے کے بعد ان کو نکال دیا اور آئل انڈسٹری کو نیشنلائز کر دیا۔ اس سے عراق کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جو بڑھ کر 26 بلین ڈالر سالانہ ہو گئی۔ پھر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد عراق کے زرمبادلہ کے ذخائر 35 ارب ڈالر تک پہنچ گئے۔

صدام نے اس بڑھتی دولت کو ملک کی ترقی و خوشحالی پر لگا دیا۔ فوج کی طاقت بڑھائی، اس کی قوت میں اضافہ کیا، اسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا، عوامی فلاح کے کئی منصوبوں کو تکمیل تک پہنچایا۔ تعمیراتی کاموں کی رفتار تیز اور دگنی کر دی۔ سماجی بھلائی کے کاموں کو ترقی دی۔ غرضیکہ ملک میں چہل پہل کی لہر دوڑ گئی۔ وہ رونقیں دوبارہ لوٹ آئیں جو گلف وار کے بعد اقوام متحدہ کی پابندیوں سے ماند پڑ گئی تھیں۔

صدام کے اس اقدام سے امریکہ اور اس کے حواریوں کے مفادات کو شدید دھچکا لگا۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ عراق سے ناراض ہو گئے اور اس کے خلاف مزاحمت کا جال بننا شروع کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے قدم کے طور پر خلیج کے علاقے میں تیل کے ذخائر پر قبضہ کیا۔ خلیج کے اکثر ملکوں میں اپنے فوجی اڈے بنائے جہاں سے وہ چند منٹ کی پرواز پر اپنے طیاروں سے ان میں کسی پر اپنی کارروائی کر سکتے ہیں۔ خلیج کے خطے پر قبضے کے بعد اب واحد

امریکی جارحیت

عالمی طاقتوں نے جب کسی ملک پر قبضہ کرنا اور اس کی آبادی پر اپنا تسلط جمانا ہو تو وہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو آگے کرتی ہیں۔ ان کمپنیوں نے تقریباً ہر ملک میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہوا ہے۔ یہ اس ملک کے سرمایہ داروں کو اپنے کاز کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ انہیں سرمایہ کاری کے لیے فنڈ دیتی ہیں۔ جب انہیں اس طرح اپنی مٹھی میں کر لیتی ہیں تو اگلے مرحلے میں انہیں سیاست کی راہ دکھاتی ہیں۔ اقتدار کی کرسی کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ آخر کار یہ اپنے ان آلہ کار اور کٹھ پتلی سرمایہ داروں کے ذریعے اس ملک کی سیاست، حکومت اور وسائل پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ اپنے ملک کی اقتدار کی سنگھاسن پر بیٹھنے والے یہ لوگ وہی بولی بولتے اور آواز سنتے ہیں جو یہ کمپنیاں چاہتی ہیں۔ پھر یہ کمپنیاں اپنے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ شروع کر دیتی ہیں اور ان کمپنیوں میں ایک سرد جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ ملک کی آبادی کے ہم خیال لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اسے مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ جب حکومت عوامی دباؤ میں آ کر ان مفادات کے خلاف کچھ کرتی ہے تو یہ واویلا مچاتی ہیں۔ اپنے ٹٹوؤں کو آگے کرتی ہیں اور اپنی

ہی بنائی ہوئی حکومت کے خلاف مظاہرے اور شورشیں کرانا شروع کر دیتی ہیں۔ ملک میں خانہ جنگی کی صورتحال بن جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر امن کی پیغامبر یو این او، ٹھیکیدار امریکہ بہادر اور اس کے دوسرے یورپی حواری ممالک مظلوم انسانیت کو بچانے کے لیے کود پڑتے ہیں۔ ان کی ملٹری، فضائیہ اور بحری بیڑے سب حرکت میں آ جاتے ہیں یوں ان کو امن قائم کرنے اور تحفظ دینے کے بہانے اس ملک پر حملہ کرنے کا جواز مل جاتا ہے۔

1963ء میں جب عراق میں بعث پارٹی اقتدار میں آئی تو اس وقت ایسو (ESSO)، بی پی (BP)، شیل (SHELL)، موبک (MOBIC) اور دیگر کئی کمپنیاں تیل نکالنے کا کام کر رہی تھیں۔ یہ سب امریکہ اور برطانیہ کی یہود نواز کمپنیاں تھیں۔ عراق کو صرف 476 ملین ڈالر سالانہ رائلٹی دیتی تھیں۔ صدام حسین نے اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے کے بعد ان کو نکال دیا اور آئل انڈسٹری کو نیشنلائز کر دیا۔ اس سے عراق کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جو بڑھ کر 26 بلین ڈالر سالانہ ہو گئی۔ پھر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد عراق کے زرمبادلہ کے ذخائر 35 ارب ڈالر تک پہنچ گئے۔

صدام نے اس بڑھتی دولت کو ملک کی ترقی و خوشحالی پر لگا دیا۔ فوج کی طاقت بڑھائی، اس کی قوت میں اضافہ کیا، اسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا، عوامی فلاح کے کئی منصوبوں کو تکمیل تک پہنچایا۔ تعمیراتی کاموں کی رفتار تیز اور دگنی کر دی۔ سماجی بھلائی کے کاموں کو ترقی دی۔ غرضیکہ ملک میں چہل پہل کی لہر دوڑ گئی۔ وہ رونقیں دوبارہ لوٹ آئیں جو گلف وار کے بعد اقوام متحدہ کی پابندیوں سے ماند پڑ گئی تھیں۔

صدام کے اس اقدام سے امریکہ اور اس کے حواریوں کے مفادات کو شدید دھچکا لگا۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ عراق سے ناراض ہو گئے اور اس کے خلاف مزاحمت کا جال بننا شروع کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے قدم کے طور پر خلیج کے علاقے میں تیل کے ذخائر پر قبضہ کیا۔ خلیج کے اکثر ملکوں میں اپنے فوجی اڈے بنائے جہاں سے وہ چند منٹ کی پرواز پر اپنے طیاروں سے ان میں کسی پر اپنی کارروائی کر سکتے ہیں۔ خلیج کے خطے پر قبضے کے بعد اب واحد

ملک عراق ہی رہ گیا تھا جو ان کے عزائم کی راہ میں حائل اور ان کے مفادات کے خلاف تھا۔

امریکہ نے عراق پر حملے کے لیے موزوں موقع بزعم خویش خود ہی نکالا۔ پہلے امریکہ کے صدر بش اور برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے صدام پر الزام لگایا کہ وہ دہشت گردوں کو سپورٹ کرتے ہیں۔ ان کے پاس خطرناک اسلحہ ہے جس سے مشرقی وسطیٰ کا امن خطرے میں ہے۔ ہم ایسے اسلحے سے خطے کو غیر مسلح دیکھنا چاہتے ہیں اور عراقی عوام کو صدام کی گرفت سے آزادی دلانا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ عراق کے پاس مہلک کیمیائی اور جوہری ہتھیار ہیں جنہیں وہ کسی وقت بھی استعمال کر سکتا ہے اور مشرقی وسطیٰ کے امن کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ یہ زہریلا پروپیگنڈا کچھ اس انداز سے کیا کہ 64 فیصد امریکیوں نے عراق پر حملے کی حمایت کر دی۔ 32 فیصد لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس سے دہشت گردوں سے جنگ کا خطرہ بڑھ جائے گا اس لیے بش اور اس کابینہ کو اس مسئلے کا حل ڈپلومیٹک طریقے سے نکالنا چاہیے۔ جرمنی، چلی، فرانس اور نیوزی لینڈ نے اس حملے کی مخالفت کی۔

امریکہ اور اس کے حواریوں نے بڑی مکاری اور عیاری سے عراق کے خلاف دھواں دھار فضا بنا دی۔ انہوں نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ عراق مشرقی وسطیٰ میں امن کے لیے خطرہ ہے۔ اسرائیل سے کوئی خطرہ نہیں لہٰذا جب تک عراق کی معاشی اور عسکری قوت کو توڑا نہیں جاتا اور صدام کو اقتدار سے الگ نہیں کیا جاتا امن قائم نہیں ہو سکتا۔

عراق نے ہر قدم پر اس الزام کی نفی کی۔ پروپیگنڈے کا جواب دیا اور اقوام متحدہ کو پیش کش کی کہ وہ عراق میں اپنے نمائندے بھیج کر دیکھ سکتی ہے کہ ہمارے پاس بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار نہیں ہیں۔ چنانچہ اقوام متحدہ نے عراق کے کہنے پر اپنے اسلحہ انسپکٹر بھیجے۔ انہوں نے پوری آزادی سے ہر طرح معائنہ کیا، عراق کی اسلحہ ساز فیکٹریاں، گودام، ایٹمی ریکٹرز سب کھنگال ڈالے ان میں کوئی خطرناک مہلک چیز برآمد نہ ہوئی۔ تفتیش مکمل ہونے کے بعد انہوں نے رپورٹ میں لکھا:

''کسی قسم کے مہلک آلات برآمد نہیں ہوئے جن سے خطے کے امن کو کوئی خطرہ ہو''۔

امریکہ نے اس رپورٹ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ حملے سے پہلے 15 فروری 2003ء کو روم میں امریکی صدر بش کے صیہونی عزائم کے خلاف ایک بڑا جلوس نکلا جس میں تیس لاکھ لوگوں نے شرکت کی لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر کار امریکن اور یورپین افواج نے عراق کو سبق سکھانے اور اس پر قبضہ جمانے کے لیے مارچ 2003ء کو حملہ کر دیا۔ اس حملے میں امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، اسپین، ڈنمارک اور پولینڈ کی ملٹری فورسز شامل تھیں۔ جو لاکھوں کی تعداد میں تھیں جن میں امریکہ کی 2 لاکھ 48 ہزار، برطانیہ کی 45 ہزار، آسٹریلیا 2 ہزار، اسپین 1 ہزار 3 سو، ڈنمارک 5 سو اور پولینڈ کی 194 تعداد تھی اور باقی دوسرے مختلف ذرائع سے شامل تھیں۔

19 مارچ کو صدام حسین کے صدارتی محل پر حملہ کیا گیا۔ اس کے اگلے روز اتحادی فوجوں نے جنوبی عراق کے بارڈر پر دھاوا بول دیا۔ کمانڈوز نے سمندر کے راستے بصرہ پر چڑھائی کی تاکہ ارد گرد کے تیل کے کنوؤں کو قبضے میں لیا جا سکے۔ 23 مارچ کو بغداد، بصرہ، کرکوک اور موصل پر اس قدر اندھا دھند فضائی حملے کیے گئے کہ اس سے عراقی ملٹری کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم تباہ ہو گیا۔ جس سے عراقی فوج بوکھلا گئی اور اپنا کوئی قابل ذکر دفاع نہ کر سکی۔ مجبوراً اسے پسپائی اختیار کرنا پڑی اور ہتھیار ڈالنے پڑے۔ 9 اپریل کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق کے دارالحکومت بغداد پر قبضہ کر لیا۔ 15 اپریل کو صدر صدام حسین اور دوسرے لیڈر بغداد سے فرار ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی یکم مئی کو پورا عراق امریکہ کے قبضہ میں چلا گیا۔

اس آپریشن میں مختلف طیاروں سے 1500 فضائی حملے ہوئے۔ تین گھنٹوں میں 18 ہزار ٹن گولہ بارود پھینکا گیا جو ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے برابر ہے۔ شدید قسم کی کارپٹ بمباری ہوئی جس میں ہزاروں افراد لقمہ اجل بنے اور ہزار زخمی اور ہمیشہ کے لیے معذور ہو گئے۔ کھڑی عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ فضا دھوئیں، آگ اور بارود کی بو سے اٹ گئی۔ ہر طرف ہولناک منظر تھا، ڈیزی کٹر، کروز، ٹام ہاک، نیپام جیسے

مہلک اور ظالم بموں اور میزائلوں کا بے تحاشا استعمال ہوا۔ ان میں کچھ ایسے بم بھی تھے جن کو کسی جنگ میں پہلی بار استعمال کیا گیا تھا۔

المختصر عراق کے خلاف اندھا دھند جدید ترین اسلحہ استعمال ہوا۔ آبادی پر گولے بارود کی بے دریغ بارش ہوئی۔ اس سے مچنے والی تباہی کا آپ خود اندازہ کرلیں۔

اس میں 139 غیر ملکی فوجی مارے گئے۔ 60 ہزار عراقی شہید ہوئے۔ عراقی خبر رساں ذرائع کے مطابق ڈیڑھ لاکھ عراقی شہید ہوئے۔ 42 لاکھ عراقی آبادی پناہ گزین بن گئی ان کے گھر بار برباد ہوگئے۔ اس کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ امریکن پریس اور میڈیا نے اس معاملے کو بڑے مکر وفریب سے کور تج کیا۔ صدام کو ایک ظالم اور ڈکٹیٹر کے روپ میں دکھایا پوری دنیا میں اس کے خلاف نفرت پھیلائی۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ امریکہ نے عراق پر یہ حملہ اقوام متحدہ کی اجازت کے بغیر کیا۔

یہ عراق پر بش اور اس کے پلٹو ٹونی بلیئر کی ننگی جارحیت ہے اور اقوام متحدہ کے منشور کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ 1974ء میں سلامتی کونسل نے اپنی قرارداد میں جارحیت کی یہ تعریف کی ہے:

''کسی ریاست کا دوسری ریاست پر مسلح افواج کا حملہ جارحیت ہے''۔(1)

مثلاً دوسری ریاست پر حملہ اس پر فوجی قبضہ، ریاست یا اس کے کسی حصے کو طاقت کے زور پر اپنی ریاست میں ضم کرنا، اس کے خلاف اسلحہ اور بمباری کا استعمال، اس کی بندرگاہوں اور ساحلوں کی ناکہ بندی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ باقاعدہ پلاننگ سے جارحیت ہے امریکہ، برطانیہ اور اس کے حواری جارح ہیں۔ ادھر ہماری بے حسی اور خود غرضی کا عالم یہ ہے کہ ہمارے ہی کچھ مسلم ملکوں کی سرحدوں سے عراق پر میزائل داغے گئے اور جب غلطی سے اپنی زمین پر گرے تو چیخ اٹھے۔

آج عراق امریکہ کی نو آبادیاتی کالونی ہے۔ قبضے کے بعد عراق کے تیل کے ذخائر

1۔ عراق، عروج بغداد سے سقوط بغداد تک

امریکہ کے کنٹرول میں ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے درجنوں ایئر بیس کام کر رہے ہیں۔ اگلے پچاس سال تک اسے تیل پر عملداری حاصل ہوگئی ہے۔ اگر اس کا یہ قبضہ قائم رہ گیا تو وہ تیل میں خود کفیل ہو جائے گا اور دنیا میں تیل کی منڈی پر اس کی اجارہ داری قائم ہو جائے گی۔ اب اس کی نظریں کیسپین کے تیل کے ذخائر پر ہیں۔ اس کی راہ میں صرف ایران رکاوٹ ہے۔ سو اس کے بعد ایران کی باری ہے۔

جھوٹ کا پول

رفاہ یونیورسٹی اسلام آباد کے چانسلر پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد کہتے ہیں:

''انفرادی، گروہی اور بین الاقوامی سطح پر جھوٹ نے دنیا کا نقشہ تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اس وقت ہر ادارے، ہر کام اور ہر بات میں جھوٹ کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ بلکہ جھوٹ کا اظہار ڈینگ اور معاملات کا لازمی امر تصور کیا جانے لگا ہے۔ قومیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے بے جا جواز تلاش کرتی ہیں۔ اس طرح کمزور ممالک کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے وہاں کے لوگ اور ان کے وسائل کو اپنے قبضے میں لے لیا جاتا ہے۔ کمزور حیثیت کے ممالک طاقتور میڈیا کے مقابلے میں اس طرح کے اقدامات کے خلاف احتجاج بھی بلند نہیں کر پاتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے فرمانروا کسی کمزور ملک پر حملہ کرنے کا جھوٹا بہانہ تراشتے ہیں تو ایسے میں اس ملک کے لوگوں کو اپنے فرمانروا کی اس طرح کی پالیسیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیے اور اگر قوم کی طرف سے اس طرح کا ردعمل سامنے نہیں آتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ قوم بھی اس جھوٹ میں شامل ہے''۔(1)

عنبرین فاطمہ اپنی رپورٹ میں لکھتی ہیں:

''یہ (جھوٹ بولنے کا) رجحان صرف عام فرد، گروہوں اور کسی ملک کے اداروں تک محدود نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی سطح پر پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال صدر بش کا عراق پر حملہ کرنے کا خود ساختہ جواز ہے۔ امریکہ نے ''ویپن آف ماس ڈسٹرکشن'' کا ڈرامہ رچا

1۔ نوائے وقت سنڈے میگزین، 29 جون 2009ء

کر جس طرح عراق پر حملہ کیا اس کے لیے میڈیا پر اقوام عالم کو بتایا گیا کہ ہتھیاروں کو روکنے کے لیے عراق پر حملہ ناگزیر تھا لیکن سچ یہ ہے کہ عراق فتح کر لینے کے باوجود صدر صدام کو پھانسی دینے کے بعد بھی آج تک وہاں وہپن آف ڈسٹرکشن برآمد نہیں ہوئے۔

غرض یہ ہے کہ دنیا میں جمہوریت کے علمبردار امریکہ نے میڈیا دار کے ذریعے جھوٹ سے عراق جیسے ملک کی خودمختاری ختم کر دی، لاکھوں لوگوں کو مار دیا گیا اور ابھی تک اس ملک اور اس کے لوگوں کے مستقبل کا کوئی پتا نہیں۔ نہتے شہریوں پر گولے برسانے کا عمل جاری ہے۔ دنیا کے آگے جھوٹ بول کر جس طرح سے تباہی اور بربادی عراق پر نازل کی گئی بین الاقوامی سطح پر بہت سارے اقدامات کے لیے بھی اس طرح کا جو جواز مہیا کیا جاتا ہے اس کی بنیاد جھوٹ پر رکھی جاتی ہے"۔(1)

استعماری قوتوں نے یہ اعلان کیا تھا: ہمارا مقصد عراقی عوام کو صدام کے چنگل سے نجات دلانا، اپنے سفارت خانوں اور اقوام متحدہ کے دفاتر کو تحفظ دینا ہے۔ لیکن عملی صورت حال ان کے اس اعلان کی نفی کر رہی ہے۔ قبضے کے بعد پورے ملک میں انارکی پھیل گئی۔ اوباش اور اچکے سڑکوں پر نکل آئے۔ ہر طرف لوٹ مچ گئی، شورش پھوٹ پڑی، سنٹرل بنک کی عمارت توڑ دی گئی، تاریخی میوزیم لوٹ لیا گیا، جرمن سفارت خانہ لٹ گیا۔ بغداد، بصرہ، موصل اور نجف میں کوئی ایسی نجی و سرکاری عمارت، دفتر، ہوٹل، ہسپتال اور گھر نہیں بچا جس پر لیٹروں نے دھاوا نہ بولا اور اسے نہ لوٹا ہو۔ یہ سب کچھ امن کے ٹھیکیداروں کے فوجیوں کے سامنے ہوا اور وہ خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہے۔ کئی ایک جگہوں پر آپس میں لڑائی بھی ہوئی جس سے سیکڑوں مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ قبضے کے بعد عراق کی یہ ابتری بھی ان کے جھوٹ کے پول کو کھولنے کے لیے کافی ہے۔

اس جارحیت سے امریکہ کو کیا ملا؟ یہ رپورٹ پڑھیے:

"سوویت یونین کی عالمی سامراج مخالف محاذ سے پسپائی کے بعد امریکہ نے اپنے

1۔ نوائے وقت سنڈے میگزین

متعین کردہ اہداف کی تکمیل کے لیے افغانستان اور عراق پر ریاستی دہشت گردی کر کے ان ممالک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ افغانستان اور عراق کی عوام اپنی قومی خودمختاری اور امریکی تسلط کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ بش انتظامیہ ان ممالک پر اپنا ناجائز تسلط قائم رکھنے کے لیے ٹریلین ڈالر عراق کر چکی ہے۔ اس کے نتیجے میں امریکی معیشت شدید بحران کا شکار ہو گئی، امریکہ کے طاقتور بنک دیوالیہ ہو گئے سب پرائم مارگیج کے ذریعے لاکھوں امریکی خاندان لیے گئے قرضوں کی ادائیگی نہ کرنے کی بناء پر بے گھر ہو گئے اور پرائم مارگیج کو 2.3 ٹریلین ڈالر کے نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ بیروزگاری کا تناسب 7 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔ سٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری 40 فیصد تک نیچے گر گئی۔ بڑے بڑے صنعتی ادارے بشمول جنرل موٹرز دیوالیہ ہونے جیسی صورت حال سے دوچار ہیں اور رائل اسٹیٹ شدید بحران کا شکار ہے۔ امریکی صدر نے کانگریس کی اجازت سے ان اداروں کو اس صورت حال سے نکالنے کے لیے بیل آؤٹ (Bailout) 700 ارب ڈالر ان اداروں میں ڈالنے کا اعلان کیا ہے مگر امریکی معیشت میں پھر بھی بہتری کے آثار نظر نہیں آ رہے"(1)۔

صدام حسین

صدام کیا تھا؟ اس کا تعین تو آنے والا وقت کرے گا۔ اس کی شخصیت کئی پہلوؤں کی حامل تھی۔ یہ پہلو روشن بھی ہیں، تاریک بھی اور پراسرار بھی۔ ان سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کیسا انسان تھا۔ کس طور اور ڈھب پر اس نے اپنی زندگی گزاری، اس کا طرز فکر کیا تھا، اس کا رنگ ڈھنگ کیا تھا، اس کے اصول جہانبانی کیا تھے؟

صدام کی شخصیت کے یہ روشن پہلو تھے کہ وہ علم دوست تھا، اقتدار میں آتے ہی اس نے کنڈرگارٹن سے لے کر یونیورسٹی سطح تک تعلیم مفت کی پورے ملک میں ایک متعین نصاب شروع کیا۔ نئے سکول بنائے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے تعلیمی آگہی کو فروغ دیا۔ جس سے ہر عراقی پڑھا لکھا بن گیا۔

1۔ نوائے وقت سنڈے میگزین 5 جولائی 2009

یو این او کے ادارے یونیسکو نے عراق میں اس حیران کن تعلیمی انقلاب پر خوش ہو کر اسے دنیا کے سب سے بڑے اعزاز ''کروپیکا'' سے نوازا۔ یہ مسلم دنیا کا واحد حکمران ہے جس نے اپنی قوم کو تعلیم یافتہ بنا دیا۔

جمالیاتی ذوق کا مالک تھا۔ نظم وضبط کا خوگر تھا، اپنے دور میں شیعہ سنی تنازعات کو دبائے رکھا۔ محرم میں جلوس نکالنے پر پابندی رکھی، گو آخر میں بتدریج نرمی کر دی اور جلوس نکالنے کی اجازت دے دی۔ عراق میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں پر ننانوے مسجدیں بنانے کا پروگرام بنایا۔ ان میں اکثر مکمل کیں۔ ترقی پسند تھا۔ صاف پانی کے 250 فلٹریشن پلانٹ لگائے جو دریا کا پانی پینے کے قابل بناتے ہیں۔ ملک کے ہسپتالوں کو اپ گریڈ کیا، نئے ہسپتال تعمیر کرائے۔ سڑکوں کا جال بچھایا۔ شہر کے ہر چوک پر کوئی نہ کوئی یادگار تعمیر کی۔ صدام محل کے قریب ایک وسیع رقبے پر یادگار ہے۔ قومی دن کے موقع پر صدام حسین یہیں قوم سے خطاب کرتے تھے۔ بغداد کو موٹرویز کے ذریعے اردن، ایران، ترکی، سعودی عرب، شام اور کویت سے ملایا۔ ریلوے کو ترقی دی۔ بغداد، بصرہ اور موصل کو ریلوے ٹریک کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے سے منسلک کیا۔

غیور اور جری تھا۔ دنیا میں واحد حکمران تھا جس نے 9/11 کے واقعہ پر امریکہ سے افسوس کا اظہار نہ کیا۔ اسرائیل پر فدائی حملہ آوروں کی اعانت کی، ان کے خاندان کے وظائف مقرر کیے۔ اس غرض کے لیے باقاعدہ خصوصی فنڈ قائم کیا۔ اس فنڈ سے ہر خاندان کو 25 ہزار ڈالر امداد دی جاتی۔

مطالعہ کا شوقین تھا، تاریخ کا گہرا مطالعہ تھا۔ کوئی ستائیس کتابیں لکھیں ان میں آپ بیتی اور ''حول التاریخ'' مشہور ہیں۔ ان کے کئی ناول بڑے پسند کیے گئے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پسندیدہ اور آئیڈیل شخصیات تھیں۔

صدام کی شخصیت کے کچھ تاریک پہلو بھی تھے۔ ایران پر حملہ کیا۔ یہ جنگ 9 سال

جاری رہی۔ اس میں 3 لاکھ سے زائد عراقی اور 7 لاکھ کے قریب ایرانی جاں بحق ہوئے۔ 20 لاکھ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ افغانستان پر سوویت یونین کے قبضے کی حمایت کی، کویت پر قبضہ کیا۔ نہ کبھی کشمیر پر بھارتی قبضہ کی مذمت کی اور نہ کبھی بھارتی مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔ بوسنیا اور کوسوو میں جنگی جرائم کے مرتکب ملاسوچ کی تائید اور حمایت کی۔

ضدی تھا، اس سے عالم اسلام کے مفادات کو بڑا ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ ظالم اور جابر تھا اپنے مخالف اور باغی کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنا پسند کرتا تھا۔ غیر ملکیوں کو خطے میں اڈے بنانے کے مواقع دیے اور اس سے ملک پر غیر ملکی فوجی قبضے کرائے۔

ان روشن اور تاریک پہلوؤں کے ساتھ ساتھ صدام کی شخصیت کے کچھ پراسرار پہلو بھی تھے۔ صدام اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس میں کسی رشتہ ناطے کا بھی لحاظ نہ کرتے اور اپنی سگی اولاد کو بھی معاف نہ کرتا تھا۔ اس سے ان کی نفسیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بڑے بیٹے اودے حسین کی ایک تقریب میں ان کے دوست ''جی او جو'' سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی۔ اودے نے اسے اتنا مارا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا یہاں تک کہ ہسپتال میں جا کر اس نے دم توڑ دیا۔ صدام کو پتا چلا تو اس نے اودے کو اتنا پیٹا کہ اسے بھی ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ ہسپتال میں بھی جا کر اسے پیٹا اور اسے کہا جس طرح تو نے میرے دوست کا خون کیا ہے اسی طرح میں بھی تیرا خون کروں گا۔ علاج ہوا، اودے بچ گیا۔ مگر صدام کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اس نے اس پر عدالت میں قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ تاہم اودے کی والدہ ساجدہ نے اپنے اثر ورسوخ سے کوشش کر کے اسے سزا سے بچا لیا۔ صدام کو پتا چلا تو اس نے پاداش میں اپنی بیوی سے تمام سرکاری اعزازات واپس لے لیے، جی او جو کی بیوہ کیمیرا سے نکاح کر لیا اور ساجدہ سے خاتون اول کا اعزاز لے کر کیمیرا کو خاتون اول بنا دیا۔

صدام نے اپنی دو بڑی بیٹیوں راغدہ اور رغدا کی شادی اپنے دو بھانجوں حسین کمال اور صدام کمال سے کی۔ بدقسمتی سے ان کی صدام سے بگڑ گئی کسی بات پر ناراضگی ہو گئی۔ اس پر وہ دونوں اپنی بیویوں کو ساتھ لے کر یورپ چلے گئے۔ انہیں ان کی اس حرکت پر بڑا رنج ہوا۔ بعد

میں اردن کے شاہ حسین نے صلح کروائی۔ صلح کے بعد جب وہ دونوں بغداد واپس آئے تو آتے ہی صدام نے انہیں اپنی بیٹیوں اور بچوں سے الگ کر دیا۔ ان دونوں کو طلاق دلوائی پھر دونوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور اپنی بیٹیوں سے کہا اپنی باقی زندگی اپنی ماں کے ساتھ گزارو۔ جو صدام کا باغی ہوگا وہ چاہے کتنا قریبی عزیز کیوں نہ ہو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

صدام کے یہ متضاد رویے اور شخصیت کے مختلف پہلو دیکھ کر کہنے والے اسے امریکی ایجنٹ بھی کہتے ہیں کہ اس نے امریکہ کے مفادات کو خوب تحفظ دیا اور مسلم اور عرب مفادات کو سخت نقصان پہنچایا۔ اسے عالم اسلام کا قوم پرست جنگجو حکمران بھی کہتے ہیں جس نے دنیا کی سپر پاورز کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے اپنی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے اصولی موقف پر ڈٹا رہا اور اپنے حق کی خاطر لڑتے ہوئے سب کچھ قربان کر دیا بلکہ وہ اسلام کا ہیرو ہے۔ وہ اسرائیل، امریکی حاشیہ برداروں اور یہود نوازوں کا سخت دشمن تھا اور آزادی کی تحریکوں کا حامی اور سرپرست تھا۔

صدام حسین 28 اپریل 1937ء میں عراق کے ایک مشہور قصبے تکریت میں پیدا ہوا۔ 1138ء میں عظیم مسلم فاتح جرنیل اور حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی بھی اسی قصبے میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے پہلے ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ نام چچا حسن المجید نے رکھا۔ تعلیم وتربیت ماموں کے ہاں پائی۔ پڑھنے اور مطالعہ کا بچپن سے شوق تھا۔ جو جیب خرچ ملتا اس سے کتابیں خریدتے۔ انہیں پڑھتے۔ بعد ازاں اپنی چچازاد ساجدہ سے تبادلہ خیال کرتے۔ عرب تاریخ اور عسکریات پسندیدہ مضمون تھے۔ ان کا ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے۔ شراب وکباب سے یکسر دور رہتے۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح اس سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ البتہ شکار کا بہت شغف تھا۔ تیتر اور بٹیر کا شکار خاص معمول تھا۔ گھڑ سواری مشغلہ تھا، گھوڑوں سے بڑا انس تھا۔

18 سال کی عمر میں بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کی، اس میں رہ کر عسکری تربیت حاصل کی۔ ریوالور اور مشین گن چلانے میں خاص مہارت تھی۔ تکریت میں عراق کے صدر

جنرل عبدالکریم قاسم کے عزیز دوست سعدون ناصری کے قتل کے الزام میں پہلی دفعہ گرفتار ہوئے، خصوصی عدالت میں مقدمہ چلا کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے 6 ماہ بعد رہا ہو گئے۔ اس کے بعد بعث پارٹی کی ہائی کمان نے بغداد بلا کر ایک مشن سونپا۔ یہ مشن عبدالکریم قاسم کا قتل تھا۔ 7 اکتوبر 1989ء کو صدام نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ قاسم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس حملے میں صدر زخمی ہوئے۔ انہیں فوراً ہسپتال پہنچایا گیا جس سے وہ تو بچ گئے لیکن شوفر مارا گیا۔ صدام کا ایک اپنا ساتھی بھی مارا گیا خود صدام ٹانگ پر گولی لگنے سے زخمی ہوئے۔

اب بغداد میں رہنا مشکل تھا۔ شام میں جا کر پناہ لی جہاں بعث پارٹی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق پہنچے جہاں پارٹی کے بانی مائیکل افلق نے انہیں خوش آمدید کہا۔ اس نے پارٹی کے لیے صدام کی خدمات دیکھ کر انہیں اپنی پارٹی کے اندر خصوصی مقام دیا۔ صدام کی تعلیم ابھی ادھوری تھی چنانچہ اسے تعلیم کی تکمیل کے لیے مصر بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ قاہرہ میں قیام کے دوران مصر کے صدر جمال عبدالناصر سے ملاقات ہوئی جو قاسم کی کمیونسٹ حکومت کے خلاف تھے۔ یہیں امریکی سی آئی اے کے صدام سے رابطے استوار ہوئے۔ صدام باقاعدگی سے امریکہ کے سفارت خانے جاتے اور وہاں سی آئی اے کے افسروں سے عراق کے بارے رہنمائی حاصل کرتے۔ عراق میں بعث پارٹی کے انقلاب کے بعد بغداد واپس آئے۔ صدام نے دو شادیاں کیں پہلی اپنی چچازاد ساجدہ سے کی۔ ان سے ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑے بیٹے کا نام اودے حسین، عدی ہے جو عدی بن حاتم کے نام پر ہے حاتم کی سخاوت ضرب المثل ہے۔ دوسرے کا نام قصے حسین ہے۔ دونوں بیٹے امریکی فوجیوں کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ تین بیٹیاں راغدہ، رغنا اور بالہ ہیں۔ دوسری شادی اپنے ایک عزیز دوست جی او جو کی بیوی سے کی جو بڑے بیٹے اودے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کا نام سمیرا تھا، اسے سعید بھی کہا جاتا ہے۔

صدام حسین 24 سال اقتدار میں رہے اور عراق کے سفید وسیاہ کے مالک بنے

رہے۔ 24 سال متحرک مگر متنازع زندگی گزاری۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کہا تھا:

''میں عراق میں پیدا ہوا ہوں اور عراق میں مروں گا''۔

انہوں نے اپنا بول سچ کر دکھایا۔ انہوں نے کسی کے آگے سرنڈر نہ کیا۔ چاہتے تو جنگ سے پہلے فرار ہو جاتے، ہتھیار ڈال سکتے تھے، کسی ملک میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے جان دے دی، پھانسی لگ گئے، مگر غیروں کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا۔ جس سج دھج سے چل کر وہ پھانسی گھاٹ پر گئے اور پھندہ گردن میں ڈال کر موت کو گلے سے لگایا اس نے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا کہ ایک مسلمان اسی شان سے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کرتا ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل گیا وہ جان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

1991ء میں صدام حسین نے جنگ خلیج کے موقع پر ایک تاریخی خط تحریر کیا جس سے ان کی جرأت اور دلیری کا اظہار ہوتا ہے، انہوں نے بش سینئر کو لکھا:

''آپ ایک سپر ریاست کے صدر ہیں آپ اور آپ کے پست قد ایجنٹ مجھے (صدام حسین) ایک دوروغ گو قرار دیتے ہیں لیکن آپ اس الزام کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سب سے بڑا خواب یہی ہے کہ آپ صدام حسین کو جھوٹا دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن صدام کے نزدیک جو جھوٹ بولتا ہے وہ قوت ارادی اور ایمان کی دولت کھو دیتا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر! آپ نے بھی جھوٹ کی راہ اپنا لی ہے اور آپ بھی اس دروغ گو جتھے کے ساتھی بن گئے ہیں جو اپنے آپ کو عرب قوم کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ عرب عوام کے خدمت گزار وہ عرب حکمران نہیں جو آپ کے تابعدار ہیں اور قوم کی دولت چرانے میں آپ کے شریک کار ہیں۔ عرب وہ ہیں جو غریب اور ایماندار ہیں اور حقیقی معنوں میں محب وطن ہیں۔ آپ عرب قوم کو ڈرا دھمکا نہیں سکتے کیونکہ یہ وہ عظیم قوم ہے جو

نبیوں، پیغمبروں اور مقدس آسمانی کتب کے نزول کے لیے منتخب کی گئی ہے''۔

ایک دفعہ قومی تہوار کے دن اپنی قوم سے خطاب میں اقوام متحدہ پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا، اس سے بھی ان کی فکر اور سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔

'یہ سلامتی کونسل کیا ہے؟ کیا امریکہ، سویت یونین، فرانس، چین اور انگلینڈ یہی پانچ ممالک اس کے ارکان ہیں۔ انہیں کیا حق پہنچتا ہے عربوں کے معاملات میں مداخلت کریں۔ وہ کون ہوتے ہیں جو آ کر ہمارے معاملات کو حل کریں انہیں کیا حق ہے کہ وہ آئیں اور ہمارے مسائل میں ٹانگ اڑائیں۔ نہ انہیں ہماری ثقافت کا علم ہے نہ انہیں ہماری اقتصاد معلوم ہیں۔ وہ خود جو چاہیں کرتے پھریں اور ہمارے لیے عالمی قوانین کا ڈنڈا لے کر آ جائیں ہم بھی انسان ہیں۔ اگر وہ خود بین الاقوامی اصولوں کا احترام نہیں کریں گے تو وہ ہم سے بین الاقوامی قوانین کا احترام کیسے کروا سکتے ہیں۔ انہیں خود بھی ان کا احترام کرنا ہوگا۔ ہم نے کتنی دفعہ سلامتی کونسل میں مسئلہ فلسطین پیش کیا ہے مگر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ سلامتی کونسل اپنا وقار کھو چکی ہے۔ نہ یہ عالمی ہے اور نہ امن کی کونسل بلکہ یہ بش کا تابعدار ادارہ ہے۔ میں اس کا احترام نہیں کر سکتا۔ یہ جھوٹے مکار اور دغاباز ہیں۔ ہم ان پر اعتماد نہیں کر سکتے۔

عراق نے امریکہ کی اس سازش کو بے نقاب کیا تھا کہ وہ تیل پر قبضہ کر کے پوری دنیا پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ تیل پر قبضے کی بجائے خرید و فروخت کرے۔ وہ ہم سے خریدے ہم انہیں فروخت کریں جو ایک عالمی اصول ہے لیکن یہ کہ وہ آئے اور تیل پر قبضہ کرے اور عربوں اور مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا لے ہم اسے یہ ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔

ہم جنگ نہیں چاہتے ہم نے اپنے ہاتھوں سے بغداد تعمیر کیا ہے۔ جب ہم نے زمام اقتدار سنبھالی تو پورے بغداد میں صرف دو محل اور ایک ہوٹل تھا۔ ہم نے بغداد کو تعمیر کیا اسے آباد کیا، ہم جنگ کر کے یہ سب کچھ برباد نہیں کرنا چاہتے۔ ہم نے اس کے لیے راتوں کی نیند قربان کی ہے ہم نے اس کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بغداد کو ہم برباد نہیں کرنا چاہتے ہم امن چاہتے ہیں، جنگ نہیں''۔

نیا بغداد

آبادی، بربادی

موجودہ بغداد کا نقشہ کھینچتے ہوئے قلم لرز اور دل پسیج جاتا ہے۔ روح افسردہ ہونے اور آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ اسلام کی عظمت کا امین بغداد، علم و حکمت کا معدن، تمدن و معاشرت کا گہوارہ، تہذیب و شائستگی میں جس کا قرطبہ کے سوا دنیا میں کوئی ثانی نہیں تھا، آج عراق کی بجائے امریکہ کا ہے۔ صدام حسین کی بجائے جارج بش کا ہے۔ اس کی پاک سرزمین پر امریکی اور اس کے حواری اپنے ناپاک جوتوں سے روندتے پھر رہے ہیں۔ محلوں اور بڑی عمارتوں پر ان کا قبضہ ہے۔ گلیوں اور بازاروں میں بندوق اٹھائے اکڑوں پھرتے ہیں۔ عام گولی چلتی ہے ہر چوک پر ٹینکوں کے ناکے لگے ہوئے ہیں۔ فوجیوں سے بھری گاڑیاں فراٹے بھرتی گزرتی ہیں۔ جرنیلی سڑکیں توپوں سے لدی پڑی ہیں۔ ہر گزرنے والے شہری کے چہرے پر ہراس ہوتا ہے۔ اتنے ٹینک توپیں اور مسلح سپاہی گھومتے دیکھ کر آدمی خوف نہ کھائے تو کیا کرے۔

ہر طرف ویرانی اور اجاڑ ہے۔ اداسی اور وحشت ہے، بمباری سے عمارتیں جلی اور ٹوٹی ہوئی ہیں، گاڑیاں، بسیں، کاریں، ٹرک پنجر بنے ہوئے ہیں۔ مسجدیں، مقبرے اور مزارات تک نہیں بچے۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ بمباری سے لگنے والی آگ کی تپش ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ دھواں کی سیاہی دور نہیں ہوئی۔ برسنے والے بارود کی بو نہیں گئی، مرنے والے معصوموں، بے گناہوں کی لاشوں کی سڑاند باقی ہے۔

کوئی کمانڈ اینڈ کنٹرول نہیں، امریکی اور اس کے حواری تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ اوباشوں اور اچکوں کو کھل ملی ہوئی ہے۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں۔ وہ اس آس میں سانس لے رہے ہیں کہ کبھی تو امن نصیب ہوگا، بہتری آئے گی، رونقیں بحال ہوں گی، عظمت و شوکت واپس آئے گی۔

پرانے بغداد کی طرح نیا بغداد بھی دجلہ کے دونوں کنارے حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک حصہ اعظمیہ اور دوسرا کاظمیہ کہلاتا ہے۔ اعظمیہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اور کاظمیہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے ہے۔ شارع سعدون اور شارع رشید یہ اس کی دو مشہور سڑکیں ہیں جو میلوں چلتی ہیں۔ دریا کے کنارے میلوں لمبی سڑک کے ساتھ سیکڑوں کاروباری مراکز، مارکیٹیں، تفریحی گاہیں، ایئر لائنز کے دفاتر، ادارے اور دیدہ زیب ہوٹل نگاہوں کو خیرہ کرتے نظر آتے ہیں ہر چوک میں خوبصورت سا فوارہ اور نبی یادگار دیکھنے والے کو مسحور کرتی ہے۔ صبح کا سماں دیکھنے والا ہوتا ہے۔

کاظمیہ میں حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت تقی محمد جواد رحمۃ اللہ علیہما کے مزار مبارک ہیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مسجد واقع ہے۔ پررونق علاقہ ہے۔ بڑے بڑے ہوٹل، ٹریڈ سنٹر اور مارکیٹیں دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ کھجوروں کے باغات سے گھرا ہوا ہے۔ عہد عباسی میں یہ کرخ کہلاتا تھا یہاں اس وقت قبرستان تھا۔ حضرت شیخ معروف رحمۃ اللہ علیہ اسی کی نسبت سے کرخی مشہور ہیں۔ حرم سے باہر سڑک کے کنارے حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے آسودۂ خاک ہیں۔ زیارات کا سلسلہ انہی سے شروع ہوتا ہے۔

کسی زمانے میں یہ بغداد شہر کی نواحی بستی تھا اب پھیل کر شہر سے مل گیا ہے۔ پہلے زائرین کو کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کر کے جانا پڑتا تھا۔ اب دریا پر شہریوں کی سہولت کے لیے کئی جدید اور خوبصورت پل بنے ہوئے ہیں۔

کاظمیہ کے راستے میں ایک مسجد آتی ہے جو براثا کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہروان سے واپسی پر یہاں قیام فرمایا تھا۔ اس کے اندر ایک کمرہ مقام مریم کہلاتا ہے۔ اس کے دروازے کے باہر ایک پتھر ہے۔ اس پر حضرت مریم علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لٹا کر نماز ادا کی۔ پیغمبر خدا حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار اور بہلول دانا کی قبر یہیں ہے۔

کربلا معلیٰ یہاں سے 150 کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ جہاں نواسہ رسول ابن علی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، اہل بیت اور ان کے جان نثاروں کے مزارات ہیں۔ روضہ حسین سے کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر باب الحوائج میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے۔ ان مزارات کے علاوہ کربلا میں اور بھی یادگاریں ہیں۔ نہر حسینیہ، مقام زینبیہ، مقام علی اکبر، مقام علی اصغر، مقام مکالمہ، مقام امام جعفر، مقام امام حسین اور مقام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

بغداد کا ایئرپورٹ صدام حسین انٹرنیشنل ہے۔ شہر سے 35 کلومیٹر کی دوری پر ہے جدید طرز کا وسیع رقبے میں ہے۔ جہاں جدید سے جدید ہر قسم کا جہاز اتر سکتا ہے۔ بلڈنگ کشادہ اور دیدہ زیب ہے جس میں بڑی خوبصورتی سے مسافروں کے لیے لاؤنج، ایئرلائنز کمپنیوں کے آفس اور ڈیوٹی فری شاپ بنائی گئی ہیں۔ افسوس کہ اب یہ ویران پڑا ہے اور اکا دکا صرف اندرون ملک کچھ پروازیں چلتی ہیں۔

بغداد کو ایک اعلیٰ درجے کی موٹروے کے ذریعے اردن، ایران، ترکی، سعودی عرب، اور کویت سے ملایا گیا ہے۔ بغداد، موصل اور بصرہ کے درمیان ریلوے ٹریک بھی ہے جس پر ٹرینیں چلتی ہیں۔ ٹرین کے ڈبوں کا رنگ سبز ہے خواہ وہ کسی کلاس کے ہوں۔ محطۃ العلویہ، ریلوے اسٹیشن وسیع رقبے پر ہے جو وسط شہر میں ہے۔ اس کے ساتھ شہر کا قدیم قبرستان ہے جس کا پرانا نام شونیزیہ ہے۔ اس میں ہزاروں بزرگ ہستیاں آرام فرما رہی ہیں۔

ٹرانسپورٹ سیکورٹی، پولیس اور ٹریفک کا نظام اعلیٰ درجے کا ہے۔ اہلکار صبح چار بجے سے رات گیارہ بجے تک ڈیوٹی دیتے ہیں۔ گلف وار کے بعد صدر عراق صدام حسین نے بڑی

لگن اور ان تھک محنت سے کام کیا۔ عراق کو جدید خطوط پر ایک مضبوط ملک بنا دیا۔ انا ٹک انرجی کی لیبارٹریز، آئل ریفائنریز کی تعمیر، ملٹری کی اپ گریڈیشن، آثار قدیمہ کی مرمت اور مزارات کی دیکھ بھال اور ان کی جدید اور خوبصورت تعمیر اس کے نمایاں کارنامے ہیں جو اس مرد مجاہد کی ہمت اور عقیدت کا مظہر ہیں اور اس کی اپنے وطن سے محبت کا ثبوت ہیں۔ بلاشبہ اپنی ان خوبیوں اور خدوخال کی بناء پر بغداد مشرق کا وینس ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں۔

فردوس ارضی میں

کرامہ بارڈر سے کلیرنس کے بعد ہم اپنی منزل بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ سڑک موٹروے تھی۔ کثرت سے گاڑیاں فراٹے بھرتی گزر رہی تھیں۔ کوئی 50 کلومیٹر سفر کیا تھا کہ سڑک اپنی بدحالی دکھانے لگی جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے تھے، پل ٹوٹے ہوئے تھے، اجاڑ اور ویرانی کے کئی ایسے دلدوز مناظر دیکھنے میں آئے کہ جنہیں دیکھ کر ہم بہت رنجیدہ ہوئے۔ بسا اوقات دکھ سے آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔

گڑھوں کی وجہ سے کئی دفعہ ڈرائیور کو گاڑی سڑک سے نیچے کچے راستے پر اتارنا پڑتی۔ کئی خوبصورت برج راستے میں تباہ ہوئے پڑے تھے ہم نے کئی جگہ ان کی تصویریں لیں۔ چار پانچ کلومیٹر اور سفر کیا ہوگا کہ سڑک کے کنارے ایک کچی عمارت کے سامنے ڈرائیور نے گاڑی کو بریک لگا دی۔ ہم اتر کر اس عمارت کے اندر گئے۔ دیکھا وہاں پٹرول بلیک میں مل رہا تھا۔ ہم نے ڈرائیور سے کہا بھئی تم یہاں کیوں رکے ہو؟ اس نے بتایا بغداد میں پٹرول نہیں ملتا، پٹرول ڈلوانے کے لیے رکا ہوں۔ وہاں گاڑیوں کی لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی پٹرول ڈلوانے کی کوشش کی۔ اس نے وہاں سے پٹرول ڈلوایا۔ اس کے بعد پھر ہم روانہ ہوئے۔

کوئی 100 کلومیٹر سفر طے ہوا تھا۔ روڈ سائیڈ پر ہمیں چند دکانیں نظر آئیں۔ ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی سو یہاں اترے اور ایک دکان میں بیٹھ گئے۔ دکاندار سے پانی پلانے کو کہا۔ فوراً ہی ٹھنڈا پانی آ گیا۔ ہم نے دکاندار کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کوئی دو تین کلومیٹر ہی چلے

ہوں گے کہ ہمیں ایک آفت ناگہانی کا سامنا کرنا پڑا۔ گاڑی رک گئی، میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ بھئی! اب کیا ہوا ہے؟ پٹرول تو تم نے ابھی ڈلوایا ہے۔ اس نے کہا، جناب! گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ یہ نزدیک ہی ایک ورکشاپ ہے یہاں کھڑا کر کے میں اسے دیکھتا ہوں کہ کیا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم گاڑی سے نیچے اتر آئے اور ایک طرف کھڑے ہوگئے۔

ڈرائیور نے گاڑی کو کھول کر دیکھا کچھ دیر تک اس کو اس طرح دیکھتا رہا۔ اس نے اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ ایک دفعہ اس نے اس کا پوری طرح معائنہ کیا اب کی بار اس کی سمجھ میں آ گیا کہ خرابی کیا ہے۔ اس نے آ کر ہمیں بتایا کہ گاڑی کا انجن خراب ہوگیا ہے اس لیے وہ اسٹارٹ نہیں ہو رہی۔ ہم آگے نہیں جا سکتے۔ میں نے اسے کہا کہ ابھی کچھ کرو ہم نے ہر حال میں شام تک بغداد پہنچنا ہے۔ بولا، جناب میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ پرزہ یہاں ملتا نہیں عمان سے لانا پڑے گا۔ اس میں وقت تو لگے گا۔ میں نے کہا پھر اب کیا جائے کہنے لگا، جناب آپ یا تو انتظار فرمائیں یا پھر یہاں سے کوئی نئی گاڑی کرایے پر لے لیں۔ میں تو جانے سے معذور ہوں۔ اس کے جواب کے بعد ہم نے اس سے اپنا باقی کرایہ واپس لیا اور جیپ سے اپنا سامان اتار کر ایک قریبی ہوٹل میں رکھا۔ اب ہم ایک دو ساتھی سڑک کے کنارے کھڑے ہوگئے۔ بغداد جانے والی گاڑیوں کو ہاتھ دینے لگے۔ کافی دیر تک کسی نے گاڑی نہ روکی۔ معلوم نہیں، حالات کے خوف سے سہمے ہوئے تھے یا اپنی کوئی مجبوری تھی۔ ہم بڑے پریشان ہوئے۔ کوئی بات سجھائی نہیں دے رہی تھی، وقت گزرتا جا رہا تھا۔

ابھی اسی فکر میں تھے کہ دور سے ایک مرسڈیز آتی دکھائی دی۔ ہم نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اس نے مہربانی کی ہمارے اشارے پر رک گیا۔ یہ ایک عراقی نوجوان تھا جو کویت سے بغداد آ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی پہلے تو اس نے انکار کر دیا پھر میں نے اسے بغداد میں آنے کا مقصد بتایا کہ ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ ہم پاکستان سے اپنے عراقی بھائیوں کی امداد کے لیے آئے ہیں۔ ہمارے ٹرک سامان لے کر کل صبح بغداد پہنچ

رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت شہر میں لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے بغداد پہنچنے سے پہلے لوٹ لیے جائیں اور ہم جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں وہ پورا نہ ہو۔ میری یہ بات سن کر اس کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہوئی اور اس نے ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کی ہامی بھر لی۔ چنانچہ ہماری جان میں جان آئی ہم نے فوراً اپنا سامان گاڑی میں رکھا اس میں سوار ہوئے اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلی نگاہ

راستے میں نوجوان سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ عراق اور کویت کے حوالے سے بہت سی باتیں ہوئیں۔ وہ نوجوان عرصہ سے کویت میں رہ رہا تھا۔ امریکی یلغار کے بعد اپنے گھر والوں کو ملنے آ رہا تھا۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے اپنے ملک پر ٹوٹنے والی اس قیامت سے بے چارہ کافی پریشان اور رنجیدہ تھا۔ اس نے امریکہ اور اس کے حواریوں کو خوب کوسنے دیے۔ انہیں عالمی بدمعاش اور دہشت گرد کہا۔ ہم نے بھی اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا آپ کا اور ہمارا دکھ درد ایک ہی ہے۔ آپ بھی انہی کے ڈسے ہوئے ہیں اور ہم بھی انہی کے کئی بار شکار ہوئے ہیں اور ہیں۔ اب ان کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔

باتوں باتوں میں سفر کا پتا ہی نہ چلا۔ گاڑی خراب ہونے کے بعد جو کلفت پیدا ہوئی تھی وہ ساری دور ہوگئی۔ تھوڑا چلنے کے بعد بغداد کی حد شروع ہوگئی۔ راستے میں سڑک کے کنارے دونوں جانب جلی گاڑیاں، ٹوٹی عمارتیں، اجڑی دکانیں، خوبصورت برباد پل قیامت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جنہیں دیکھ کر سخت سے سخت دل والا بھی پسیج جائے۔ اس وقت ہم امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی اس بربریت پر سوائے دکھ اور افسوس کے کیا کر سکتے تھے۔

گاڑی فراٹے بھرتی جا رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف نخلستان ایک عجیب نظارہ دکھا رہے تھے۔ جن میں کھجور کے ایستادہ درخت اپنی عظمت رفتہ کا نشان بنے اپنے حال پر نوحہ کناں تھے۔ ان کی اوٹ میں دور شہر بغداد نظر آ رہا تھا۔ اس کے عالی شان محل، اونچے

خوبصورت دفاتر، بلند پلازے، مقدس و متبرک سہانے روضے دکھائی دے رہے تھے اور نظروں کو طراوت دینے لگے۔ میں ان کے نظاروں میں کھویا ہوا تھا کہ گاڑی شہر کی حدود میں داخل ہوگئی۔ عروس بلاد بغداد کا وسیع و عریض حسین شہر نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہم بغداد کی سرزمین پر پہنچ گئے تھے جیسے ہی گاڑی شہر میں داخل ہوئی بغداد پر پہلی نظر پڑی تو مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ میں ماضی میں کھو گیا اور تصور کرنے لگا کہ

یہی وہ بغداد ہے جس کے بارے ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں، جسے الف لیلہ کی کہانیوں میں پڑھتے تھے جو ہمیں ہماری مائیں سنا کر سلاتی تھیں۔ یہاں کی بنائی لوریوں سے ہمیں بہلاتی تھیں۔ جو پیران پیر، غوث صمدانی، محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی شریعت کے رہنما، طریقت کے رہبر، ولایت کے شہنشاہ اور معرفت کے سلطان کا وطن ہے۔ سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ ہے۔ جہاں سیکڑوں ہزاروں علماء و فقہاء نے علم و تحقیق کی داد دی۔ عرفاء اور اصفیاء نے حقیقت و معرفت کی راہ دکھائی۔ سلاطین نے سلطانی اور حکمرانوں نے حکمرانی کی۔ جہاں بابل، نینوا جیسی تہذیبوں نے جنم لیا، جس میں اسلام کی ثقافت پروان چڑھی۔ جو ابوجعفر منصور عباسی کا شہر اور پایہ تخت تھا۔ انبیاء و اولیاء کا مدفن اور حکمت و معرفت کا معدن ہے۔ اصحاب علم و دانش کا مسکن اور کھجور کا چمن ہے۔ ہماری محبت کا مرکز اور عقیدتوں کا محور ہے۔ ملت اسلامیہ کے عروج اور زوال کا شاہد ہے۔ جہاں کے نفوس کے ادب و احترام کا یہ عالم ہے کہ اقطاب زمانہ بھی شہر پناہ میں قدم رکھتے تو نیازمندی سے اپنی گردنیں خم کر دیتے اور فرط عقیدت سے آنکھیں بچھا دیتے آج ہم ایسے گنہگار اس پاکیزہ اور مقدس شہر کی زمین حاضر ہیں۔ ہمیں بھی اس شہر کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ رب کریم کے احسان پر بے ساختہ احساس تشکر سے دل اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز، روح وجد کناں اور آنکھیں اشک فشاں ہوگئیں۔

پاکستانی ایمبیسی

ہم شام چار بجے بغداد پہنچے تھے۔ ایک چوک پر پہنچ کر عراقی نوجوان نے کہا: یہ روڈ

پاکستانی ایمبیسی کو جاتا ہے۔ آپ یہاں سے ٹیکسی لے لیں۔ ہم نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا جس نے ہماری مشکل حل کی اور ہمیں سامان پہنچنے سے پہلے بغداد پہنچایا۔ اتر کر ہم نے کرائے پر ٹیکسی لی اور ایمبیسی کا رخ کیا۔

ہم تھوڑا ہی چلے تھے کہ ایک جگہ کچھ امریکن سولجر کھڑے تھے۔ انہوں نے ہمیں روک لیا۔ ہماری چیکنگ کی، تلاشی لی اور کاغذات دیکھے پوچھ گچھ کی۔ کافی دیر بعد جانے کی اجازت دی۔ ٹیکسی ڈرائیور ان پر برس پڑا۔ ایک تو تم نے ہمارے ملک پر قبضہ کیا ہوا ہے دوسرا ہم پر حکم چلاتے ہو، ملک کے مالک ہم ہیں یا تم لوگ ہو۔

جگہ جگہ تباہی مچی ہوئی تھی، عمارتیں ٹوٹی اور جلی ہوئی تھیں۔ دفاتر ویران اور اجڑے پڑے تھے۔ بازار اور مارکیٹیں سنسان تھیں۔ امریکہ اور اس کے حواری اتحادیوں نے بڑا اودھم مچایا ہوا تھا۔ انہوں نے کوئی عمارت سلامت نہ رہنے دی۔

ہم نے دیکھا، ان میں ایک عمارت ایسی بھی تھی جو قیامت خیز بمباری کے باوجود اپنے پورے قد و قامت سے ایستادہ تھی۔ ہم اسے دیکھ کر سخت حیرت میں ڈوب گئے۔ سوچنے لگے یہ کون سی عمارت ہے؟ جو ان حملہ آوروں کی اندھی بمباری سے بچ گئی ہے۔ یہ کیسے محفوظ رہی؟ ڈرائیور نے ہمیں بتایا: ''جناب! یہ عراقی پٹرولیم کمپنی کی عمارت ہے۔ جس پر قبضہ کے لیے، یہ خونی سات سمندر پار سے یہاں آئے ہیں''۔

ہماری حیرانی کی حد نہ رہی۔ انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ جو انسانی حقوق کی بات کرتا تھکتا نہیں، کا اصل چہرہ یہ ہے۔ اس کے نزدیک تیل انسان کی جان سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس نے ہزاروں معصوم بچوں، جوانوں اور بے ضرر بوڑھوں اور عورتوں کو بارود کی آگ میں جھونک دیا مگر پٹرولیم کمپنی پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ واہ رے حقوق انسانی کے ٹھیکیدار۔

ڈرائیور نے ہمیں ایمبیسی کے مین گیٹ کے سامنے اتارا۔ ہم اندر داخل ہوئے، اندر کا دروازہ مقفل تھا۔ ہم نے بیل کا بٹن پش کیا کافی دیر بعد بھی اندر سے کوئی آدمی باہر نہ نکلا ہمیں تشویش لاحق ہونے لگی، اب کیا جائے۔ ہم اس کی ایک طرف سے اس کی پچھلی سائیڈ

میں گئے جہاں ایک کونے میں کچن تھا اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہم اس کے اندر چلے گئے۔ کچن کا ایک دروازہ اندر کو کھلتا تھا۔ ہم اس کے ذریعے ایک برآمدے میں آئے دونوں طرف کمرے تھے جو بند پڑے تھے۔ ابھی تک وہاں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ یوں لگ رہا تھا کوئی سنسان جگہ ہے اور بھوت پریت کا ڈیرہ ہے۔ آخر ایک کمرہ کھلا مل گیا جہاں ایک شخص فرش پر پڑے کارپٹ پر خراٹے بھر رہا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا اسے پا کر ہماری تشویش کچھ دور ہوئی۔ جب اس میں ہمارے جوتوں کی چاپ اور آہٹ سے بھی حرکت پیدا نہ ہوئی تو ہم نے اسے جگانا ہی مناسب سمجھا۔

ہمارے جگانے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھے، آنکھیں ملتے ہوئے ہماری طرف دیکھا ہم نے اسے بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔ جواباً اس نے کہا مجھے آپ لوگوں کے آنے سے پہلے اردن میں پاکستانی ایمبیسی کی طرف سے اطلاع مل چکی ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی آمد کا پتا ہے۔ آپ جانتے ہیں بغداد میں اس وقت طوائف الملوکی ہے۔ نہ کمانڈ ہے اور نہ کنٹرول، افراتفری اور لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ اوباشوں اور عیاروں کو کھل مل گئی ہے۔ ہمارے سفارت خانے کے کئی اہلکاروں کے گھروں کو لوٹ لیا گیا ہے۔ میرا گھر بھی نہیں بچا۔ میں نے اپنے بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا ہے۔ ابھی انہی کو چھوڑ کر آ رہا ہوں خود سفارت خانے آ گیا ہوں۔ سخت تھکن تھی اس لیے آرام کے لیے سو گیا۔ آپ کو اندر آنے میں تکلیف ہوئی اس زحمت کے اٹھانے پر معذرت، امید ہے آپ درگزر فرمائیں گے۔

یہ پاکستانی ایمبیسی کے قونصلر جنرل تھے۔ بڑے اچھے، نیک، بھلے مانس اور شریف انسان تھے۔ بزرگ اور عمر رسیدہ تھے۔ بڑی محبت اور اخلاص سے پیش آئے۔ ان کی ملنساری کے انداز نے ہماری ساری کدورت دور کر دی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد انہوں نے ہمیں کھانے کے لیے کہا، ہمیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم نے کہا تیار ہے تو لے آئیں۔ انہوں نے فوراً کھانا لگا دیا۔ اچھا کھانا تھا، جو ان حالات میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ قونصلر صاحب نے بڑی الفت سے ہماری تواضع کی۔ کھانے کے بعد میں نے انہیں ہوٹل

کی بکنگ کے لیے کہا۔ انہوں نے اسی وقت گاڑی نکالی اور ہم ان کے ساتھ ہوٹل دیکھنے کے لیے نکل گئے۔ راستے میں ایک دفعہ پھر کئی دلدوز منظروں نے ہمیں رولا دیا اور ٹوٹنے والی جگر پاش قیامت نے ہلا دیا۔ سڑکوں پر امریکی ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور جیپیں دندنا رہی تھیں۔ امریکن فورسز کے سولجر وحشت ڈھا رہے تھے۔

ہم نے بہت ہوٹل دیکھے کسی میں جگہ نہ ملی۔ سب امریکہ اور اس کے حواریوں کے سپاہیوں سے اٹے اور صحافیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہوٹلوں کو اپنا مستقر بنایا ہوا تھا۔ کافی دیر بعد بڑی مشکل سے ایک ہوٹل میں 25 ڈالر یومیہ کرائے پر ایک کمرہ ملا۔ اس کے زیادہ تر کمرے خالی پڑے تھے۔ اس کے باوجود اس کا منیجر ہمیں کمرہ دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ اسے بزور اصرار سے رضامند کیا تب کہیں ہمیں بڑی محنت کے بعد ایک کمرہ ملا۔ نجانے اس میں کیا بات تھی، وہ ہمیں کمرہ کیوں نہیں دے رہے تھے۔

پاکستانیوں سے ڈرے ہوئے تھے یا امریکیوں اور یورپیوں سے ڈالر کمانے کے چکر میں تھے۔ ہوٹل دیکھنے میں تو معمولی تھا مگر اندر کے ماحول کے لحاظ سے بہت اچھا تھا۔ مجھے سفر کی سخت تھکان تھی، جسم اور کپڑوں پر گرد بھی تھی۔ اس لیے میں نے سوئمنگ پول میں نہانے کا ارادہ کیا۔ میں نے اپنے صحافی دوست کو بھی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ سو میں نے اکیلے ہی سوئمنگ کی اس سے ساری تھکن کافور ہو گئی اور جسم فریش ہو گیا۔

رات کو چند عراقی معززین ملنے کے لیے تشریف لائے۔ بڑے پیار اور محبت سے ملے۔ ہم نے انہیں بتایا کہ ہم پاکستان سے اپنے عراقی بھائیوں کی امداد کے لیے آئے ہیں۔ کل ہمارے ٹرک سامان لے کر پہنچ جائیں گے۔ اس میں سے کچھ ہم حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور کچھ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اور کچھ پبلک پلیسز پر۔ آپ ہمیں مشورہ دیں کہ ان جگہوں پر سامان کس طرح تقسیم کیا جائے، طریقہ کار کیا ہو سیکورٹی کیسے ہوگی، کون دوست اس سلسلہ میں ہماری معاونت کریں گے؟

اتفاق سے ان معززین میں دو دوستوں کا تعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

علاقے سے تھا۔ وہ آپ کے نام سے منسوب اعظمیہ آبادی میں رہتے تھے۔ یہ ایک شیخ عبداللہ حمدی اور دوسرے حسن مرادی تھے۔ کہنے لگے: امام اعظم کے مزار پر تقسیم کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں۔ اس کی آپ پروانہ کریں۔ باقی مقامات پر تقسیم کی ذمہ داری کا آپ خود سوچ لیں، کیسے کرنی ہے۔

صبح ناشتے کے بعد ہم ایمبیسی گئے۔ وہاں سے پتا چلا کہ پاکستانی سفیر یہاں نہیں، وہ عراق سے باہر ہیں۔ پاکستان گئے ہوئے ہیں۔ ان کے بعد تھرڈ سیکرٹری موجود تھے۔ یہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ یہ سن کر ہم سیدھے قونصلر جنرل صاحب کے پاس گئے انہیں بغداد میں اپنے آنے کا مقصد بتایا اور اپنے رات کے بنائے پروگرام کی تفصیل بتائی اور ان سے کہا کہ اس کے لیے ہمیں سیکورٹی کی ضرورت ہے۔ یہاں لاء اینڈ آرڈر کا بہت مسئلہ ہے۔ قونصلر صاحب نے کہا میں معذرت کرتا ہوں۔ میں اس وقت کوئی سیکورٹی نہیں دے سکتا، وجہ آپ کے سامنے ہے آپ نے جو کرنا ہے انہی حالات میں کرنا ہے اور اپنے زور بازو پر کرنا ہے ہم آپ کی حفاظت کرنے سے معذور ہیں۔

ان کا یہ جواب سن کر مجھے بڑی تشویش ہوئی۔ سوچنے لگا اب کیا جائے۔ پھر میرے ذہن میں ایک بات آئی۔ میں نے قونصلر صاحب سے پوچھا، اس وقت بغداد کا ذمہ دار کون ہے؟ بولے: امریکی ہیڈ کوارٹر، میں نے انہیں کہا ٹھیک ہے، آپ میرے ساتھ چلیے میں سیکورٹی کے لیے ان سے خود بات کرتا ہوں۔ کہنے لگے سوری! میں آپ کے ساتھ وہاں نہیں جا سکتا۔ آپ کو خود ہی جانا ہوگا۔ میں نے کہا: کمال کرتے ہیں ایک آپ کے پاس سیکورٹی کا کوئی انتظام نہیں دوسرا آپ ہمارے ساتھ امریکن ہیڈ کوارٹر جانے کے لیے بھی تیار نہیں۔ کچھ تو ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ ہم آپ کے بغیر یہ سب کچھ کیسے کر سکیں گے۔ بولے، سوری! میری مجبوری ہے۔ جب کونسلر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو میں تھرڈ سیکرٹری کے پاس چلا گیا اور اسے کہا سفیر صاحب موجود نہیں، قونصلر جنرل صاحب نہ سیکورٹی دے رہے ہیں اور نہ امریکن ہیڈ کوارٹر چلنے کے لیے تیار ہیں۔ فرمایئے: ہم کیا کریں۔ اس نے کہا آپ

پریشان نہ ہوں چلیے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

صدام محل، امریکن ہیڈ کوارٹر

تھرڈ سیکرٹری آمادہ ہوئے تو ہماری اس مشکل کا پہلا مرحلہ حل ہوا۔ سیکورٹی کے سلسلے میں ابھی اس کے کئی اور مرحلے باقی تھے جن سے ہم نے گزارنا تھا۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

چنانچہ ہم تھرڈ سیکرٹری کے ساتھ امریکن ہیڈ کوارٹر گئے جو صدام محل میں تھا۔ راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں تھیں۔ انہیں عبور کرتے، تلاشی دیتے، کاغذات دکھاتے اور تعارف کراتے صدام محل پہنچے۔ سیکرٹری نے باہر کے گیٹ پر گارڈ کو اپنا تعارف کرایا۔ اس نے انٹر کام پر اپنے انچارج سے بات کی کہنے لگا، اندر انچارج سیکورٹی کے پاس جایئے۔ گیٹ سے گزر کر ہم ان کے سامنے پیش ہوئے، سیکرٹری نے اس سے بات کی۔ اس نے اندر پیغام دیا۔ کچھ دیر بعد ہمارے لیے اجازت کی کال آگئی۔ اس طرح ہمیں آگے جانے کی اجازت ملی۔

گیٹ سے تھوڑا سا ہی آگے چلے تھے کہ اور گارڈز نے ہمیں روک لیا، ہماری تلاشی لی اور اپنی تسلی کرنے کے بعد ہمیں آگے جانے دیا ہمارے سامنے وسیع عریض میدان تھا جو اب ویرانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ امریکی اور یورپی ٹینک اور گاڑیاں کھڑی تھیں کچھ ادھر ادھر گھوم رہی تھیں اور سپاہی دہشت کے مجسمے بنے پھر رہے تھے۔ بربریت اور رعونت ان کے چہروں سے ٹپک رہی تھی۔ جگہ جگہ انہوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ محل کے کمروں، برآمدوں، راہداریوں، پارکوں اور راستوں سب پر تسلط جما رکھا تھا۔ جیسے اس کے مالک ہوں۔

محل کی وسعت کا انداز اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ یہاں شٹل گاڑی چلتی ہے جو دس پندرہ منٹ میں محل کے اندر لے جاتی ہے۔ بہر حال صدر دروازے تک نامعلوم ہمیں کتنی بار چیکنگ کے لیے کتنے جانگسل مرحلوں سے گزرنا پڑا، رکاوٹیں عبور کرنا پڑیں، اندر جانے کی پرمیشن لینا پڑی تب کہیں جا کر ہمیں محل کے اندر جانا نصیب ہوا۔

رابطہ کے لیے امریکن فورس میں مسلمان افسر بھی تھے۔ تقریباً 12 بجے سیکرٹری صاحب

ہمیں لے کر ایک مسلمان افسر کرنل ابراہیم خلیلی کے پاس پہنچے، انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا، بڑے حسن سلوک سے ہمارے ساتھ پیش آئے۔ میں نے انہیں اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کا مقصد اور پروگرام بتایا۔ کہا: ہمیں اس کام کے لیے سیکورٹی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا آپ پریشان نہ ہوں آپ ایک نیک مقصد کے لیے آئے ہیں ہم آپ کو پوری سیکورٹی دیں گے۔ متعلقہ آفیسر شام پانچ بجے کے بعد آئے گا۔ میں اس سے کہہ دوں گا وہ آپ کے لیے سیکورٹی کا انتظام کر دے گا۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ جناب! آپ کے محبت بھرے انداز نے ہماری ساری کلفت دور کر دی ہے اور ذہنوں سے بوجھ اتار دیا ہے۔ چلتے وقت میں نے انہیں کہا ہمیں آپ تک پہنچنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ دشوار اور کٹھن مرحلوں سے گزر کر آپ کے پاس پہنچے ہیں جس سے ہمارے قیمتی وقت کے دو اڑھائی گھنٹے برباد ہوئے ہیں۔ پانچ بجے تک تو یہ لوگ ہمیں یہاں ٹھہرنے نہیں دیں گے تو کیا ہم دوبارہ پھر ان المناک مرحلوں سے گزریں گے۔ مسکرا کر بولے گھبرایئے نہیں میں پاس بنوا دیتا ہوں۔ پوچھنے پر آپ دکھا دیجئے گا پھر آپ کو کوئی تنگ نہیں کرے گا۔

کرنل صاحب نے اسی وقت اپنے اسسٹنٹ کو ہمارے پاس تیار کرنے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر ہی میں اس نے پاس تیار کر کے ہمارے حوالے کیے۔ اس کے بعد ہم صدام محل سے چلے آئے۔

روضۂ غوث اعظم پر حاضری

سیکورٹی کے حصول کی مہم کا یہ مرحلہ ختم ہوا تو کچھ سکون ملا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ اس دوران شہر میں گھوم کر سیاحت بھی کی جا سکتی تھی۔ تاریخی آثار اور مقامات دیکھ کر وقت گزارا جا سکتا تھا۔ اپنے ہوٹل میں آرام کر کے یا پارک میں گھوم پھر کر فرصت کے لمحات گزار سکتے تھے۔ لیکن ہم نے ان سب کو ذہن سے جھٹکا اور حصول فیض و برکت کے لیے والی بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک اور درگاہ پر حاضری کا قصد کیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول بندے کے دربار پر حاضری ہی وقت کا موزوں اور صحیح مصرف تھا۔

یوں تو بغداد میں سیکڑوں اولیاء، صوفیاء، صلحاء، ابدال اور اقطاب محوِ خواب ہیں اور اپنا اپنا فیض لٹا رہے ہیں۔ کسی کے مزار پر پہلی حاضری دی جا سکتی ہے۔ لیکن انہی بزرگوں کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب بغداد میں آؤ تو سب سے پہلے حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر حاضری دو۔ سو ہم نے بھی اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت شیخ کی چوکھٹ پر جبیں سائی کا ارادہ کیا۔

آپ کا مزار دجلہ سے ایک میل کے فاصلے پر پرانے شہر میں محلہ "حی الگیلانیہ" میں واقع ہے۔ ہم نے اپنی گاڑی کا رخ ادھر موڑا۔ گاڑی سڑک پر رواں دواں ہوئی، سماں بندھنے لگا۔ راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی تھیں، بمباری اور دھماکوں کی وجہ سے سڑک میں جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ ان سے گزر کر جب ہم باب الشیخ پہنچے جہاں بارگاہ غوثیت مآب واقع ہے تو آپ کے روضہ مبارک کا نیلا گنبد دکھائی دیا۔ دل و دماغ کی عجیب حالت ہوئی، کیف و مستی کی ایک لہر پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ سوچنے لگا، بارگاہ غوثیت مآب میں حاضری ہے۔ اتنی بڑی ہستی کے پاس جانے کے آداب بھی بڑے ہوتے ہیں۔ آداب کا خیال نہ رکھا جائے تو سائل فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے اور بے ادب بھی قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی کی، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے بارگاہ رسالت مآب میں بنو عبدالقیس کے وفد کی حاضری یاد آ گئی۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو یہ لوگ دور سے آپ کو دیکھ کر پروانہ وار دوڑے آپ کے دست اقدس اور قدمان مبارک کو بوسے دیے۔ وفد کے سربراہ اشج نے سواری کو ایک جگہ باندھا۔ اس سے سامان اتارا، غسل کیا اور سفید کپڑے زیب تن کیے۔ مسجد نبوی میں آیا دو رکعات نفل تحیۃ المسجد پڑھے۔ پھر بڑی عاجزی اور انکساری سے آقا کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا اور سلام نیاز پیش کیا۔ آپ نے اس کے اس عمل کو بہت پسند کیا اور فرمایا:

إن فیک خصلتین یحبهما اللّٰه الحلم والاناة (1)

''تم میں دو خوبیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: بردباری اور وقار''۔

مجھے اس حدیث پاک سے کچھ حوصلہ ملا دل میں طمانیت محسوس ہوئی۔ طبیعت میں قرار سا آ گیا۔ اب تصور میں خود کو حاضری کے لیے تیار کرنے لگا۔ ہم مرکز عقیدت کے آہستہ آہستہ قریب ہو رہے تھے۔ کیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ خیالوں اور تصوروں کا ایک تلاطم بپا تھا۔ ذہن میں آ رہا تھا ہم نے بچپن میں اپنی کتاب میں پڑھا تھا۔

ایک بچہ حصول علم کے لیے اپنے گھر گیلان سے نکلا اور بغداد گیا۔ چلتے وقت ماں نے 40 دینار قمیص کے اندر سی دیے۔ بچے کو بغداد جانے والے قافلے کے ساتھ کیا اور رخصت کرتے وقت یہ نصیحت کی:

''بیٹا! ہر حال میں سچ بولنا، کبھی جھوٹ نہ بولنا''۔

راستے میں ایک مقام پر ڈاکوؤں نے قافلے کو آ گھیرا۔ ان سے کہا: جو کچھ تمہارے پاس ہے سب ہمارے حوالے کر دو۔ ایک ڈاکو اس بچے کے پاس بھی آیا اور اس سے پوچھا:

''تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟'' بچے نے فوراً جواب دیا:

''جی ہاں! میرے پاس چالیس دینار ہیں''۔

ڈاکو کو یقین نہ آیا، چھوڑ کر چلا گیا۔ جب سارا مال اکٹھا ہو گیا تو ڈاکو اسے لے کر اپنے سردار کے پاس گئے۔ سردار نے پوچھا، سب سے مال لے لیا ہے۔ ڈاکوؤں نے جواب دیا، جی سردار! ایک ڈاکو بولا قافلے میں اک بچہ ہے وہ کہتا ہے، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ یقین نہ آنے کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ سردار نے کہا، جاؤ اور اسے میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ ڈاکو گیا اور اس بچے کو اپنے سردار کے پاس لے آیا۔ سردار نے بچے سے پوچھا:

''بول بچے! تیرے پاس چالیس دینار ہیں؟'' بچے نے بے دھڑک جواب دیا:

''جی ہاں میرے پاس ہیں''۔

1۔ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد

''کہاں ہیں؟''

''یہ میری قمیص کے اندر سلے ہوئے ہیں''۔

سردار نے ایک ڈاکو کو اشارہ کیا کہ وہ قمیص دیکھے اس نے اندر سے قمیص کو ٹٹول کر دیکھا وہاں واقعی دینار سلے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سب حیران ہوئے۔ سردار نے حیرانگی سے پوچھا:

''تم نے ان دیناروں کے بارے ہمیں کیوں بتایا؟ جب کہ یہ ہماری نگاہوں سے چھپے ہوئے تھے۔ تم چھپائے رکھتے''۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا تھا''۔

''وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ رخصت کرتے وقت میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی۔ بیٹا ہمیشہ سچ بولنا، کبھی جھوٹ نہ بولنا مجھے اپنی ماں کی نصیحت کی پاسداری کرنا تھی''۔

سردار نے بچے کی یہ بات سنی تو کانپ گیا، شرمندہ ہوا، دل میں سوچنے لگا ایک یہ بچہ ہے جسے اپنی ماں کی نصیحت کا اتنا پاس ہے کہ اس نے چالیس دیناروں کی پروا نہیں کی اور ایک میں ہوں جو ہر روز اپنے خالق و مالک کے احکام کی نافرمانی کرتا ہوں۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بچے کے ہاتھ پر فوراً ڈاکہ زنی سے توبہ کی اور آئندہ نیک بن کر رہنے کا عہد کیا۔

یہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے اپنے بچپن میں ہی اپنی نیک نفسی اور پاکیزگی سے ڈاکوؤں کے ایک گروہ کو گناہوں کی دلدل سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ آج اسی عظیم ہستی کے دربار پر حاضری ہو رہی تھی اس تمنا اور آرزو کے ساتھ کہ آپ کے وجود کی برکت سے ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرما دے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے دے۔

دربار پہنچ کر گاڑی باہر ایک جگہ کھڑی کی اور خود احاطے میں آ گئے۔ نگاہوں کے سامنے گیارہویں والے پیر کے روضے اور مسجد کے نیلے اور سفید دونوں گنبد عجب نظارہ دکھا رہے تھے۔ بے ساختہ کچھ دیر کے لیے قدم رک گئے۔ نظریں دونوں گنبدوں پر ٹھہر گئیں اور ان سے

پھوٹنے والے جلوؤں کو دیکھنے لگے جب انہیں کچھ آنکھوں میں کچھ رچا لیا تو آگے چل دیے۔

دربار کی عمارت کشادہ ہے۔ مشرقی اور غربی دونوں طرف ایک ایک دروازہ ہے جن کے کواڑ کوئی 20 فٹ اونچے اور 14 فٹ چوڑے ہوں گے۔ ان پر بڑی نفیس مینا کاری اور خوب صورت نقش نگاری ہوئی ہے۔ اوپری حصے میں عربی اشعار کا باذوق انتخاب ہے۔ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شعر تو زائر پر وارفتگی کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔

علی بابنا قف عند ضیق المناھج
تفز بعلی القدر من ذی المعارج
ألم تر أن اللہ أسبغ نعمة
علینا ووالانا قضا الحوائج (1)

ایک دروازے کے بائیں طرف مہمان خانے کی عمارت ہے جو ابھی زیر تعمیر تھی۔ اس کے دو بلاک ہیں ایک ملکی زائرین کے لیے اور دوسرا غیر ملکی زائرین کے لیے۔ اس میں پورے ایک ہزار کمرے ہیں۔ دربار کے اندر آئیں تو مسجد اور روضہ مبارک پر آتا ہے۔ مسجد درمیانی ہے اوپر خوبصورت سفید رنگ کا بڑا گنبد ہے جس پر بڑی عمدہ مینا کاری اور کاشی کاری کا کام ہے۔ مسجد کے بالکل ساتھ دربار پاک ہے جس میں ایک وقت میں زیادہ لوگوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مسجد کے ساتھ بائیں جانب روضہ کی بارہ دری عمارت ہے۔ ہر دروازہ اپنی بناوٹ میں فن پارہ اور نقاشی کا نمونہ ہے۔ تیسرے دروازے سے گزر کر آپ کے مزار پر حاضری ہوتی ہے۔

مسجد میں داخل ہوں تو روضے کی عمارت سامنے سے نظر آتی ہے۔ پہلے ایک کھلا ہال پڑتا ہے اس کے عین درمیان روضہ ہے جو تیس فٹ چوڑا اور تیس فٹ لمبا ہے اس کے ایک

1۔ اے زائر! جب زندگی کی راہیں تیرے لیے تنگ ہو جائیں کہ تو کسی مصیبت اور پریشانی میں پڑ جائے تو ہمارے در پر آ کر کھڑے ہو جانا تو ذوالمعارج، اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے قدر و منزلت کی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ تو نے دیکھا نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم پر نعمتوں کی بخشش کی ہے اور ہمیں آنے والے حاجت مندوں کی حاجات پوری کرنے پر مقرر کر رکھا ہے۔

طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں ہوتی ہیں۔ درمیان میں آڑ اور پردہ ہے۔ بڑے کمرے کے اندر مزید ایک چھوٹا حجرہ نما کمرہ ہے جہاں آپ کی قبر کا تعویذ ہے۔ یہ کوئی پانچ فٹ اونچی ہوگی اوپر سبز چادریں پڑی ہوتی ہیں۔ اندرونی دیواروں پر بڑی نفاست کا شیشے کا کام ہے۔ چھت میں بہت بڑا فانوس ہے، روضے کی جالی پاکستان میں تیار ہوئی ہے۔

آج جہاں مزار ہے اس جگہ پہلے مدرسہ تھا جس میں آپ نے پڑھا بھی اور اپنے وصال تک پڑھایا بھی۔ روضے کے گرد جالی منقش اور خالص چاندی کی ہے کوئی بارہ فٹ اونچی ہے۔ یہ ایک کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہوئی ہے کچھ پاکستانی عقیدت مندوں کی طرف سے پیران پیر کے حضور نذرانہ تھا۔ قبر کا تعویذ زمین سے بلند ہے خوبصورت سبز منقش ریشمی چادروں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ سرہانے سبز عمامہ آراستہ ہے جو کوئی فٹ بلند ہے، پائنتی کی جانب جالی کا دروازہ ہے جو بند رہتا ہے۔ قریب کھڑے ہوں تو کوئی خاص قسم کی مشک و عنبر کی مہک زائر کو مسحور کرتی ہے۔ روضے کی دیواروں اور جالی کے درمیان سات فٹ کا فاصلہ ہے۔ مرمریں فرش پر اعلیٰ قسم کے قالین بچھے ہوئے ہیں۔ دیواریں شیشے کے کام سے منقش ہیں گنبد کا اندر کا حصہ بہت دیدنی ہے۔ شیشے کا کوئی ایسا شاہکار کام ہے کہ اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ گنبد کی چھت اور چاروں کونوں میں لٹکے ہوئے بڑے فانوسوں کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

مسجد اور روضے سے متصل درگاہ کی دو منزلہ عمارت ہے جو وسیع احاطے میں ہے۔ نچلی منزل میں اس کے دو دروازے ہیں جو آمنے سامنے ہیں اور اطراف میں کمرے ہیں۔ صحن میں گھنٹہ گھر ہے اور ایک طرف لنگر خانہ ہے۔ دوسری منزل پر وسیع لائبریری ہے اور اس کے گوشے میں خطیب صاحب کا دفتر ہے۔ درگاہ کے بالمقابل ایک احاطہ ہے جہاں حضرت سجادہ نشین کا دفتر ہے۔

وضو کرنے اور نفل پڑھنے کی نیت سے ہم پہلے مسجد میں گئے۔ جونہی مسجد میں داخل ہوئے سپیکروں سے ظہر کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔ آواز نے ہمیں بڑا مسحور کیا۔ عربی لہجے

میں اذان کی اپنی ہی تاثیر تھی۔ پھر اذان کے بعد مؤذن نے بڑی دلسوزی سے پڑھا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدنا یا رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیبنا یا حبیب اللہ

یقین جانیے! درود وسلام سن کر بے ساختہ دل جھوم اٹھا روح وجد میں آ گئی کہ یہاں بھی لوگ پورے ذوق اور ولولے سے یارسول اللہ ﷺ کی صدا بلند کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ برصغیر پاک و ہند کے علمائے اہلسنت کی ایجاد و اختراع ہے۔ یہاں پتا چلا کہ عراق، شام، مصر وغیرہ سب میں درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ صرف سعودی عرب میں پڑھنے پر پابندی ہے جس کی وجہ ان کی اپنی بدعقیدگی اور گمراہی ہی ہو سکتی ہے۔

حالات کی وجہ سے مزار شریف کا دروازہ مقفل تھا۔ سو مسجد میں چلے گئے۔ ہم نے مسجد میں پہلے تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے پھر باجماعت نماز ظہر ادا کی۔ امام صاحب سے مصافحہ کیا امام صاحب کو سلام کرنے کے بعد ہم انچارج دربار کی خدمت میں حاضر ہوئے انہیں اپنا تعارف کرایا اور مزار شریف پر حاضری کی خواہش ظاہر کی وہ بڑی محبت اور احترام سے پیش آئے ہم پر خاص مہربانی فرمائی فوراً اندر کا دروازہ کھلا دیا۔ دروازہ کھلا تو روضے کی جالیاں سامنے تھیں۔ جیسے ہی نگاہ پڑی نظروں نے بے ساختہ طواف کرنا شروع کر دیا۔ دل لرزنے لگا آہستہ آہستہ ڈرتے ڈرتے در جاناں کی طرف بڑھا۔ قدم تھے کہ سرکار کی ہیبت وجلالت سے اٹھ نہیں رہے تھے۔ آنکھیں تھیں کہ بچھی جا رہی تھی عجب کیفیت طاری تھی۔ بے ساختہ سرکار کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا۔ لبوں سے بوسہ دیا اٹھا اور السلام علیکم کہہ کر اندر قدم رکھا۔ جونہی اندر گیا۔ تصورات کا ایک تانتا بندھ گیا۔ مجھے یقین نہ آئے کہ میں بارگاہ غوثیت مآب میں کھڑا ہوں۔ شہنشاہ ولایت کے حضور حاضر ہوں۔ ایک دن میں یوں پیران پیر کے مزار پر حاضری دوں گا۔ گیارہویں والے پیر کے دربار کی زیارت ہوگی۔ یہ تصور کرتے ہوئے اپنے نصیب پر رشک آنے لگا کہ اس عظیم ہستی کی درگاہ پہ آنا لکھا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ سا گنہگار.....

عصیاں شعار.....

سیہ کار..... ایک دن

شہنشاہ ولایت کے دربار گوہر بار پر.....

آفتاب معرفت کے مزار پرانوار پر.....

قبلہ حاجات کی بارگاہ بیکس پناہ میں..... حاضر ہوگا۔ تاجدار گولڑہ حضور پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں ؎

گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

اللہ تعالیٰ کا یہ لطف وکرم..... فضل واحسان..... رحمت وعنایت..... جو اس نے اپنے اس کمزور وناتواں..... بے ہنر و بے عمل..... سست وکاہل..... غافل ولاپروا..... بندے پر فرمائی۔

دیکھ کر سر نیاز احساس تشکر وامتنان سے اس کی بارگاہ میں جھک گیا۔ آنکھوں سے فرط جذبات میں اشکوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ بے خودی میں پائنتی کی طرف کھڑا ہوا قدم بوسی کی، پیشانی تھی کہ شوق وارفتگی میں آستان پر خم ہوتی چلی گئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں عرض کی ؎

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی اے وہ! کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا(1)

آپ کے آستاں رفعت نشاں پر تو

حصول برکت کے لیے.....

اکتساب فیض کے لیے.....

حکمت ومعرفت کا درس لینے کے لیے.....

تصوف وحقیقت کا سبق پڑھنے کے لیے..... اور

علم ودانش کے موتی چننے کے لیے.....

1۔ امام احمد رضا، حدائق بخشش

وقت کے بڑے بڑے ولی، صوفی، عارف، اوتاد، ابدال اور اقطاب حاضر ہوئے، آپ کی آستاں بوسی کی آپ کی محبت کو حرز جاں اور آپ کے در کی خاک کو سرمہ چشماں بنایا۔ بقول حافظ شیرازی

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ کہ صاحب نظراں خواہد بود(1)

سلطان الہند خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں

گویم ز کمال تو چہ غوث الثقلینا
محبوب خدا ابن حسین آل حسینا
سرور قدمت جملہ نہادند وبگفتند
تا اللہ لقد اثرک اللہ علینا
ما عاجز و حیران بماندیم و بگر داب
لا تخلص إلا بک باللہ لدینا
ماتشنہ چو ماہی ہمہ در دشت فتادیم
اے ابر کرم بار تو بشتاب إلینا(2)

میں تو ایک ناکارہ انسان ہوں۔ میرے دامن میں کوئی مجاہدے اور چلے نہیں، میرے پاس عبادت و ریاضت کی کوئی پونجی نہیں، میرے ہاتھ میں اوراد و وظائف کی کوئی پوٹلی نہیں جس پر میں نازاں ہوں۔ مجھے صرف آپ کی نسبت اور تعلق پر مان ہے، مجھے آپ سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے جو مجھے پاکستان سے کشاں کشاں یہاں آپ کے مزار پر انوار لے آئی ہے۔ میرے نصیبے کو اونچا کیا ہے، مجھے آپ سے اپنی محبت کے اظہار کا موقع دیا ہے۔

1۔ زمین پر تیرے قدموں کے نشان کیا پڑے کہ برسوں سے صاحبان نظر کی سجدہ گاہ بنے ہوئے ہیں۔
2۔ غوث الثقلین! میں آپ کے کمالات کے بارے کیا کہوں، آپ محبوب خدا، ابن حسین اور آل حسین ہیں۔ جملہ اولیاء نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے۔

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا(1)

پھر سرہانے کی جانب تھوڑے فاصلہ پر کھڑا ہوا اور آپ کے روئے انور کی طرف منہ کر کے دست بستہ سلام عرض کیا:

السلام علیک یا غوث الثقلین

السلام علیک یا ابن رسول اللہ السلام یا من قدمک علی رقبۃ کل ولی اللہ السلام علیک یا امام الاولیاء السلام علیک یا سید الاصفیاء

بے ساختہ زبان پر اعلیٰ حضرت کے قصیدے کا یہ شعر جاری ہو گیا:

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع جو میرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا(2)

سلام کے بعد بیٹھ کر قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کی، درود سلام پڑھا اور آپ کی روح پاک کی خدمت میں پیش کیا۔ برستی آنکھوں اور کپکپاتے بدن کے ساتھ لرزتے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے محبوب کریم پر ہدیہ درود و سلام کے بعد بارگاہ غوثیت مآب میں بڑی رقت آمیزی اور دردانگیزی سے عرض کی۔ رقت اور وجدان کا عجیب کیف زا عالم تھا۔

"اے محبوب سبحانی! غوث صمدانی! قطب ربانی!

اے غوث الثقلین!

آج ایک سیہ کار، ناکارہ غلام آپ کی بارگاہ میں دست طلب دراز کیے حاضر ہے اور آپ کے پاس اپنا خالی دامن لیے آیا ہے۔ اپنی عنایات خسروانہ سے کوئی خیرات اپنے اس نیاز مند کی جھولی میں ڈال دیں۔ کوئی نظر کرم اپنے اس خادم پر فرما دیں۔ کوئی نگاہ التفات اپنے اس ماننے والے کی طرف کر دیں۔

آپ کی ذات تو وہ لجپال ہے کہ کوئی رہزن دامن تھام لے تو وہ قطب بن جاتا ہے۔ آپ کی بارگاہ تو وہ بے کس پناہ ہے کہ کوئی چور آ جائے تو وہ ابدال بن کر باہر آتا ہے۔ آپ تو

1۔ حدائق بخشش 2۔ ایضاً

معرفت کا نور بانٹتے ہیں۔ معرفت کی شراب کے جام لنڈھاتے ہیں۔ حقیقت کی راہوں سے آشنا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاتے ہیں۔

اے غوث الورٰی، اے مظہر نور خدا! اے پیر پیراں! اے میر میراں! اک نگاہ کرم اپنے اس غلام پر بھی ہو جائے کہ اسے بھی نور معرفت نصیب ہو۔

اپنے ابر کرم کے چند چھینٹے ادھر بھی کہ دل کی زمین بڑی بنجر ہے شاید آپ کی نگاہ اور توجہ کی برکت سے معرفت سے سیراب ہو جائے۔ شراب معرفت کا ایک جرعہ ہی مل جائے کہ ہماری پیاسی روح کو بھی مستی و سرشاری حاصل ہو جائے۔

اپنی ایک نظر التفات ڈالیے کہ دل پر گناہوں کا بڑا زنگ ہے اس سے وہ سیاہ ہو چکا ہے ایسی نگاہ کیمیا ڈالیے کہ اس کا سارا زنگ دھل جائے اور دل روشن اور مصفا ہو جائے۔

آپ نے ہزاروں، سیہ کاروں کی سیاہی کو دور کیا ہے، بدکرداروں کو باکردار بنایا ہے۔ مجرموں کو نیکوکار اور گمراہوں کو رہنما بنایا ہے۔

ہم بھی آج آپ سے التجا کرتے ہیں۔ ہماری اندر کی سیاہی کو دور فرما دیں۔ ہمیں بھی کردار کا حسن عطا فرمایئے اور نیکی کا نور بخشیے تا کہ ہم بھی صحیح طور پر دوسروں کی کوئی رہنمائی کر سکیں۔

آپ کے شہر اور ملک پر اغیار نے قیامت ڈھا رکھی ہے اس وقت آپ کے شہر کے باسی سخت مشکل میں ہیں۔ حالات کی گردش کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ہمیں آپ کی نسبت سے ان سے بڑا پیار ہے۔ ان سے بڑی محبت اور الفت ہے اس مشکل کی گھڑی میں ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں معذور اور مجبور جان کر معاف فرمایئے گا لیکن ہم ان کی اشک شوئی کے لیے ضرور آئے ہیں۔ ان کا درد بانٹنے آئے ہیں، پاکستان سے ان کے لیے اپنی محبت اور عقیدت کی کچھ سوغات لے کر آئے ہیں۔ اسے آپ قبول فرمایئے گا۔ ہم سے جو کچھ آپ کے شہر اور اس کے باسیوں کے لیے ممکن ہو سکا وہ ہم لے کر آپ کی بارگاہ میں آ گئے ہیں آپ اسے منظور فرمائیں۔ میری والدہ محترمہ کی طرف سے، میرے بھائیوں کی

طرف سے، میرے دوستوں کی طرف سے، میری طرف سے اسے قبول کریں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہمارے لیے سفارش کیجئے کہ وہ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارے لیے اس ساری کاوش کو ذریعہ نجات اور وسیلہ بخشش بنائے"۔

حاضری کے بعد ہم دربار سے باہر آئے۔ انچارج دربار نے ہمیں لنگر غوثیہ کی دعوت دی۔ میرے صحافی دوست بھی کہنے لگے۔ شاہ صاحب! اگر ہم دربار غوثیہ پر آ کر لنگر غوثیہ نہ کھائیں تو یہ اپنی بھی کم نصیبی ہوگی اور سرکار غوث پاک کے لنگر سے بھی بے رخی ہوگی۔ اس برکت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم لنگر خانے گئے اور وہاں لنگر غوثیہ سے کام و دہن کی لذت و تسکین کا سامان کیا۔ لنگر خانے کے انچارج نے ہماری خصوصی تواضع کی۔ کھانے میں دنبے کا گوشت اور چاول تھے۔ کھانا بڑا لذیز اور مزیدار تھا۔

لنگر غوثیہ کوئی معمولی لنگر نہیں۔ یہ تو وہ بابرکت لنگر ہے جسے کھانا بڑے بڑے مشائخ سعادت سمجھتے ہیں اور اولیائے کرام قرب خداوندی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت حدائق بخشش میں فرماتے ہیں:

یا رب قرصے زخواں عبدالقادر
داریم حقے بنان عبدالقادر
ای نسبت بس کہ ما عاجزاں اویم
رحمے بر عاجزاں عبدالقادر(1)

مزے کی بات یہ تھی کہ امریکی جارحیت کی وجہ سے عراق کا پورا کاروبار زندگی معطل تھا۔ ہر طرف معاشی بدحالی چھائی ہوئی تھی، پورا نظام تباہ تھا لیکن ان حالات میں بھی لنگر غوثیہ اپنی شان و شوکت سے جاری تھا اور زائرین تبرک حاصل کر رہے تھے۔

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا(2)

1۔ حدائق بخشش: رب کریم! شیخ عبدالقادر کے خوان کرم سے ہمیں کچھ نصیب فرما۔ ہم بھی ان کے لنگر کے حق دار ہیں، اے شیخ ہم آپ سے نسبت رکھتے ہیں ہم پر بھی مہربانی فرمائیں۔ 2۔ ایضاً

لنگر کھانے کے بعد ہم سجادہ نشین دربار غوثیہ حضرت نقیب الاشراف کی خدمت میں دعا وسلام کے لیے ان کے دفتر حاضر ہوئے۔ بڑی محبت سے ہمارے ساتھ پیش آئے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے گزارش کی:

''ہم پاکستان سے اپنے عراقی بھائیوں کی خدمت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آج شام ہمارے ٹرک سامان لے کر پہنچ جائیں گے ہم کچھ سامان حضور غوث پاک کے دربار عالیہ کے احاطے میں بھی تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم دربار غوثیہ کے زائرین اور باسیوں میں بھی اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کریں آپ مہربانی فرمائیں ایک تو ہمیں یہاں تقسیم کرنے کی اجازت فرمائیں اور دوسرا اپنے ہاتھوں سے تقسیم فرمائیں یہ ہمارے لیے بڑی سعادت اور اعزاز کی بات ہوگی''۔

انہوں نے کمال مہربانی فرمائی اور میری درخواست قبول فرمائی اور وعدہ فرمایا۔

''کل جب آپ سامان لے کر آئیں گے آپ کو میرا اور میرے عملے کا پورا تعاون حاصل ہوگا۔ اس بارے آپ ذرا پریشان نہ ہوں۔ یہ تو بڑی نیکی کا کام ہے ہم بھی ضرور اس کار خیر میں شریک ہوں گے۔ ویسے بھی آپ پاکستان سے اتنی الفت اور محبت سے ہمارے دکھ درد کو بانٹنے آئے ہیں ہمارا فرض بنتا ہے کہ آپ کے جذبے کی قدر کریں اور فرض میزبانی ادا کریں۔ میں آپ کے ساتھ پوری معاونت کروں گا۔ ان شاء اللہ''۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر حاضری کے بعد ہماری اگلی منزل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری تھی۔ آپ کا مزار پرانے بغداد کے علاقے اعظمیہ میں ہے جو آپ کے لقب ''امام اعظم'' کی نسبت سے اعظمیہ کہلاتا ہے۔ دجلہ کا پل کراس کرتے ہی اعظمیہ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے جہاں عالم اسلام کے بطل جلیل اور سپوت، امت محمدیہ کے عظیم فقیہ اور مقنن آسودہ خواب ہیں۔

مزار بڑا کشادہ ہے۔ اس سے متصل شاندار خانقاہ ہے۔ مزار سے ہی ملحق مسجد ہے جو

بغداد کی ایک بڑی مسجد ہے اس کے ساتھ ہی جامعہ حنیفہ ہے۔ خانقاہ کے اردگرد وسیع وعریض حسین چار دیواری ہے جس کا صدر گیٹ بڑا آراستہ ہے اس کے اندر ایک اور لوہے کا گیٹ ہے اس پر سورۃ رحمٰن کی آیات: ''الرحمن علّم القرآن'' بڑی خوبصورتی سے کندہ ہیں۔

سامنے ایک چوکور مینار نظر آتا ہے جو آرائش وزیبائش کا نمونہ ہے اس پر بڑی عمدہ اور شاندار نقاشی کی گئی ہے۔ کچھ آگے بڑھیں تو مسجد کا دروازہ آجاتا ہے جس کے ایک گوشے میں حضرت امام اعظم، فقہ ومعرفت کے تاجدار محو استراحت ہیں۔

مسجد بڑی خوبصورت اور دیدہ زیب ہے، نہایت وسیع وعریض، خوبصورت قالینوں سے آراستہ، رنگ رنگ کے قمقموں، بلبوں اور فانوسوں سے مزین، منقش دیواریں، شاہکار محراب اور منبر خوبصورتی اور کاریگری کے نمونے ہیں اور مکمل ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ مزار کا گنبد خوبصورت اور منقش ہے اندر بڑے قرینے سے آئینہ کاری کی گئی ہے۔ قریباً گیارہ فٹ بلند خالص چاندی کی دیدہ زیب منقش جالی ہے۔ اس کے اندر شیشہ لگا ہوا ہے جس سے قبر کا تعویذ صاف نظر آتا ہے۔

بمباری سے آپ کے مزار کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ آپ کے مزار کی مسجد کا مینار ٹوٹا ہوا تھا۔ یہ ظالم اور غاصب ہمارے مقدس مقامات کو بھی اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے سے باز نہ آئے اور جہاں ان کا بس چلا اندھا دھند بمباری کر دی یہ دیکھے بغیر کہ ان کا نشانہ شہری آبادی ہے یا کوئی مقدس مقام۔

مزار شریف کے دو دروازے ہیں، ایک مسجد کی طرف اور دوسرا پائنتی کی جانب کھلتا ہے اندر بارہ دری ہے اور یہ بھی خوبصورت قالینوں سے آراستہ ہے۔ اس کے آگے پھر ایک دروازہ ہے جس کی پیشانی پر ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' تحریر ہے اس سے گزرتے ہی آپ کے مرقد انوار کی چمکتی جالیاں باصرہ نواز ہوتی ہیں۔

ہم نے پہلے مسجد میں تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے پھر بے تاب روح، بے قرار دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ میں اس عظیم ہستی کے مرقد پر حاضر ہوا جس کی حاضری کو حضرت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث اور فقیہ ہر حاجت کے لیے اکسیر قرار دیتے ہیں۔ مجھے خود پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں ناکارہ اس وقت

"اسلام کے عظیم سپوت،

امت محمدیہ کے بطل جلیل،

ملت اسلامیہ کے بڑے فقیہ اور مقنن،

امت مسلمہ کے عظیم محسن، جس نے اپنے علم و دانش، قیاس و اجتہاد، فہم و فراست اور بصیرت و فقاہت سے کام لے کر قانون اسلامی کی تعبیر اور شرع محمدی کی تدوین کی۔

فقہاء، علماء اور ائمہ جس کے دربار گوہر بار کے دریوزہ گر ہیں۔

بڑے بڑے اساطین علم و فن کی گردنیں جس کی بارگاہ پر جاوپر خم ہیں۔

جو حکمت و معرفت کے کوہ ہمالہ ہیں۔ فقہ و شریعت کے ہی نہیں طریقت و حقیقت کے بھی کوہ گراں ہیں۔

نصف سے زیادہ مسلم دنیا کے امام اور مقتداء ہیں"۔

کے حضور کھڑا ہوں۔ کہاں میں ذرہ بے مقدار، کہاں یہ صاحب کردار، کہاں مجھ سا ادنیٰ طالب علم! کہاں یہ عظیم و جلیل معلم، کہاں مجھ سا سراپا معصیت اور کہاں یہ پیکر طہارت و عفت، بے ساختہ زبان پر آیا:

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

چنانچہ لرزتے ہاتھوں اور کانپتے ہونٹوں سے آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا:

السلام علیک یا سیدنا الإمام الأعظم

السلام علیک یا فقیهنا الأکرام

زبان سے سلام کے کلمات ادا کرنے تھے کہ بدن پر عجب رقت طاری ہو گئی، روح کو ایک عجیب سکون اور دل کو سرور نصیب ہوا۔ ایسے لگا جیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کوئی گھنگور گھٹا اتر آئی ہے اور اس کے نور کے ہالے نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا ہے۔ اور یوں محسوس

ہوا کہ صاحب مزار اپنی خاص نظر اور توجہ فرما رہے ہیں۔ اسی کیف زا اور روح پرور عالم میں قرآن پاک کی تلاوت کی اور درود و سلام پڑھا پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر یوں التجا کی:

"اے بار الٰہ! اپنے اس نیک، مقبول اور برگزیدہ بندے کے طفیل جس کے شب و روز تیرے دین کی خدمت میں گزرے، ہمارے حال پر رحم فرما، ہماری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگزر فرما، ہمیں اغیار کی غلامی اور ان کے ہاتھوں رسوائی سے بچانا، عالم اسلام کو بیداری عطا فرما، میرے وطن پاکستان اور اس کے باسیوں کو سلامتی عطا فرما، ان کے حال پر کرم فرما۔ ہمیں اپنے اس بندے کے قدموں کے صدقے علم و عمل کی توفیق بخش۔ تقویٰ اور ورع کی دولت سے نواز۔ دین کا صحیح فہم، شریعت کی حقیقی سمجھ، ایمان کی سلامتی، اخلاق کی بلندی اور کفر کے مقابلے میں ہمت، جرأت اور استقامت نصیب فرما۔ ہمیں اپنے اس بندے کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اے حکمت و معرفت کے بادشاہ! اے علم و دانش کے تاجور! اے عفت و طہارت کے پیکر، اے تقویٰ و خلق کے مرقع، اے عمل و کردار کے بحر بیکراں! اور اے سراپا فیض و عطا!

اک بے نوا گدا سراپا التجا ہے آپ کی ایک نظر کرم کا منتظر ہے، للہ ایک نظر ادھر بھی، اپنے فیض کا ایک جرعہ، اپنے کرم کا ایک چھینٹا، اپنی عطا کا ایک ذرہ ادھر بھی میرا بھی خالی دامن بھر دیجئے، میرا سویا نصیب بھی جگا دیجئے میری عقیدت و محبت اور الفت کا بھی بھرم رکھ لیجئے، میری نسبت کو بھی قبول فرما لیجئے"۔

آپ کے مزار پر دعا مانگنے سے ایسا روحانی سکون ملا کہ بیان سے باہر ہے۔ کیف و سرور کا ایسا سماں بندھا کہ ذرا ہوش نہ رہا۔ دماغ، دل اور روح طمانیت کی دولت سے بھر گئے۔ طبیعت سکون سے سرشار ہو گئی۔

کوئی ایسا کیف طاری ہوا کہ میں ماضی میں کھو گیا اور تصور میں کوفہ پہنچ گیا جو کسی زمانے میں علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے اور فقہ و تصوف کا سرچشمہ، جہاں 80ھ میں حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثابت کے گھر جنم لیا اور عالم گیتی میں تشریف لائے۔ آپ ایران کے بادشاہ نوشیروان عادل کی اولاد میں سے ہیں اور نوشیروان حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ اس طرح آپ کی خاندانی نسبت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملتی ہے جو آپ کی عظمت و رفعت کی دلیل ہے۔(1)

نبوت اور صحابیت کے بعد جس قدر کمالات، محاسن اور فضائل کسی انسان میں پائے جا سکتے ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم و اکمل موجود تھے آپ ان جملہ محامد و مناقب کے جامع تھے۔ آپ بلاشبہ امام الآئمہ، سراج الامت، رئیس الفقہاء، سید الاتقیاء، استاذ المجتہدین، سند المحدثین، بشارت مصطفیٰ ﷺ اور دعائے مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ملت اسلامیہ کے رہبر و رہنما تھے۔ فیاض ازل نے بڑی فیاضی سے آپ کو فہم و ذکا، بصیرت و فراست، ذہانت و فطانت، حفظ و ضبط، فصاحت و بلاغت، حکمت و تدبر کی دولت سے نوازا اور اقلیم زبان و بیان کی سروری اور آسمان قلم و لسان کی شہبازی بخشی تھی۔ اسلامی و عربی علوم میں تو آپ کی مہارت مسلم ہے فقہی استنباط، قیاس، اصول اور فروع شرعیہ میں بھی آپ کا تبحر لاجواب تھا۔ بڑے بڑے فقیہ اور محدث آپ کے منبع علم و حکمت سے دانش کے موتی چنتے نظر آتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من لم ينظر فى كتب أبى حنيفة لا يتبحر فى الفقه

''جو جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتا اسے فقہ میں تبحر حاصل نہیں ہو سکتا''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کبھی فرط جذبات میں آپ کے کمالات کا یوں اظہار فرماتے:

من أراد أن يعرف الفقه فليزم أبا حنيفة و أصحابه فإن الناس كلهم عيال عليه فى الفقه

''جو فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

1۔ مولانا گل محمد، شرح تحفہ نصائح

علیہ اور آپ کے اصحاب کی صحبت اختیار کرے اس لیے کہ فقہ میں سب لوگ آپ سے کسب فیض کرنے میں آپ کے محتاج ہیں''۔(1)

مشہور محدث عبداللہ بن داؤد خریبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نمازوں میں دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے ان کے واسطے سنن اور فقہ کی حفاظت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اعمال و عبادات ہی سنن ہیں جن کا بیان صحیح طور پر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے''۔(2)

آپ کا اسم گرامی نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم، سراج الامہ اور امام الآئمہ تھا۔ آباء و اجداد فارس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد گرامی حضرت ثابت بچپن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور زیارت کا شرف پایا آپ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپ نے سورت کی تیسری آیت: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:3) تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! یہ ''آخرین'' کون لوگ ہیں؟ جنہیں آپ کا زمانہ نہ پانے کے باوجود فیضان نبوت نصیب ہوگا۔

آپ نے سکوت فرمایا، حاضرین نے بار دیگر پوچھا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر اپنا دست اقدس رکھ کر فرمایا:

لو كان الإيمان عند الثريا لنالته رجال من هؤلاء

''اگر ایمان (علم) ثریا جیسے بلند ستارے کے پاس بھی ہو تو ان کے رجال کار اسے

1۔ ابوالمؤید الموفق، مناقب الامام الاعظم
2۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی، سوانح امام اعظم ابوحنیفہ

تلاش کرلائیں گے"۔(1)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے کہ اہل فارس میں کوئی بھی آپ کے بلند مرتبہ علم کو نہ پہنچ سکا"۔(2)

نیز اس میں نبی کریم ﷺ کے معجزے کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اس کے بعد امام صاحب کے اہل فارس میں ہونے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

مشہور محدث حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا:

"ایک رات مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے موقع کی مناسبت سے عرض کی:

"یارسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ میری اس عرضداشت پر آپ نے فرمایا:

عند علم أبی حنیفه (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے پاس)(3)

اس لیے کہ آپ ہی علم نبوت کے صحیح ترجمان اور وراثت رسالت کے نگہبان تھے۔

آپ کو فیضان نبوت سے حظ وافر ملا تھا، رسالت مآب ﷺ کا آپ پر خصوصی کرم اور نگاہ عنایت تھی۔ ایک دفعہ جبریل امین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت کے بارے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر حکمت بخشی تھی کہ اگر وہ چاہتے تو غلہ کے کسی ڈھیر کے ہر دانے کے بدلے حکمت بیان کر سکتے تھے۔

جبریل امین کی زبان سے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت کی تعریف سن کر آپ کے قلب اطہر میں رشک پیدا ہوا کہ جناب داؤد علیہ السلام کی امت میں لقمان جیسے حکیم و دانا گزرے ہیں۔ کچھ دیر بعد حضرت جبریل علیہ السلام پھر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: داؤد کی امت میں لقمان تھا جو ہر دانے پر دانائی اور حکمت کی بات

1۔صحیح بخاری و مسلم، سنن ترمذی
2۔حافظ سیوطی، تبییض الصحیفہ
3۔شیخ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب

کر سکتا تھا۔ آپ کی امت میں نعمان ہوگا جو ہر دانے پر مسائل اور ان کا حل بیان کرے گا"۔

یہ بشارت سن کر آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور انہیں حکم دیا:

"یہ تمہارے پاس امانت ہے اسے ابوحنیفہ تک پہنچا دینا"(1)

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں شام میں موذن رسول سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار انور کے پاس سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ سرکار ﷺ باب ابی شیبہ سے مسجد حرام میں تشریف لا رہے ہیں آپ نے ایک معمر شخص کو بچوں کی طرح نہایت شفقت و محبت سے اپنے پہلوئے اقدس میں لیا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی میں فرط محبت سے دوڑا اور سرکار کے پائے اقدس کو چومنے لگا دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ خوش نصیب، بلند اقبال کون ہے؟ جسے سرکار نے اپنے سینہ اقدس سے چمٹایا ہوا ہے۔ آپ میرے دل میں آنے والے خیال کو تاڑ گئے خود ہی فرمایا:

"یہ تیرے اور تیرے علاقے کے لوگوں کے امام ابوحنیفہ ہیں"۔(2)

آپ کا نام نعمان بھی بڑا پر حکمت ہے۔ ابن حجر ہیتمی نے فرمایا:

"نعمان لغت میں خون کو کہا جاتا ہے جیسے خون سے بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس پر اس کی پوری مشینری کا انحصار ہوتا ہے ایسے ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اسلام کے دستور، نظام اور تشریع کے لیے محور اور عقائد، عبادات اور معاملات کے جملہ احکام کے لیے روح رواں کا درجہ رکھتی ہے۔

نعمان خوشبودار گھاس کو بھی کہتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قیاس و اجتہاد اور علمی و

1۔شاہ محمد حسن سابری رام پوری، تواریخ آئینہ تصوف
2۔کشف المحجوب

فکری استنباط سے پورا عالم فقہ اسلامی اور شرع محمدی کی خوشبو سے مہک اٹھا۔(1)

اسلام میں صحابیت کے بعد دوسرا بڑا رتبہ تابعیت کا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ چنانچہ آئمہ اربعہ میں یہ عالی رتبہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آیا ہے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے:

''آپ بیس سے زیادہ صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے اور کئی ایک کی زیارت کی ہے اور بعض سے حدیث سنی ہے۔(2)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا جو کوفہ میں تشریف رکھتے تھے اس طرح امام اعظم ارشاد نبوی ﷺ طوبیٰ لمن رآنی ولمن رأی من رآنی (مبارک ہو اسے جس نے مجھے دیکھا اور اس نے جس نے مجھ دیکھنے والے کو دیکھا) کے مصداق ہیں''۔(3)

آپ کی آٹھ سے زائد صحابہ کرام سے ملاقات ثابت ہے۔ آپ انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، عمرو بن حریث، عبداللہ بن انیس، ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی، عبداللہ بن جزء زبیدی، جابر بن عبداللہ، معقل بن یسار، واثلہ بن اسقع اور عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

جناب اسد بن عمر بیان کرتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال، افعال و خصال کی پیروی کریں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے افضل، سب سے اعلم، سب سے افقہ، سب سے اورع، سب سے اتقی، سب سے اعبد، سب سے ازہد، سب سے اسخا اور سب سے اجود تھے۔ اسی طرح ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سب سے زائد اعلم، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ کئی اور سب

1۔ابن حجر آتمی، الخیرات الحسان 2۔سوانح امام اعظم ابوحنیفہ 3۔ایضاً

سے زیادہ دینے والے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکہ میں ایک دکان تھی وہاں کپڑا فروخت کرتے تھے حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا اتباع کیا اور کپڑے کی ہی تجارت کی''۔(1)

آپ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ، اتباع سنت اور عبادت و ریاضت سے عبارت تھی۔ دن دین کی تعلیم دیتے گزرتا اور رات رب کی یاد میں مصلے پر بسر ہوتی۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔ تیس سال تک روزانہ ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرنے کا معمول رہا۔ جب مکہ مکرمہ میں جاتے تو رات بھر طواف کرتے رہتے۔ ہر رات ایک قرآن ختم کرنا آپ کا وظیفہ تھا۔ پورے رمضان مبارک میں کئی قرآن ختم کرتے ایک قرآن دن میں ایک رات میں ایک تراویح میں اور ایک عید کے روز۔ جس جگہ آپ کا مزار ہے یہاں آپ نے سات ہزار قرآن ختم کیے۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ ظہر سے پہلے بیٹھے بیٹھے چند گھڑیوں کے لیے سوتے تھے۔

سفیان بن عیینہ کے بقول: ''ہمارے زمانے میں کوئی شخص ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا مکہ میں نہیں آیا''۔

ابومطیع کا بیان ہے: ''مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران جب بھی رات میں طواف کرنے کے واسطے بیت اللہ شریف گیا حضرت ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کو طواف کرتے پایا''۔

حضرت یحییٰ بن ایوب زاہد کا قول ہے: ''آپ رات کو سویا نہیں کرتے تھے''۔(2)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

''میں نے اہل کوفہ سے پوچھا، یہاں سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ابوحنیفہ۔ واقعی میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی پارسا نہیں دیکھا''۔(3)

اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے خوف اور خشیت کا یہ عالم تھا کہ پوری

1۔سوانح امام اعظم ابوحنیفہ 2۔ایضاً 3۔ایضاً

رات آہ و بکا اور گریہ وزاری میں گزار دیتے۔ بسا اوقات تو یہ کیفیت اتنی شدت اختیار کر جاتی کہ پڑوسیوں کو آواز سن کر ترس آنے لگتا۔

یحییٰ بن قطان فرماتے ہیں: ''ایک روز آیت کریمہ: ''بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر'' کی تلاوت فرما رہے تھے قیامت کے ذکر اور اس کی ہولناکی کے تصور سے دھاڑیں مار کر روئے اور پوری رات یہی آیت بار بار دہراتے رہے''۔

ایک دفعہ سورۃ الھکم التکاثر پڑھی تو پھر اسے ہی خوف خدا سے بار بار پوری رات پڑھتے رہے۔

آپ بڑے حلیم، بردبار اور متحمل مزاج تھے۔ صابر و شاکر تھے، قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ ہمدرد اور غمخوار تھے کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھتے تو تڑپ جاتے۔ مضبوط اور قوی اعصاب کے مالک تھے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ حقوق العباد کی پاسداری میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ کشادہ ذہن، فراخ دل اور فیاض دل تھے۔

آپ تصوف کے بھی شہنشاہ تھے۔ آپ طریقت میں حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ آپ نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک و طریقت کی تربیت دو سال میں حاصل کی۔ آپ نے فرمایا:

لولا السنتان لهلك النعمان (1) ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔

آپ نے سلوک و طریقت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے فقہ اسلامی کی تعبیر و تشریح کو اپنا نصب العین بنایا اور شریعت محمدی کی خدمت اپنی زندگی کا مقصود ٹھہرایا۔ چنانچہ آپ نے اپنی پوری زندگی امت محمدیہ کی خیر و بھلائی اور صلاح و فلاح میں تج دی۔ آپ نے قانون اسلامی اور شرع محمدی مرتب فرمائی۔ یہ آپ کا اخلاص، درد، تقویٰ اور ورع ہی تھا کہ ملت اسلامیہ کا تین چوتھائی حصہ آپ کے حلقہ بگوش ہوا اور فقہ حنفی کا پیرو بنا۔

1۔ سوانح امام اعظم ابوحنیفہ

آپ نے تراسی (83) ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے جس میں اڑتیس ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی کا تعلق معاملات سے ہے؟ گویا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہالت کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کے لیے سلامتی کی راہ واضح کر دی ہے۔(1)

آپ نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ احادیث ذکر کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے آثار صحابہ کا انتخاب کیا ہے۔

حافظ یزید بن ہارون سلمی نے فرمایا:

''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متقی، پرہیزگار روزہ دار، زبان کے سچے اور اپنے زمانے کے بڑے حافظ تھے۔ میں نے ان کے معاصرین کو دیکھا ان سب کا یہی قول ہے کہ انہوں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا''۔(2)

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کی ذہانت اور فطانت بخشی تھی۔ آپ نہایت زیرک، فطین اور صاحب بصیرت تھے۔ فہم و فراست کا تو کوئی جواب نہ تھا۔ فقہ حنفی اس پر شاہد عادل ہے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ ایک چٹکی سے حل کر دیتے آپ کے سامنے بڑے بڑے مجتہد اور فقیہ دم نہ مارتے۔ آپ کی برجستہ گوئی، حاضر جوابی سے دنگ رہ جاتے۔ بصیرت، تدبر اور اجتہاد دیکھ کر حیرت میں ڈوب جاتے۔

آپ جہاں علم و حکمت اور حقیقت و معرفت کے تاجدار تھے وہاں سیرت و اخلاق میں بھی باکردار تھے۔ دولت کی ریل پیل کے باوجود سادہ زندگی پسند کرتے تھے۔ معمولی غذا تناول فرماتے۔ مہینے میں ذاتی خوراک دو درہموں سے زیادہ نہ تھی۔ ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرماتے، گھر کو متاع دنیا سے خالی رکھا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو گھر سے عمر بھر کا اثاثہ صرف قرآن کریم نکلا آپ کی سب سے بڑی خوبی اور صفت یہ تھی کہ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا۔ مسلم بن سالم نے بیان کیا:

1۔ شیخ عبدالقادر، الجواہر المضیہ
2۔ شمس الدین محمد صالحی دمشقی: عقود الجمان

لم أر أحدا يوافق قوله فعله إلا أبو حنيفة (1)

''میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو سوائے جناب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کا قول ان کے عمل کے مطابق ہوتا ہے''۔

اہل حق کی طرح آپ کو بھی زندگی میں ابتلا و آزمائش میں سے گزرنا پڑا۔ مگر آپ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ نواسہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے عزیمت سے کام لیا اور ہر آزمائش کا پامردی سے مقابلہ کیا۔

اموی دور میں والی کوفہ ہبیرہ آپ سے کچھ سیاسی اختلاف کی وجہ سے پرخاش رکھتا تھا، اس نے آپ کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ آپ تنگ آ کر مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور بغداد چھوڑ دیا۔

عباسی دور میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے آپ کو قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ اصل میں آپ کو اپنے تابع رکھنا چاہتا تھا آپ نے اسے برملا کہہ دیا:

''میں گناہوں اور غلط کاموں میں تیرا معاون نہیں بن سکتا''۔

خلیفہ نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور آپ کو قید میں ڈال دیا۔ ہر روز آپ کو باہر نکال کر سر عام دس کوڑے لگائے جاتے اور بازار میں پا بہ جولاں پھرایا جاتا۔ مگر آپ اپنی بات پر ڈٹے رہے اور عہدہ قبول نہ کیا۔ اس اذیت رسانی کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ استقامت اور ہمت کا کوہ گراں ثابت ہوئے۔ آخر خلیفہ نے مجبور ہو کر آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور آپ ایک روز دوران نماز بحالت سجدہ اپنے خالق سے جا ملے۔

150ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ عمر مبارک اس وقت ستر سال تھی۔ جنازہ میں اتنا ہجوم خلق تھا کہ چھ مرتبہ نماز پڑھی گئی۔ آخری دفعہ آپ کے بیٹے حضرت حماد نے آپ کی نماز

1۔ مناقب الامام الاعظم

جنازہ پڑھائی۔

خیزران کے مقبرہ میں آپ کی تدفین ہوئی یہاں بھی بیس روز تک نماز پڑھی جاتی رہی۔

آپ کی عظمت شان اور رفعت کردار کے بارے میں مشہور حافظ حدیث عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب قصیدہ کہا ہے:

نقد زان البلاد ومن عليها إمام المسلمين أبو حنيفه
بأحكام وآثار و فقه كآيات الزبور على صحيفه
فما في المشرقين له نظير ولا في المغربين ولا بكوفه
يبيت مشمرا سهر الليالي وصام نهاره لله خيفه
فمن كابى حنيفة في علاه إمام للخليقه والخليفه
رأيت العالمين له سفاها خلاف الحق مع حجج ضعيفه
وكيف يحل أن يؤذى فقيه له في الأرض آثار شريفه
بعف عن الآثام والملاهي ومرضاة الإله له وظيفه
وقد قال ابن إدريس مقالا صحيح النقل في حكم لطيفه
بان الناس في فقه عيال على فقه الإمام أبي حنيفه(1)

(مسلمانوں کے امام جناب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شہروں اور اس کے باسیوں کو علم کی زینت بخشی۔

قرآن و حدیث اور فقہ کے احکام سے جیسے صحائف میں زبور کی آیات نے

آپ کی نظیر نہ تو مشرق میں ملتی ہے، نہ مغرب میں اور نہ ہی کوفہ میں

آپ بڑی مستعدی سے رات عبادت میں گزارتے اور دن کو خوف خدا سے روزہ رکھتے

میں نے ان کے عیب جوؤں کو دیکھا ہے، نادان، حق کے مخالف اور کمزور دلیلوں والے ہیں

1۔ قاضی حسین صیمری: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ

ایسا فقیہ، جس کے فیوض و برکات پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہوں، کو تکلیف پہنچانا کیونکر جائز ہے

آپ حرام امور اور لہو و لعب سے محفوظ رہے اور رضائے الٰہی کا حصول آپ کا وظیفہ حیات تھا

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے جو لطیف حکمتوں میں صحیح روایت ہے

کہ حقیقت میں تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ سے اکتساب فیض کے محتاج ہیں۔)

امام صاحب کے بارے بات کچھ زیادہ لمبی ہوگئی ہے۔ اس عقیدت اور محبت کے اظہار کی غرض صرف یہی تھی کہ میرا نام بھی آپ کے محبین کی فہرست میں شامل ہو جائے۔

أحب الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقني الصلاحا

''مجھے نیکوں سے محبت ہے جب کہ میں خود تو نیک نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ ان نیکوں سے محبت کے صدقے مجھے بھی نیک بنادے''۔

میجر سیمز سے مکالمہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا، ہمیں یہ احساس تک نہ ہوا کہ ہم یہاں کتنی دیر سے کیف و سرور کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ اٹھنے کو جی تو نہ چاہ رہا تھا۔ لیکن مجبوری تھی اس لیے آپ کے آستانہ سکون و راحت کو چھوڑنا پڑا۔ ہم نے پانچ بجے امریکی ہیڈ کوارٹر میں میجر سیمز سے ملاقات کرنا تھی۔ سو بادل نخواستہ مزار کی روحانی و نورانی فضا سے باہر نکلے اور اپنی منزل کا رخ کیا۔

ہیڈ کوارٹر روانہ ہوئے۔ اب کی بار انٹری پاس ہمارے پاس تھا اس نے بڑا جادو دکھایا بڑی آسانی سے ہیڈ کوارٹر کے اندر پہنچ گئے۔ اس دفعہ تلاشی اور تفتیش سے بچ گئے، پاس دکھاتے اور آگے جانے کا اشارہ مل جاتا۔ بہرحال جو کلفت پہلی دفعہ یہاں آتے وقت ہوئی تھی اس دفعہ اس سے دوچار نہ ہوئے اور عزت و آرام کے ساتھ ہیڈ کوارٹر کے اندر چلے

گئے۔ ہم سیدھے کرنل ابراہیم خلیلی کے دفتر گئے۔ ان سے ملے اور ان سے کہا کہ ہم وقت مقررہ پر دوبارہ حاضر ہوگئے ہیں۔ اب آپ ہمارا مسئلہ حل کر دیجئے۔ انہوں نے بتایا کہ میجر سیمز آگئے ہیں اور اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھے ہیں آپ ان سے مل لیں، آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ خود ہمیں میجر صاحب کے دفتر میں لے کر گئے۔ میجر صاحب اندر اپنی کرسی پر براجمان تھے۔ یہ اچھا ہوا کہ میجر صاحب موجود تھے۔ ہم انتظار کی زحمت سے بچ گئے۔ کرنل صاحب نے میجر صاحب کو ہمارا تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ میجر صاحب نے ہمیں ویلکم کیا اور بیٹھنے کو کہا۔ ہم سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرنل صاحب واپس اپنے دفتر چلے گئے۔ میجر سیمز سے میری یہ گفتگو ہوئی:

میجر سیمز: جی کیسے ہیں آپ؟

میں: فائن! آپ کیسے ہیں؟

میجر سیمز: فائن، یہاں کیسے آنا ہوا؟

میں: میں میجر محمد ابراہیم شاہ ہوں، ہم پاکستان سے آئے ہیں۔

میجر سیمز: ان حالات میں؟

میں: ہم سیاحت کے لیے نہیں ایک عظیم مقصد کے لیے آئے ہیں۔ ہم اپنے ضرورت مند عراقی بھائیوں کی خدمت کرنے آئے ہیں۔ میں نے نقشے کی مدد سے علاقوں کی نشاندہی کی جہاں ہم امداد تقسیم کرنا چاہتے تھے۔

میجر سیمز: یہ تو بڑا نیک کام ہے اور آپ کا اعلیٰ جذبہ ہے۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

میں: آپ جانتے ہیں اس وقت پورے شہر میں لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ ہے ہر طرف انارکی پھیلی اور افراتفری مچی ہوئی ہے۔ آپ ہمیں سیکورٹی مہیا کریں تاکہ ہم امداد کا سامان آسانی سے تقسیم کر سکیں ہمیں کسی تکلیف اور پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ سیکورٹی کے بغیر یہ کام ممکن نہیں۔ کل صبح سامان لے کر ہمارے ٹرک پہنچنے والے ہیں۔

میجر سیمز: سوری! میں اس وقت آپ کی اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس اس طرح کی کسی سیکورٹی کا کوئی بندوبست نہیں۔

میں: کیوں! آپ سیکورٹی کیوں نہیں دے سکتے؟

میجر سیمز: ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔ آپ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کریں۔

میں: وہ بھی تو آپ کے رحم وکرم پر ہے۔ وہ سیکورٹی کہاں سے دے؟

میجر سیمز: بہرحال سوری! میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ کو خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔

میں: آپ کمال کر رہے ہیں۔ آپ ہماری مجبوری کو سمجھیں۔

میجر سیمز: آپ بھی ہماری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

میں: آپ کی کیا مجبوری ہے؟ مجھے تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ آپ خواہ مخواہ ضد کر رہے ہیں۔

میجر سیمز: دیکھیے یہ ہماری ڈیوٹی نہیں۔

میں: کیا شہریوں کی حفاظت آپ کی ڈیوٹی نہیں تو پھر آپ کی ڈیوٹی کیا ہے؟ ایک ہنستے بستے ملک پر ننگی جارحیت، اس کے وسائل پر غاصبانہ قبضہ اور اس کے نہتے شہریوں پر اندھا دھند بمباری آپ کی ڈیوٹی ہے۔

میجر سیمز: دیکھیے! آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔

میں: میں جذباتی نہیں ہو رہا۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

میجر سیمز: ہم نے عراق میں رہنے والوں کی ایک ڈکٹیٹر سے جان چھڑائی ہے۔

میں: دیکھیے! میجر صاحب: یہ بات درست ہے کہ صدام حسین ڈکٹیٹر تھا لیکن وہ اپنے ملک اور قوم کا وفادار تھا۔ اسے اپنی قوم اور اپنے وطن سے محبت تھی۔ اس کی قوم اس سے محبت کرتی تھی وہ اپنی قوم کا ہیرو تھا۔ وہ ان کا بہی خواہ تھا اس نے اپنی قوم کو تعلیم یافتہ بنایا ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا۔ عالمی پابندیوں کے باوجود اس نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اپنے وسائل سے اپنے مسائل کا حل نکالا اور قوم کو آسودہ حال رکھا اور ملک کو پر رونق۔

اس کے دور میں کوئی انارکی نہ تھی۔ امن وسکون تھا۔ عدل اور مساوات تھی، انصاف اور آزادی تھی۔ وہ امن کا سفیر تھا، دہشت گرد نہیں تھا، یہ سب مغرب کا جھوٹا پروپیگنڈا تھا۔

میجر سیمز: یہ تو سب متنازع باتیں ہیں، وقت خود ثابت کرے گا، بہرحال میں آپ کو سیکورٹی نہیں دے سکتا۔

میں: آخر آپ اس پر کیوں بضد ہیں؟ اگر آپ کسی ملک کے شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے تو آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ ملک تو آپ کے آنے سے پہلے بھی اچھی طرح چل رہا تھا۔ آپ یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟ ملک میں لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ تو تھا نہیں جسے آپ حل کرنے آئے ہیں اگر آپ نہیں مانتے اور سیکورٹی دینے پر نہیں تیار ہوتے تو ٹھیک ہے میں عالمی پریس اور میڈیا کو بتاتا ہوں کہ امریکہ بہادر کے ایک معزز میجر صاحب نے ہمیں سیکورٹی دینے سے انکار کر دیا ہے اور ہماری حفاظت کرنے سے عاجز ہیں جو خود کو انسانی حقوق کا علمبردار سمجھتا ہے۔ جب اس طرح آپ کی جگ ہنسائی ہوگی تو پھر آپ کو احساس ہوگا۔ اور آپ یہ بھی یاد رکھیے کہ ہم نے ہر حال میں امداد کا سامان تقسیم کرنا ہے اور اگر اس دوران ہمیں کچھ ہوا، ہمارا کوئی نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ آپ کا عملہ ذمہ دار ہوگا۔ آپ اپنی ضد پر قائم رہیں۔

میری یہ دھمکی سن کر میجر صاحب کچھ نرم پڑے اور قدرے خندہ روئی سے بولے:

میجر سیمز: چلیے آپ ایسا کریں وہ سامان ہمارے حوالے کر دیں ہم اسے آپ کے مطلوبہ مقامات پر تقسیم کر دیں گے۔

میں: تو! آپ کا کیا اعتبار کہ آپ وہ سامان ان کے مستحقین تک پہنچائیں گے۔ ہم خود اپنے ہاتھوں سے اسے تقسیم کریں گے۔ تعاون کا شکریہ۔ آپ سیکورٹی دیں یا نہ دیں ہم خود اس کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ اب آپ زحمت نہ کریں۔

میجر سیمز: جناب! آپ ناراض نہ ہوں۔ میں آپ کے لیے کچھ کرتا ہوں۔ آپ کا سامان کہاں آنا ہے، کتنے بجے پہنچے گا، آپ اسے کب تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ مجھے بتا دیں میں خود

آپ کے ساتھ ہوں گا۔

میں: شکریہ! آپ نے آخر ہماری بات مان لی۔ ہمارے ٹرک رات کو پہنچ جائیں گے۔ سامان سفارت خانے آئے گا وہاں سے ہم کوئی دس بجے صبح اس کی تقسیم شروع کریں گے۔

میجر سیمز: ٹھیک ہے میں اور میرے اہل کار صبح 10 بجے آپ کے پاس سفارت خانے پہنچ جائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر یہ کام کریں گے۔ میں ٹھیک دس بجے آپ کے پاس ہوں گا۔ جو تلخ کلامی ہوئی ہے اس پر معذرت۔

میں: کوئی بات نہیں! ایسے موقعوں پر کچھ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی اس وقت آپ فاتح ہیں اور عراقی ٹھہرے مفتوح، حسن آ جائے تو نزاکت بھی آ ہی جاتی ہے۔ یہ نخرہ اور نزاکت آپ کا حق ہے۔

میری اس بات پر میجر صاحب نے قہقہہ لگایا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ان کے اندر بھی کوئی انسان ہے۔

سیکورٹی کی مہم سر کرنے کے بعد میں نے میجر صاحب کا زوردار شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمارے جذبے کو سراہا۔

راستے میں میرے صحافی دوست نے مجھے کہا:

''شاہ صاحب! آپ نے میجر سیمز کے چنگے لتے لیے ہیں۔ یہ آپ ہی کا حوصلہ ہے کہ اس کے سامنے کلمہ حق ادا کیا ہے اور اپنا مطالبہ منوالیا ہے''۔ میں نے کہا:

''یہ سب حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے دربار اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے کی برکت ہے۔ انہی کی نظر کرم ہوئی ہے ورنہ یہ میجر تو کس سے کم نہیں ہو رہا تھا''۔

''ویسے آپ کی دھمکی ٹھیک نشانے پر لگی ہے''۔

''اسے رام کرنے کا اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا''۔ میں نے کہا

''یہ کتنے ظلم کی بات ہے۔ زمین مسلمانوں کی، ملک مسلمانوں کا، وسائل مسلمانوں

کے اور یہ غاصب قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اوپر سے رعب ڈالتے ہیں۔ جیسے انہوں نے زمین پر قبضے کے ساتھ ساتھ دلوں اور روحوں پر بھی اپنا تسلط جما لیا ہو۔ کہتے تھے صدام حسین بڑا دہشت گرد ہے اس سے ایشیا اور مغرب کو خطرہ ہے یہ سب جھوٹ اور فریب تھا۔ سب سے بڑے دہشت گرد تو خود بش اور اس کے حواری ہیں۔ بش اور ٹونی بلیئر سے بڑا سفاک کون ہو سکتا ہے جس نے نہتے معصوم بچوں اور بے گناہ بوڑھوں اور عورتوں کو بارود کی آگ میں جھونک دیا اور بغداد کو اپنی اندھی بمباری سے بھون کر رکھ دیا۔ یہ دہشت گردی نہیں یہ کوئی امن پسندی ہے؟ بہر حال یہ عالمی سامراجی قوتوں کی بدمعاشی ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ انسانی حقوق کی نگہبان اقوام متحدہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے اس نے کوئی مذمت نہیں کی اور نہ ہی امریکہ کو ایسی ننگی جارحیت سے باز رکھنے کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے''۔

''شاہ صاحب! آپ بالکل درست فرماتے ہیں امریکہ و برطانیہ اور ان کے پلے حواریوں کا پروپیگنڈہ یہی تھا کہ عراق میں خطرناک کیمیائی ہتھیار ہیں۔ اس سے اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کے امن کو شدید خطرہ لاحق ہے اسے ان ہتھیاروں کو تلف کرنا ہوگا ورنہ امن عالم خطرہ میں پڑ جائے گا۔ عراق کے مطالبے پر اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹروں کی ایک ٹیم نے پورا عراق چھان مارا لیکن کوئی ایسا ہتھیار برآمد نہ ہوا جس سے امن عالم کو خطرہ ہو۔ کس ڈھٹائی سے جھوٹ بولا اور پھر پریس اور میڈیا کے ذریعے اسے سچ ثابت کیا اور اس کی آڑ لے کر مہلک ترین ہتھیاروں سے غریب عراقیوں پر بھیڑیوں کی طرح چڑھ دوڑے اور ان کے ملک پر قبضہ کر لیا''۔ میرے دوست نے میری بات کو مزید آگے بڑھایا۔

امداد کی تقسیم

امریکن ہیڈ کوارٹر سے واپس آ کر ہم اپنے سفارت خانے گئے وہاں اپنے قائم مقام سفیر سے ملے اور انہیں میجر سیمز سے ہونے والی ملاقات اور گفتگو سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انہوں نے سیکورٹی دینے کا وعدہ کیا ہے اور صبح دس بجے خود اپنے عملے کے ساتھ سیکورٹی اہلکاروں کو لے کر آئیں گے۔ اس لیے اب آپ اپنا بندوبست اور انتظام کر لیں اور اپنے

عملے کو الرٹ کر دیں۔ رات کو ٹرک سامان لے کر سفارت خانے پہنچ جائیں گے اور صبح تقسیم کا کام کرنا ہے۔

اس کے بعد آج کے دن کی مصروفیت ختم ہو گئی۔ ہمارے پاس اب فرصت تھی سوچا کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور کچھ گھوم پھر لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے صحافی دوست کو ساتھ لیا اور ہم مختلف جگہوں کے وزٹ پر نکل گئے۔ راستوں میں جگہ جگہ چوکوں پر ناکے لگے ہوئے تھے۔ مارکیٹوں کی مارکیٹیں زمین بوس ہوئی پڑی تھیں۔ جلی عمارتیں اور سڑی گاڑیاں عجب ہولناک منظر دکھا رہی تھیں۔ بمباری سے سڑکوں میں جگہ جگہ بڑے بڑے گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ ہر طرف اجاڑ اور بربادی نظر آ رہی تھی۔ کیا بازار، کیا آبادی، کیا مسجدیں، کیا دفاتر، سکول، سنٹر، ہسپتال، اڈے، اسٹیشن حتیٰ کہ مقدس مقامات تک سب امریکیوں کی ننگی جارحیت اور اندھی بمباری کے شکار ہوئے۔ کئی بارود کی آگ میں جل کر خاکستر ہو گئے۔ کئی ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گئے۔ جہاں بھی نظر پڑتی ایک قیامت خیز منظر سامنے ہوتا۔ جسے دیکھ کر دل پسیج جاتا اور آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ بغداد پر قبضے کو کافی دن گزرنے کے باوجود اسلحہ و بارود کی بدبو ختم نہ ہوئی تھی۔ فضا میں ابھی تک مرنے والوں کی نعشوں کی سرانڈ اور تعفن پھیلا ہوا تھا۔

ہمیں مقامی لوگوں نے بتایا کہ بعض علاقوں میں تو کفن کے لیے کپڑا تک ختم ہو گیا تھا اور کئی مرنے والوں کو یونہی غسل دے کر تن کے کپڑوں میں دفنانا پڑا۔ اور کچھ علاقوں میں بمباری کا زور اس قدر تھا کہ مرنے والوں کی لاشیں کافی دیر تک یونہی پڑی رہتیں۔ بمباری میں وقفہ ہوتا تو ان کے ورثاء اور لواحقین باہر نکلتے انہیں اٹھاتے اور پھر ان کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرتے۔ جب تک بمباری ہوتی رہتی ان کی لاشیں بے سہارا اور بے یار و مددگار پڑی اپنوں کی راہیں دیکھتی رہتیں۔

یہ سن کر ہمیں یارائے ضبط نہ رہا آنکھوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اس قدر ظلم، اتنی سفاکی یہ ستم گر تو عراقیوں کی ایک ڈکٹیٹر سے جان چھڑانے آئے

تھے اور قبضے کے بعد خود ڈکٹیٹر بن گئے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے لگے۔ یہ ننگی جارحیت انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی تھی اور عالمی قوانین کا مذاق اور تمسخر تھا۔ جو اپنے آپ انسانی حقوق کا علمبردار کہتے تھکتا نہیں اس کی انسانی حقوق کی پاسداری کی یہ حالت ہے تو جو ہو ہی جارح اس کی جارحیت کا عالم کیا ہو گا۔

ڈیڑھ دو گھنٹے ہم شہر میں گھومے، شہری سوگ میں تھے۔ غم اور ہراس ان کے چہروں پر عیاں تھا۔ شہر کی رونقیں اداس تھیں۔ شہر کے حسن و جمال پر افسردگی کی پرچھائیاں تھیں۔ غرضیکہ ہر طرف غم، حزن، دکھ، کرب، اداسی اور ویرانی کی ایک فضا تھی۔ جگہ جگہ ان کربناک منظروں نے ہمیں ہلاک کر رکھ دیا اب یہ دیکھ دیکھ کر ہماری برداشت سے باہر ہو رہا تھا اس لیے ہم نے واپسی کا پروگرام بنایا اور اپنے ہوٹل کا رخ کیا۔

ٹرک سامان لے کر رات کو پہنچ گئے تھے۔ عملے نے ایمبیسی کی عمارت کے باہر کھڑے کر دیے۔ پروگرام کے مطابق سامان چونکہ مختلف علاقوں میں تقسیم کرنا تھا اس لیے اس مقصد کے لیے ہم نے کچھ پک اپ اور ڈالے کرایے پر لیے وہ سب بھی رات ہی کو ایمبیسی پہنچ گئے تھے۔

ہم نے ہوٹل میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد فوراً ناشتہ کیا اور تیار ہو کر علی الصبح ایمبیسی پہنچے تاکہ میجر صاحب کے آنے سے پہلے امداد کے سامان کی لوڈنگ سے فارغ ہو جائیں۔ ایمبیسی پہنچ کر میں نے گاڑیوں کو قطار میں لگوایا اور دوستوں سے کہا کہ انہیں لوڈ کریں۔ انہوں نے بڑی مستعدی اور تیزی دکھائی تھوڑی دیر میں بڑے سلیقے سے انہوں نے ساری پک اپ اور ڈالے سامان سے لوڈ کر دیے۔

سامان لوڈ کرانے کے بعد میں نے دوستوں میں وہ گاڑیاں تقسیم کیں اور انہیں ان کا مقررہ کردہ علاقہ اور تقسیم کا طریقہ بتایا اور انہیں یہ بھی کہا کہ سیکورٹی اہلکار آپ کے ساتھ ہوں گے اس لیے پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں۔

عمائدین شہر کے مشورے کے مطابق ہم نے امداد کی تقسیم کا طریقہ کار کچھ اس طرح بنایا

کہ بغداد کو چار زون میں تقسیم کیا: محلہ اعظمیہ، مزار غوث پاک، چلڈرن ہسپتال اور محلہ کاظمیہ۔

مزار غوث پاک اور چلڈرن ہسپتال میں نے اپنے ذمے رکھے اور محلہ کاظمیہ اور اعظمیہ پر عمائدین شہر کی ذمہ داری لگائی۔ اب شیخ عبداللہ اور ان کے دوست حسین کا انتظار تھا جنہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر سامان تقسیم کرنے کی ذمہ داری کی ہامی بھری تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں دوست بھی تشریف لے آئے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ حسب پروگرام ایک ٹرک ان کے حوالے کیا اور انہیں تقسیم کے طریقہ کار کے بارے کچھ ہدایات دیں۔ انہوں نے یقین دلایا کہ آپ گھبرایئے نہیں۔ تقسیم آپ کے منشاء کے مطابق ہوگی اور آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔ آپ کچھ سیکورٹی ہمیں دے دیں تاکہ آسانی سے سامان تقسیم ہو سکے۔ میں نے انہیں کہا: آپ اطمینان خاطر رکھیں۔ میری میجر سیمز سے بات ہوگئی ہے وہ دس بجے سیکورٹی لے کر پہنچ رہے ہیں۔

اب ہماری تیاری مکمل تھی۔ ٹرک، ڈالے اور پک اپ قطاروں میں کھڑی روانگی کے لیے تیار تھیں۔ ان کو بینروں سے آراستہ کیا گیا جن پر تحریر تھا:

''پاکستانیوں کی طرف سے اپنے عراقی بھائیوں کے لیے ریلیف پیکیج''

صرف میجر سیمز کا انتظار تھا۔ دس بج رہے تھے۔ میجر صاحب نے دس بجے ایمبیسی پہنچنا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ نہیں پہنچے تھے۔ دور تک ان کے آنے کے آثار بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ تشویش ہونے لگی۔ اگر میجر صاحب نہ آئے تو پھر کیا کرنا ہے۔ میرے چہرے پر پریشانی دیکھ کر ایک عراقی دوست بولا:

''جناب! یہ امریکی ہیں، بڑے مکار اور جھوٹے ہیں۔ میجر نہیں آئے گا۔ آپ اللہ کا نام لے کر چلیں دیکھا جائے گا کچھ نہیں ہوگا''۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ کچھ فوجی گاڑیاں ادھر آتی دکھائی دیں لیجئے میجر سیمز صاحب آ گئے ہیں۔ میری جان میں جان آئی۔ میجر صاحب نے لیٹ آنے کی معذرت کی، بولے:

''سوری! میجر صاحب! میں مقررہ وقت سے کچھ لیٹ ہو گیا ہوں کچھ آفیشل کام آ پڑا تھا۔ اور پھر راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں اس لیے میں ٹھیک دس بجے نہیں پہنچ سکا۔ اگر آپ کی تیاری مکمل ہے تو چلیں''۔

میجر صاحب کی معذرت کرنے پر میرے دل میں خیال آیا کہ سارے امریکی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ میں انسانیت بھی ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ جو 25 سیکورٹی اہلکار آئے تھے، ان کو ایک ایک کر کے دو گاڑیوں پر مقرر کر دیا گیا۔ میجر صاحب خود اپنے عملے کے ساتھ ہمارے ساتھ ہو لیے۔

میں نے دعائے خیر کی اور گاڑیوں کو اپنی منزل کا رخ کرنے کا کہا۔ شیخ عبداللہ اور ان کے دوست حسین اپنا ٹرک لے کر اعظمیہ روانہ ہو گئے جو انہوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تقسیم کرنا تھا۔ ہم نے خود حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کا رخ کیا۔ ہمارے قافلے کی ترتیب کچھ اس طرح تھی، آگے دو فوجی جیپ تھیں۔ پھر ہماری گاڑی، پیچھے ٹرک اور آخر میں پھر دو فوجی جیپ تھیں۔

دربار غوثیہ پر تقسیم

تھوڑی دیر بعد ہم دربار غوثیہ پہنچ گئے۔ نیچے اتر کر میجر صاحب نے مجھ سے پوچھا آپ اپنا شیڈول بتا دیں تاکہ اس کے مطابق ہم اپنا ورک کر سکیں۔ میں نے انہیں کہا ریلیف کے بڑے پیکٹ تو ہم یہاں تقسیم کریں گے۔ کچھ چھوٹے پیکٹ ہیں ان میں بچوں کے لیے سامان پیک ہے وہ ہم صدام چلڈرن ہسپتال میں جا کر تقسیم کریں گے۔ میجر صاحب بولے، میری بھی ایک گزارش ہے اگر آپ پسند کریں کہ تو یہاں مدر ٹریسا آرفن سنٹر (یتیم خانہ) ہے اس میں کوئی دو سو کے لگ بھگ یتیم بچے ہیں۔ انہیں بھی شامل کر لیجئے وہ بھی آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔ میں نے کہا:

کیوں نہیں ہم ان میں بھی گفٹ تقسیم کریں گے۔ عراقی بچوں کی طرح وہ بھی بچے ہیں۔ ان پھولوں کا کیا قصور، ویسا بھی ہمارا دین دوسروں کے احترام اور ان کے ساتھ

رواداری کا حکم دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں جتنی ایک مسلمان کی جان، مال، عزت، آبرو اور حفاظت کی حرمت ہے اتنی ہی ایک غیر مسلم کی حرمت ہے۔ اگر ہمارے مسلمان بھائیوں کے بچے حقدار ہیں تو انسانیت کے ناطے آپ کے بچے بھی ہماری توجہ اور مدد کے مستحق ہیں۔ ہم ضرور وہاں جائیں گے، اچھا کیا آپ نے میری توجہ اس طرح مبذول کرائی ہے۔ ہم ان کو بھی پاکستان کی طرف سے گفٹ دیں گے۔ اسلام مذاہب میں رواداری کا قائل ہے تفریق کا نہیں"۔

پہلے ہم نے سرکار غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد انور پر حاضری دی اور سلام نیاز عرض کیا۔ پھر سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا، ہم سامان لے کر حاضر ہو گئے ہیں، ٹرک دربار کے باہر کھڑے ہیں۔ آپ تشریف لائیں اور اپنے دست مبارک سے تقسیم کا افتتاح فرمائیں۔ نیز ہمارے حق میں دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہماری اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔

سجادہ نشین صاحب نے فرمایا، آپ چلیں میں تیار ہو کر آتا ہوں۔ پروگرام کے مطابق ہم ٹرک لنگر خانے میں لے آئے لنگر خانے کے دو دروازے تھے ایک اندر داخل ہونے کے لیے اور دوسرا باہر نکلنے کے لیے۔ تقسیم کے لیے یہ جگہ موزوں تھی۔ اس لیے اسے ہی پسند کیا گیا۔ ٹرکوں کو لنگر خانے کے صحن میں کھڑا کر دیا۔ سیکورٹی اہلکاروں نے ان کے گرد کھڑے ہو کر پوزیشن سنبھال لی۔ ہم سب بھی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔

اب سجادہ نشین صاحب کی آمد کا انتظار تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تشریف لے آئے۔ پہلے دعا فرمائی پھر اپنے ہاتھ سے ایک عراقی کو امداد کا ایک پیکٹ دے کر تقسیم کا افتتاح فرمایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ ایک دروازے سے لوگ اندر آتے اور سامان لے کر دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے۔ شروع میں تو معاملہ کنٹرول میں رہا لیکن جب رش بڑھ گیا اور ہجوم ٹوٹ پڑا تو پھر کنٹرول سے باہر ہو گیا۔ گیٹ کے ساتھ چھ سات فٹ بلند لوہے کا جنگلہ تھا جس پر لوگ چڑھ گئے اور چھلانگ کر اندر آنے لگے۔ یہ روکے نہیں

رک رہے تھے۔ ان کی دھکم پیل سے ایک دفعہ تو سب کچھ ڈسٹرب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سیکورٹی اہلکاروں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ ایک عجیب ماحول بن گیا مجھ سے برداشت نہ ہوا، اتنی بڑی ہستی کے آستانے پر یہ ہڑبونگ، میں نے اہلکاروں سے کہا وہ ہوائی فائرنگ بند کر دیں۔ لوگوں کو ویسے ہی کنٹرول کریں۔ اگر یہ سامان لوٹتے ہیں تو انہیں لوٹنے دو۔ یہ انہی کے لیے ہے۔ ہم انہی کے لیے لے کر آئے ہیں۔ جس کے نصیب میں جو ہوگا اسے مل جائے گا۔ آپ فائرنگ نہ کریں۔

میری یہ بات سن کر لوگوں پر کچھ اثر ہوا جو جنگلے پر چڑھے تھے وہ نیچے اتر آئے اور جا کر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اہلکاروں نے بھی فائرنگ بند کر دی۔ بدمزگی کے بعد فضا پھر پرسکون ہو گئی۔ اب لوگ آرام سے اپنی باری پر آتے اور پیکٹ لے کر چلے جاتے۔ ساتھ اپنے پاکستانی بھائیوں کا شکریہ بھی ادا کرتے جاتے جنہوں نے اس مشکل گھڑی میں انہیں یاد رکھا ہے۔ ان کے دکھ درد کو بانٹا ہے۔ ان کی اشک شوئی اور غمخواری کے لیے آئے ہیں۔ دعا کرتے:

"اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کے ملک کو ہمیشہ سلامت رکھے، اسے درخشاں اور تابندہ رکھے۔ دشمن اور اس کی مکارانہ وعیارانہ چالوں سے اسے بچائے۔ اسے ترقی و خوشحالی عطا کرے"۔

اس طرح ہم جلد ہی امداد کی تقسیم سے فارغ ہو گئے۔ سجادہ نشین صاحب سے اجازت لی اور اگلی منزل کا رخ کیا۔

مدر ٹریسا آرفن سنٹر میں

دربار غوثیہ پر امدادی سامان کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد ہم میجر سیمز کی تجویز پر ان کی سیکورٹی میں مدر ٹریسا آرفن سنٹر گئے۔ جہاں دو اڑھائی سو بچے زیر کفالت تھے۔ یہ امریکہ کے اتحادیوں کے ان فوجیوں کے بچے تھے جو اس حملے میں کام آ گئے تھے اور یہ بے چارے لاوارث ہو گئے تھے۔ ان کی کفالت کے لیے انہیں اس سنٹر میں رکھا گیا تھا۔

جیسے ہی ہم آرفن سنٹر پہنچے اور ٹرک اندر جا کر کھڑا کیا عجیب منظر دیکھنے میں آیا میجر صاحب ٹرک کے پاس آئے اور خود اس سے بچوں کے لیے بنائے گفٹ اتارنے لگے۔ وہ کئی بنڈل اپنے کندھوں پر اٹھا کر اندر لے گئے۔ مجھے ان کی یہ حالت دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میجر صاحب کے دل میں بھی یہ جذبات ہیں۔ ان کے اندر بھی ایک قدامت پرست مذہبی آدمی چھپا ہے۔

بہر حال وہاں میجر صاحب کی سربراہی میں ہم نے بچوں میں گفٹ تقسیم کیے۔ ان کی خیریت دریافت کی۔ وہ گفٹ پا کر بڑے خوش ہوئے اور بڑے تپاک سے ہمارا شکریہ ادا کیا، خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے اور ایک دوسرے سے اپنی اپنی خوشی شیئر کرنے لگے۔ کچھ وقت کے لیے وہ اپنے غم اور دکھ کو بھول گئے۔

ہم نے کچھ وقت ان کے ساتھ گزارا۔ میجر صاحب ان کے ساتھ گھل مل گئے اور ان کے ساتھ باتیں اور گپ شپ کی۔ انہیں لطیفے اور کہانیاں سنائیں، ان کی باتیں سنیں، ان کے خیالات اور جذبات سنتے رہے۔

صدام چلڈرن ہسپتال میں

مدر ٹریسا آرفن سنٹر سے فارغ ہو کر ہم صدام چلڈرن ہسپتال میں گئے۔ پہلے ہم ایم ایس سے ملے انہیں بتایا کہ ہم پاکستانی بچوں کی طرف سے عراقی بچوں کے لیے کچھ گفٹ لے کر حاضر ہوئے ہیں اور یہاں زیر علاج بچوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے اس جذبے کی بڑی قدر کی، ہماری کوشش کو بہت سراہا، اسی وقت اپنے منیجر کو بلایا اور اسے کہا یہ ہمارے مہمان ہیں پاکستان سے آئے ہیں، بچوں میں کچھ گفٹ تقسیم کرنا چاہتے ہیں اپنے سٹاف اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹرز کو ساتھ لو اور انہیں جس طرح کے تعاون کی ضرورت ہو وہ انہیں مہیا کرو، انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ ہم نے اس فیاضانہ تعاون اور حسن سلوک پر ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں اپنی دعاؤں سے نوازا۔

چنانچہ منیجر صاحب ہمیں اپنے دفتر میں لے گئے۔ پہلے ہمیں عراقی روایت کے مطابق

مشروب پلایا۔ پھر ہمارے پروگرام اور شیڈول کے بارے دریافت کیا۔ بولے، حملے میں زخمی اور معذور ہونے والے سب بچے جنرل وارڈ میں داخل ہیں آپ اپنے گفٹ انہی میں تقسیم کریں۔ میں، میرا سٹاف اور ڈاکٹر آپ کے ساتھ ہوں گے۔ میں اپنا سٹاف آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں وہ ٹرک سے سامان اتار کر جنرل وارڈ میں لے آتے ہیں جہاں سے آپ بچوں میں تقسیم کر لیجئے گا۔ انہوں نے اپنے ایک سٹاف ممبر کو اندر بلایا اور اسے کہا کہ باہر کھڑے ٹرک سے سامان اتار کر جنرل وارڈ میں پہنچاؤ اور واپس آ کر مجھے رپورٹ کرو۔ تھوڑی دیر بعد وہ اہلکار دوبارہ آیا اور بتایا کہ سارا سامان اندر وارڈ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد منیجر صاحب نے ہمیں اپنے ساتھ لیا اور جنرل وارڈ لے گئے۔

دروازہ کھول کر وارڈ کے اندر داخل ہوئے تو سامنے اندوہناک، قیامت خیز اور دہشت انگیز منظر تھا۔ بیڈوں پر جیسے بچے نہ ہوں کوئی لاشیں اور نعشیں پڑی ہوئی ہوں۔ کوئی سرتاپا سفید پٹیوں میں لپٹا ہوا ہے، کسی کا چہرہ جھلسا ہوا ہے اور جلا ہوا چہرہ عجیب اور بھیانک لگ رہا ہے۔ کسی کا ایک اور کسی کے دونوں بازو نہیں، کسی کے بازوؤں سے ہاتھ غائب ہیں کسی کی ایک اور کسی کی دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں۔ کوئی اپنے پاؤں سے محروم ہے۔ کسی کا پورا بدن بارود سے جل کر سیاہ ہوا پڑا ہے۔ کئی ذہنی حواس کھوئے بیٹھے تھے۔ بہت سوں کے تو جسم میں شیل کے ٹکڑوں سے جگہ جگہ گہرے سوراخ ہو گئے تھے۔ کچھ کے تو شیل کے ٹکڑے ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف سے نکل گئے تھے۔

غرضیکہ پوری وارڈ میں کرب، درد، دکھ، گریہ زاری، آہ و بکا کی فضا تھی۔ کئی بچے درد اور تکلیف سے کراہ اور بلبلا رہے تھے پوری وارڈ آہ و فغاں میں رچی ہوئی تھی۔ کربناک اور روح فرسا منظر دیکھ کر ہمارا تو دل بیٹھ گیا۔ روح کانپ اٹھی بدن لرزنے لگا۔ جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی۔ حواس قابو میں نہ رہے ظلم کی یہ انتہا، سفاکی کی یہ حد، یہ بربریت اور بدمعاشی، دیر تک یہ کیفیت رہی پھر ذرا خود کو سنبھالا دیا اور اسے عراقیوں کی آزمائش اور امتحان سمجھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو آزما رہا ہے۔

حالت سنبھلنے کے بعد ہم نے گفٹ کی تقسیم شروع کی۔ پہلے میں نے اجتماعی طور پر بچوں کو مخاطب کر کے کہا:

''پیارے بچو! ہم پاکستان سے آپ کے لیے پاکستانی بچوں کی طرف سے گفٹ لے کر آئے ہیں۔ آپ اس وقت مشکل اور مصیبت میں ہیں اس لیے پاکستانی بچوں نے آپ سے اپنی محبت اور پیار کے اظہار کے طور پر آپ کے لیے خوبصورت گفٹ بھیجے ہیں وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور آپ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد آپ کے ملک کو آزادی دے، امن اور سکون دے آپ ہنسی خوشی اپنے گھروں میں اپنے پیارے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دشمن کو غارت کرے، اسے تباہ و برباد کرے۔ جلد آپ کو آزادی ملے تا کہ آپ اپنے وطن میں اپنی زندگی عزت اور وقار سے گزاریں''۔

اس کے بعد ہم ایک ایک بچے کے پاس گئے اور اسے گفٹ پیک دیا۔ ہر بچے نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ جو گفٹ لیتا وہ اپنی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا اور کہتا:

''انکل! ہماری طرف سے بھی ہمارے پاکستانی بھائی بہنوں کا شکریہ ادا کرنا جنھوں نے ہمیں ان حالات میں یاد رکھا ہے''۔

لیلیٰ کی کہانی

تقسیم کے دوران میں نے دیکھا ایک خوبصورت سی بچی اپنے بیڈ پر لیٹی دیر سے میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی ہے۔ جیسے وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہ رہی ہو۔ فارغ ہو کر میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا:

''بیٹا! آپ کا کیا نام ہے؟ کیا بات ہے، آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟''

اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر بارود کا کوئی نشان نہ تھا اور نہ ہی اس پر کوئی جلنے کی علامت تھی۔ جسم پر کچھ زخم اور خراشیں تھیں۔ بولی:

''انکل! میرا نام لیلیٰ ہے، میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، میں آپ سے اپنی ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میری بات سنیں گے؟''

''کیوں نہیں بیٹا! ضرور سنوں گا، آپ بتاؤ کیا بات ہے؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روتے ہوئے بولی:

''انکل! میں بغداد کے ایک گاؤں سے یہاں آئی ہوں۔ ہمارا چھوٹا سا گھرانہ تھا، میں میرے امی ابو اور مجھ سے ایک بڑا بھائی تھا۔ گاؤں میں ہماری تھوڑی سی زمین ہے۔ وہاں ابو کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ہم ہنسی خوشی وقت گزار رہے تھے۔ میں اور میرا بھائی سکول میں پڑھتے تھے۔ سکول ساتھ والے گاؤں میں ہے جو ہمارے گاؤں سے نسبتاً بڑا ہے۔

میرے ابو بڑے اچھے تھے۔ مجھ سے بڑا پیار کرتے تھے۔ مجھے بچوں کی کتابیں، کھلونے اور گفٹ لا کر دیتے تھے۔ میرے کمرے میں میری الماری ان چیزوں سے بھری ہوئی ہے۔ میرے بھائی جان بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ میرے ساتھ کھیلتے تھے۔ مجھے پڑھاتے تھے، ہوم ورک کراتے تھے اپنے ساتھ سکول لے جاتے اور واپس لاتے تھے۔ ہر بات میں میرا خیال رکھتے تھے۔ مجھے میری سالگرہ پر خوب صورت اور قیمتی تحفہ دیتے، عید کے موقع پر سیر کراتے، شہر لے جا کر آئس کریم اور کھانا کھلاتے۔

میری امی بھی میرا بڑا خیال رکھتیں۔ گھر کی ساری دیکھ بھال ان کے ذمہ تھی۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر مجھے کہانیاں سناتیں۔ دلچسپ باتیں بتاتی۔ میں جب اپنے کام اور پڑھائی سے فارغ ہوتی تو کچن میں امی کے پاس چلی جاتی اور ان کا ہاتھ بٹاتی۔ امی مجھے کھانا پکانا سکھاتیں اور دوسری باتوں سے مجھ کو آگاہ کرتیں۔

انکل! اس طرح ہماری زندگی بڑے آرام و سکون سے گزر رہی تھی۔ گھر میں کوئی پریشانی اور تکلیف نہ تھی۔ میں اور میرا بھائی سکول پڑھنے چلے جاتے۔ ابو کھیتوں میں اپنے کام پر چلے جاتے اور امی گھر میں اپنے کام کرتیں۔ اس طرح زندگی کے معمولات جاری تھے کہ ایک دن پتا چلا کہ امریکہ نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا ہے اور بغداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ خبر سن کر ہماری ساری خوشیاں دھری ہو گئیں۔ خوف و ہراس چھا گیا۔ سہمے سہمے سے رہنے لگے دل میں یہی کھٹکا رہتا ابھی کچھ نہ ہو جائے، یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ ریڈیو

اور ٹی وی سے بڑی خوفناک اور پریشان کن خبریں آنے لگیں۔ ایک دن میں سکول گئی ہوئی تھی ان دنوں ہماری خالہ بھی اپنے دو بچوں کے ساتھ ملنے کے لیے گھر آئی ہوئی تھیں۔ بھائی نے اس دن سکول سے چھٹی کر لی تھی۔ ہمارے اوپر سے دھاڑتے ہوئے جنگی جہاز گزرے، ہم بچے سہم گئے، ہماری ٹیچرز بھی پریشان ہو گئیں یہ دیکھتے ہوئے ہماری ہیڈ مسٹریس نے فوراً سکول سے چھٹی کر دی تا کہ بچے خیریت سے اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔

میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جلدی جلدی گھر آئی، میرا دل بڑا گھبرا رہا تھا، ایسے لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ جوں جوں میں گھر کی طرف بڑھ رہی تھی میری پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا۔ میرے قدم اٹھنے نہیں پا رہے تھے جیسے ہی میں اپنی گلی میں داخل ہوئی دیکھا کئی مکان گرے ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ سے ٹوٹے پڑے ہیں دیواروں پر خون کے چھینٹے دکھائی دیئے۔ کہیں آگ لگی ہوئی ہے اور گھر جل رہا ہے۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر میں اپنے گھر کی طرف بے تحاشا بھاگی دروازے کو ہاتھ لگایا تو دھڑام سے نیچے جا گرا، اندر قیامت کا منظر تھا۔ ابو دل پر ہاتھ رکھے گرے پڑے ہیں۔ امی صحن میں زخم کھا کر اوندھے منہ پڑی ہیں۔ جگہ جگہ سے بدن جلا ہوا ہے۔ شیل لگنے سے کئی حصوں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ یہی حال خالہ اور اس کے بچوں کا تھا۔ ان کی بھی ساتھ ہی جلی لاشیں پڑی تھیں یہ دیکھ کر میرے تو ہوش جاتے رہے حواس گم ہو گئے سکتہ طاری ہو گیا۔ اس بے بسی اور سراسیمگی کے عالم میں بھائی کو تلاش کرنے لگی۔ اس کے کمرے کی طرف بھاگی۔ دیکھا کہ اس کے کمرے کی چھت گری ہوئی ہے اور وہ اس کے ملبے میں دبا پڑا ہے۔ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ میں "امی، ابو، امی ابو" زور زور سے پکارنے لگی اور اپنے ہاتھوں سے ملبہ ہٹانے لگی۔ بھائی کی لاش نکال رہی تھی کہ چھت کا ایک کونہ جو ابھی تک کھڑا تھا، مجھ پر آ گرا اس کے بعد کیا ہوا، مجھے کچھ ہوش نہ رہا، جب ہوش آیا تو میں نے خود کو یہاں ہسپتال میں اس بیڈ پر اس حالت میں پایا۔

انکل! مجھے بتایئے! میرا کیا قصور ہے؟ میرے امی ابو، خالہ اور میرے بھائی نے کیا

جرم کیا ہے جو انہیں اس بے دردی سے مار دیا گیا۔ مجھے بعد میں ہسپتال میں پتا چلا کہ امریکی جہازوں نے ہمارے گاؤں پر بمباری کی تھی جس سے گھروں کو آگ لگ گئی اور ہمارے لوگ مارے گئے۔ اس بمباری سے ہمارا گھر بھی نہ بچا جسے ابو نے بڑے چاؤ سے بنایا تھا۔ انہیں جب پتا چلا تو وہ کھیتوں سے دوڑتے ہوئے گھر آئے اور اپنے پیاروں کی بے گناہ لاشیں دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ غم اپنے دل پر لیا، جس سے اس کی حرکت بند ہو گئی اور وہ بھی ان سے جا ملے۔

انکل! اب میں کس سے اپنی فریاد کروں، ان ظالموں نے ہمارے ہنستے بستے گھر کو کیوں اجاڑا، ان ستم گروں نے میری امی اور خالہ کی کیوں جان لی، میرے معصوم بھائی اور خالہ زادوں کو کس جرم کی سزا دی ہے؟

ہم نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ اب میں بدنصیب اپنے گھر میں اکیلی رہ گئی ہوں، یہ غم اور دکھ سہنے کے لیے۔ اب میں کسے ابو کہہ پکاروں گی۔ کسے امی امی کہوں گی۔ کسے بھائی بھائی کہہ کر یاد کروں گی۔ کس کے پاس کیسے یہ زندگی گزاروں گی؟

بتایئے انکل بتایئے! ان ظالموں کو نہتے شہروں پر بم چلاتے شرم نہ آئی، ہم کس کے آگے فریاد کریں؟ کس سے اس ظلم کا بدلہ لیں؟ کسی سے انصاف مانگیں؟ ہمارا کون پرسان حال ہے؟ کون ہماری نگہداشت کرے گا؟ کون ہماری دیکھ بھال کرے گا، مجھے پڑھائے گا؟ مجھے کھلائے پلائے گا؟ میرا خیال رکھے گا؟

مجھے میرے امی ابو، خالہ اور بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ ہائے میرے گھر کا کیا بنا ہو گا، اسے تو اب تک لوگوں نے لوٹ لیا ہو گا۔ میرے کھلونے اور گفٹ لوگ نکال کر لے گئے ہوں گے۔

واہ مصیبتاہ واہ مصیبتاہ

ہائے میں بھی مر جاتی۔ اپنے پیارے امی ابو اور بھائی کے پاس ہوتی، یہ خوفناک قیامت دیکھنا نہ پڑتی"۔

اس کی درد بھری کہانی سن کر مجھے یارائے ضبط نہ رہا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات چھلک پڑی۔ بچی کو پیار کیا اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے کہا:

''بیٹا! اس وقت ایک ہی ذات ہے اور وہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کے حضور اپنی فریاد کرو۔ وہی سب کی سنتا ہے وہی انصاف دیتا ہے۔ اللہ تمہیں صبر عطا فرمائے اور یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت بخشے تم بہت بہادر بچی ہو۔ بڑے ہو کر اپنے گھر اور ملک کی تباہی کا بدلہ لینا۔ ان شاء اللہ آپ سرخرو ہوں گی''۔

سعد کی داستان

اس سے اگلے بیڈ پر ایک بچہ لیٹا تھا کوئی دس سال کا ہوگا اس کی ایک ٹانگ پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ وہ بھی میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ بھی ہمیں اپنی کوئی داستان سنانا چاہتا ہو۔ بولا:

''انکل! آیئے میرے پاس بھی تشریف لایئے میں بھی آپ کو اپنی کچھ درد بھری داستان سناؤں، آپ سے اپنا غم اور درد بانٹوں شاید میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے''۔ میں نے کہا:

''ضرور بیٹا! آپ بھی ہمیں اپنے بارے بتائیں میں سنتا ہوں۔ کہو کیا کہنا ہے؟''

میری محبت بھری بات سے اس کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔ ایسے لگا جیسے اس نے بند باندھ رکھا تھا جو اب ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے بتایا:

''انکل! میرا نام سعد ہے میں موصل شہر کا رہنے والا ہوں۔ مالی لحاظ سے ہم متوسط حیثیت رکھتے ہیں ہم چار فیملی ممبر تھے۔ ابو امی، میں اور مجھ سے بڑی میری ایک بہن تھی۔ ابو سرکاری ملازم تھے۔ اتنی تنخواہ مل جاتی تھی جس سے ہماری اچھی گزر اوقات ہو جاتی تھی۔ گھر میں امن وسکون تھا۔ کوئی غم اور دکھ نہ تھا۔ اچانک معلوم نہیں، ہمارے ملک کو کس کی نظر لگ گئی۔ باہر سے کچھ لٹیرے دندناتے ہوئے ہم پر چڑھ دوڑے اور اپنی غارت گری سے ہمارے سارے امن وسکون کو لوٹ لیا۔ ہماری خوشیوں کو خاک میں ملا دیا، ہماری بستیوں کو

اجاڑ دیا اور ہماری آبادیوں کو کھنڈرات میں بدل دیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب امریکہ اور اس کے اتحادی ہمارے ملک پر اندھا دھند فائرنگ اور بمباری کر رہے تھے۔ ایک دن میں گھر سے باہر تھا۔ حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے ابو اس دن دفتر نہیں گئے تھے گھر میں ہی تھے۔ میں نے اچانک اپنے علاقے کے اوپر جنگی جہاز منڈلاتے دیکھے۔ میں سہم گیا، اللہ خیر کرے، یہ ہم پر کہیں بم پھینکنے کے لیے تو پرواز نہیں کر رہے۔ یہ خیال آتے ہی میں وہاں سے گھر کی طرف دوڑا۔ جلدی جلدی گھر پہنچا میرا دل ڈوب رہا تھا۔ مجھے کسی انہونی کا خوف آ رہا تھا۔

جیسے ہی میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اندر ایک روح فرسا اور دلدوز قیامت بپا تھی۔ اندر امریکن سپاہی گھسے ہوئے تھے۔ ابو اور امی کو ستون سے باندھ کر گولیوں سے مار دیا گیا تھا۔ وہ ابھی تک ستون سے باندھے ہوئے تھے۔ سفاکوں نے باجی کو ایک چارپائی پر ڈالا ہوا تھا اور بھوکے کتوں کی طرح اس کے جسم کو نوچ رہے تھے اور وہ ''الخلیع الخلیع'' بچاؤ بچاؤ ان کتوں سے، ان بھیڑیوں سے پکار رہی تھی، لیکن کوئی اس کی پکار سن کر اندر نہ آیا شاید ان کے خوف سے کوئی اندر نہیں آیا تھا یا کسی تک اس کی آواز ہی نہ پہنچی تھی۔

یہ دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہوا میری غیرت بھڑک گئی۔ میں ان پر پل پڑا۔ مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ بوکھلا گئے میرے تیور دیکھ کر انہوں نے بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، جاتے جاتے وہ باجی کے سینے میں بھی گولیاں اتار گئے جو پہلے ہی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ بندوق تان کر ایک گولی مجھے بھی ماری۔ میں بھاگ کر دروازے کی اوٹ میں ہو گیا خوش قسمتی سے وہ گولی میری ٹانگ میں لگی جس سے میں بچ گیا لیکن میرے ابو امی اور باجی ظالموں کی سفاکی اور ہوس کے نشانہ بن گئے اور میں دنیا میں تنہا رہ گیا۔

وہ بدمعاش باہر نکلے تو ہمارے ہمسایہ انکل اندر آئے اور مجھے فوراً اپنی گاڑی میں بٹھایا اور فرسٹ ایڈ کے لیے قریبی ہسپتال لے گئے۔ انہوں نے زخم پر پٹی باندھ دی جس سے خون رک گیا۔ ڈاکٹر نے کہا اسے آپ چلڈرن ہسپتال لے جائیں وہاں آپریشن کی سہولت

ہے، گولی آپریشن کے ذریعے ہی باہر نکلے گی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو میرے ساتھ یہاں ہسپتال بھیجا جس نے مجھے یہاں داخل کرایا اور خود گھر میں پڑی تین میتوں کی تجہیز و تکفین کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگ گئے۔ انہوں نے ہی سب کچھ کیا۔ میں تو اسی وقت سے ہسپتال پڑا ہوں۔ آخری وقت میں اپنے شفیق باپ اپنی جنت ماں اور پیاری باجی کے چہرے بھی نہیں دیکھ سکا ہوں اور نہ ان کی تجہیز و تکفین اور جنازے میں شریک ہو سکا ہوں۔

انکل! میں نے تو سنا تھا یہ امریکی ہمیں امن دینے آئے ہیں۔ ڈکٹیٹر سے ہماری جان چھڑانے آئے ہیں، ملک میں خوشحالی اور ترقی لانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ امن دینے آئے ہیں۔ میرے بے گناہ ماں باپ کو رسیوں سے باندھ کر بے دردی سے گولیوں سے بھون دیا۔ میری باجی کی عزت و آبرو کو سفاکی سے لوٹا۔ یہ امن کے رکھوالوں کا کام ہے۔ صدام ڈکٹیٹر تھا لیکن ہم امن و آشتی سے تو رہ رہے تھے۔ ہماری جانیں، عزتیں اور آبروئیں تو محفوظ تھیں۔ یہ کیسی جان چھڑائی ہے کہ ہم اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ عزتیں لٹا رہے ہیں، آبروئیں پامال کرا رہے ہیں۔

انکل! اسے امن کہتے ہیں۔ امن اسی کا نام ہے۔ دیس ہمارا ہے، زمین ہماری ہے، ملک ہمارا ہے، حکومت ہماری ہے، صدام حسین ہمارا ہے، یہ کون ہوتے ہیں ہماری پاک زمین پر اپنے پلید قدم رکھنے والے یہ کون ہوتے ہیں ہمیں امن دینے والے۔ ہمارے ملک پر قبضہ کرنے والے، اس کے وسائل پر تسلط جمانے والے، ہماری حکومت ختم کرنے والے۔

انکل! بلاشبہ یہ ظالم ہیں، سفاک ہیں، عالمی لٹیرے ہیں سب سے بڑے دہشت گرد ہیں یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں انہوں نے ناحق مجھے معذور کیا۔ میرے ماں باپ کی جان لی اور میری بہن کی آبرو لوٹی۔ اللہ انہیں غارت کرے میرے ملک کو ان کے نجس وجود سے پاک کرے۔ اسے آزادی دے اور ان کے تسلط سے نجات بخشے۔

جب سے انہوں نے ہماری زمین پر اپنے سبز قدم رکھے ہیں اندر باہر کا امن و سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی ہے افراتفری ہے شخصی اور قومی زندگی مفلوج

ہو کر رہ گئی ہے۔ ملک کا سارا نظام غارت ہو گیا ہے ہم پر جارحیت کر کے انہیں کیا ملا ہے؟"۔

سعد نے اس روانی اور عمدگی سے اپنی داستان سنائی کہ میں حیران رہ گیا۔ اس کی برجستہ گوئی نے مجھے بڑا متاثر کیا غم کی کیفیت اور بڑھ گئی میں نے اسے پیار کیا اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

"بیٹا! یہ وقت کی گردش ہے جو آتی جاتی ہے۔ ہمت سے کام لو، صبر کا دامن تھامو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ وہ ضرور تم پر اپنی رحمت فرمائے گا۔ یہ سب قدرت کے فیصلے ہیں اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر و ہمت عطا فرمائے اور آپ کے والدین اور باجی کی مغفرت کرے"۔

انہیں دیکھ کر اور بچے بھی اپنی اپنی بپتا سنانا چاہتے تھے۔ لیکن ہمارے پاس اب کچھ اور سننے کا حوصلہ اور ہمت نہ تھی اور دوسرا وقت نہیں تھا۔ میجر سیمز نے واپس جانا تھا۔ اس لیے ہم نے باقی بچوں سے معذرت کی اور ان سے اجازت لی۔ ہسپتال سے باہر نکل کر میں نے میجر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ وہ جلد اپنے دفتر پہنچنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہم سے رخصت لی اور ہمارا شکریہ ادا کیا۔ ہسپتال سے نکل کر میجر صاحب نے اپنے ہیڈ کوارٹر کا رخ کیا اور ہم نے ہوٹل کی راہ لی۔

ہوٹل پہنچ کر پہلے تو ہم نے چائے پی کر اپنی تھکن دور کی۔ تازہ دم ہوئے تو سفارت خانے سے رابطہ کیا اور تقسیم کی رپورٹ لی۔ انچارج صاحب نے بتایا کہ تمام مقامات پر سیکورٹی کی وجہ سے امدادی سامان خیریت سے تقسیم ہو گیا ہے اور کہیں کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔ حق حقداروں کو آرام سے پہنچ گیا ہے۔ اس پر میں نے رب کریم کا شکریہ ادا کیا جس نے اپنے لطف و کرم سے ہمیں اپنے مقصد میں سرخرو کیا اور ہمیں کامرانی سے نوازا۔

میں نے اپنے صحافی دوست سے کہا: جناب! ہم اپنے فرض سے تو فارغ ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے پاس فرصت ہے۔ کیوں نہ صبح ناشتہ کے بعد مزارات پر حاضری دے لی جائے

اور کچھ روحانی تسکین کا سامان کرلیا جائے۔

انہوں نے میری بات سے اتفاق کیا اور کہا کہ اس سے بڑی سعادت اور نیکی کا کام اور کیا ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ہم صبح کا شیڈول طے کر کے سو گئے۔ صبح ہوئی تو آرام سے ناشتہ سے فارغ ہوئے اور اپنے نیک سفر پر نکلے۔ شیڈول کے مطابق پہلی حاضری حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دی۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کبار صوفیہ میں ہوتا ہے۔ آپ صوفیہ کے طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''آپ اہل کمال میں پہلے فرد ہیں جنہوں نے بغداد میں حقائق وتوحید کی بنیاد ڈالی، آپ روزگار معاش کے طور پر پرانی اور معمولی چیزیں فروخت کرتے تھے اس لیے سقطی کہلاتے تھے(1)۔ سقط گرے ہوئے پھل بیچنے والے کو کہتے ہیں''۔ نام سری اور کنیت ابو الحسن تھی۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا، مرید ہونے کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت و نیاز حاصل رہا۔ رشتے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے۔

ابتدا میں ایک دکان میں رہتے تھے اور اس میں پردہ ڈال کر روزانہ ایک ہزار نفل پڑھتے۔ کاروبار میں دس دینار پر صرف نصف دینار نفع کماتے تھے۔

ایک دفعہ بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی جہاں آپ کی دکان تھی، آپ کی دکان محفوظ رہی۔ آپ نے شکرانے کے طور پر دکان کا سارا مال صدقہ کر دیا۔ کسی نے آپ سے پوچھا،

1۔ شیخ فریدالدین عطار: تذکرۃ الاولیاء

آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟ فرمایا:

ایک دفعہ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ میری دکان پر تشریف لائے۔ ایک یتیم بچہ ان کے ساتھ تھا۔ مجھے حکم فرمایا اسے کپڑے لے دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے مجھے دعا دی اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے مراتب عطا کرے کہ تم دنیا کو اپنا غنیم تصور کرنے لگو''۔(1)

ایک مرتبہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک یتیم بچہ کفالت کے لیے آپ کے سپرد کیا اور آپ کے لیے دعا فرمائی: اغنی اللہ قلبک

''اللہ تعالیٰ تیرے دل کو غنا عطا کرے''۔ آپ فرماتے ہیں:

''بس اسی دن سے دنیا میرے لیے بے حقیقت ہوگئی''۔(2)

آپ بڑے عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ فرماتے:

''جتنی ہو سکے جوانی میں عبادت کرلو کہ یہی شباب کا زمانہ عبادت کے لیے موزوں ہے۔ مجھ سے عبرت حاصل کرو''۔(3)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے شیخ حضرت سری سے بڑھ کر کسی عابد و زاہد نہیں پایا۔ 98 برس کی عمر میں بھی میری نگاہوں نے آپ کو کبھی بستر پر لیٹے ہوئے نہیں دیکھا''۔(4)

آپ سنت رسول کے متبع اور شریعت محمدی کے پیرو تھے۔ خلاف شریعت کام سے پوری سختی اور زور سے لوگوں کو روکتے۔ ورع، تقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ دن میں کئی مرتبہ اس غرض سے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے کہ مبادا کسی گناہ کے باعث چہرہ سیاہ ہوگیا ہو۔ اکل حلال پر زور دیتے۔ مشتبہ مال سے پرہیز کرتے اور احتیاط برتتے، اپنے معاملات صاف رکھتے اور ان میں طلب کا شائبہ نہ آنے دیتے۔ دین کو روزگار اور طلب دنیا کے لیے

1۔ شیخ فریدالدین عطار: تذکرۃ الاولیاء
2۔ ابونعیم اصبہانی، حلیۃ الاولیاء
3۔ ابن جوزی: صفوۃ الصفوۃ
4۔ قشیری رسالہ

استعمال کے قائل نہ تھے۔ نہایت خلیق، ہمدرد، منکسر المزاج اور رقیق القلب تھے۔ اپنی پوری دکان متاثرین کی دلجوئی کے لیے تقسیم کر دی۔ فرمایا:

وددت أن حزن الخلق كلهم ألقى على

''میں چاہتا ہوں کہ خلق خدا کا سارا غم مجھے مل جائے اور اسے راحت نصیب ہو''۔(1)

روحانیت اور معرفت میں آپ اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ پر عشق رسول اور محبت الٰہی کا غلبہ تھا۔ آپ کو خواب میں دو فعہ دیدار الٰہی نصیب ہوا۔(2)

آپ کی پوری زندگی اطاعت الٰہی، اطاعت رسول اور اتباع شریعت سے عبارت تھی۔ آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ قول و فعل کے تضاد سے یکسر پاک تھا۔

ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا، جنید! محبت کیا ہے؟ انہوں نے اپنے طور پر محبت کا مفہوم بیان کیا۔ آپ نے اپنی کھال کھینچی، وہ ذرا بھی اوپر نہ اٹھی، اس پر فرمایا:

''مجھے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اگر میں یہ کہہ دوں کہ میری کھال محبت الٰہی میں سوکھ گئی ہے تو غلط نہ ہوگا''۔

یہ کہنا تھا کہ شدت وغلبہ کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو فرمایا:

''بندہ جب اس حال کو پہنچ جائے کہ اس کے سر پر خنجر اور تلوار چلے مگر اسے شعور و خبر تک نہ ہو تو تب محبت میں کامل ہوتا ہے''۔(3)

رمضان 253ھ میں اس درویش نے دنیا سے رحلت فرمائی اور واصل بحق ہوئے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کے مزار پر حاضری کی سعادت اور برکت حاصل ہوئی۔ آپ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ قرآن مجید کی کچھ سورتوں کی تلاوت کی، درود شریف پڑھا۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، پہلے

1۔ حلیۃ الاولیاء 2۔ صفوۃ الصفوۃ 3۔ ایضاً

آپ کی روح پاک کو تلاوت اور درود شریف ایصال ثواب کیا۔ پھر آپ کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں التجا کی:

''الٰہی! یہ تیرے نیک اور برگزیدے بندے ہیں۔ تو ان کے صدقے ہمیں بھی اپنی عبادت کا ذوق عطا فرما۔ ہمیں صفائے قلب عطا فرما۔ اپنی اطاعت، اپنے رسول کی اطاعت اور شریعت کی پیروی کی توفیق بخش۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ نصیب فرما۔ اپنی اور اپنے رسول کی محبت سے نواز۔ قول و فعل اور ظاہر و باطن کے تضاد سے بچا۔ اخلاص اور درد کی دولت سے بہرہ ور کر، عمل میں پاکیزگی اور صفائی پیدا کر۔

یا اللہ! مجھے، میرے گھرانے، میرے خانوادے، میرے شہر اور میرے وطن کو خیر و احسان سے بہرہ مند فرما، ہمیں سلامتی و سکون عطا فرما۔ امین''۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے حکیمانہ ارشادات اور ملفوظات ہیں چند تبرک کے لیے پیش خدمت ہیں:

☆ حسن خلق، خلق کو نہ ستانے میں ہے۔ اس کا رنج اٹھانا جوانمردی ہے۔

☆ بندہ اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک دین کو اپنی خواہشات پر ترجیح نہ دے۔

☆ جو حق تعالیٰ کا مطیع ہوتا ہے ہر چیز اس کی مطیع ہو جاتی ہے۔

☆ جو جس نعمت الٰہی کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ نعمت اس سے چھن جاتی ہے۔

☆ سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ تو اپنے نفس پر غالب رہے اس کی کوئی بری خواہش تجھ پر غلبہ نہ پا سکے۔

☆ محض کسی شک کی وجہ سے اپنے مومن بھائی سے الگ نہیں ہو جانا چاہیے یہاں تک کہ ظاہری طور پر اس کا کوئی گناہ نہ دیکھ لے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کا لطف سمیٹنے کے بعد سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری کی سعادت سے لطف اٹھانے

اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ آپ بلاشبہ اسلام کے بطل جلیل اور رجل عظیم تھے۔ علمی عظمت اور فنی جلالت میں آپ کی امامت و ریاست پر سب کا اتفاق ہے۔ اہل شریعت بھی آپ کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور ارباب معرفت بھی آپ کو اپنا مقتدا گردانتے ہیں۔ آپ شریعت و معرفت کے جامع تھے اسی لیے آپ کو سید الطائفہ کے معزز لقب سے پکارا جاتا ہے۔ نیز لسان القوم، طاؤس العلماء اور سلطان المحققین کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔(1)

اسم گرامی جنید اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ بغداد میں پیدا ہوئے اور یہیں پروان چڑھے۔ آباؤ اجداد نہاوند سے تعلق رکھتے تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم عربیہ، اسلامیہ، نقلیہ اور عقلیہ سب میں درک حاصل کیا حسین بن عرفہ جیسے فاضل محدث سے علم حدیث اور امام ابوثور جیسے جید فقیہ سے علم فقہ پڑھا۔ گویا بحر شریعت و طریقت کے شناور تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

ما أخرج الله إلى الأرض علما و جعل للخلق إليه سبيلا إلا وقد جعل لي فيه حظا و نصيبا (2)

"اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنے علوم ظاہر فرمائے ہیں اور ان کی طرف اپنی خلق کو راہ دکھائی ہے ان تمام علوم سے مجھے بہرہ مند فرمایا ہے"۔

باطنی علوم اور تربیت کی تکمیل اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ آپ کے علاوہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے مشائخ سے بھی کسب فیض کیا اور شرف صحبت و نیاز حاصل کیا۔

بزرگی کے آثار بچپن سے ہی آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ حقیقت و معرفت کے کئی امور آپ پر منکشف تھے۔ سات سال کی عمر تھی ماموں حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ حج کے لیے لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت چار سو مشائخ جمع تھے۔ ان میں شکر کے موضوع پر گفتگو چل پڑی۔ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا:

1۔ تذکرۃ الاولیاء 2۔ تاریخ بغداد، حلیۃ الصفوۃ

"بیٹا! اب تم بتاؤ، شکر کیا ہوتا ہے؟" آپ نے سر جھکایا اور عرض کی:

"شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنی نعمت عطا فرمائے تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے اور اس نعمت کو سرمایہ معصیت نہ بنائے۔(1)

اپنے ماموں و مخدوم کی طرح عابد و زاہد تھے۔ روزانہ تین سو رکعات نفل پڑھتے۔ 30 ہزار تسبیح پڑھتے۔ چالیس سال تک اپنے پہلوؤں کو بستر سے الگ رکھا۔ بارگاہ الٰہی سے آپ کو اسی علم نافع اور صالح کی برکت سے وہ مراتب عالیہ عطا ہوئے جو آپ کے زمانے میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوئے ہوں(2)۔

تیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں:

"جنید روزانہ دکان پر آکر پردہ لٹکا دیتے اور چار سو رکعات نفل پڑھ کر گھر لوٹتے"(3)

صوفیاء کے امام و مقتدا تھے۔ آپ نے یہ راہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اختیار کی۔ اس لیے فقر اور مجاہدے کو اپنا وظیفہ اور شعار بنایا۔ سنت رسول کے تتبع اور شریعت کے عامل تھے۔ دم واپسیں تک اس پر کاربند رہے اور سنت و شریعت احکام کی پاسداری کی۔

آپ فرماتے تھے:

الطريق إلى الله مسدود إلا على المقتفين بآثار رسول الله والتابعين لسنته ﷺ۔(4)

"لوگوں پر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہیں۔ سوائے ان پر جو رسول اللہ ﷺ کے نقوش پا پر چلنے والے ہیں اور آپ کی سنت کے پیرو ہیں"۔

عبادت الٰہی اس کی روح کے مطابق ادا کرتے۔ طبیعت میں محبت الٰہی کا بڑا غلبہ تھا۔ زندگی تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے وقف تھی۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ دین متین کی خدمت، اتباع سنت، عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں گزرا آخر میں آپ کا یہ ذوق و شوق اور

1۔ تذکرۃ الاولیاء 2۔ ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ
3۔ رسالہ قشیریہ 4۔ حلیۃ الصفوۃ

بڑھ گیا تھا۔

آخر یہ علم وحکمت کا آفتاب، حقیقت ومعرفت کا ماہتاب 298ھ میں غروب ہو گیا۔ آپ کے صاحبزادے قاسم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وصال کے بعد جعفر خلدی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ بتایا:

''پچھلی رات جو چند رکعات نماز پڑھتا تھا وہ کام آئی ہے''۔(1)

ہماری خوش نصیبی تھی کہ آج فقر وتصوف اور حکمت وشریعت کے اسی امام جلیل اور رجل عظیم کے مزار کے سامنے حصول فیض وبرکت کے لیے کھڑے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کیف وسرور کی مستی ہمیں اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ حضرت شیخ کی بارگاہ میں شرف نیاز ہمارے لیے بڑی سعادت تھی۔

مزار شریف مقفل تھا۔ اس لیے ہم نے باہر سے ہی سلام نیاز پیش کیا پھر فاتحہ اور قل شریف کا ہدیہ آپ کی روح مبارک کی نذر کیا۔ پھر آپ کے توسل اور تصدق سے بارگاہ الٰہی میں التجا کی:

''بار الٰہا! یہ تیرے بڑے مقبول اور برگزیدہ ہیں، تیرے بڑے صالح اور پیارے بندے ہیں۔ آپ کے وسیلے اور صدقے سے ہمیں اپنی جناب میں قبول فرما لے۔ ہمیں آپ کی سی پاکیزہ زندگی عطا فرما۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور تیرا رسول بھی۔

الٰہی! جیسے انہوں نے پاک، صاف اور ستھری زندگی گزاری ایسے ہی ڈھنگ سے ہمیں بھی زندگی بسر کرنے کی توفیق بخش۔ انہوں نے تیرے احکام کی تعمیل کی، تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی، شریعت پر عمل کیا تو تو نے انہیں اپنا عرفان عطا کیا اور اپنی رضا کی دولت سے نوازا۔

مالک! ہمیں بھی اپنے احکام کی تعمیل کی، اپنے نبی کی سنت کی اتباع کی اور شریعت پر عمل کرنے کی ہمت ارزانی فرما۔

3۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغدادی

یا اللہ! جو تیرے نیک بندے کے در پر آ کر تجھ سے مانگتا ہے تو تو اسے کبھی نامراد نہیں لوٹاتا۔ ہمیں تیرے اس بندے سے بڑا پیار ہے عقیدت ہے ارادت ہے جو ہمیں یہاں کھینچ لائی ہے اس پیار اور محبت کے طفیل ہمارے خالی دامنوں کو بھر دے ہمیں اپنی رضا عطا فرما دے۔ آمین''۔

دعا کے بعد کچھ بچیاں ہمارے پاس آئیں اور ہمیں کھجوریں پیش کیں۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

علم وحکمت پر مبنی آپ کے چند ملفوظات پیش خدمت کرتا ہوں جن میں بلاشبہ بڑے اسرار پنہاں ہیں۔

☆ ہمارا یہ علم تصوف رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پابند ہے۔

☆ ہماری کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن کریم ہے جو ساری کتابوں کی سردار ہے، نہایت جامع اور افضل ہے۔ ہماری شریعت تمام شریعتوں سے مکمل اور صاف ہے۔

☆ ہمارا طریق تصوف کا مدار قرآن وسنت پر ہے۔ جس نے قرآن نہیں پڑھا، حدیث نہیں سیکھی اس کی اقتداء جائز نہیں۔

☆ حقیقی تصوف یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت کو دو شمعوں کی طرح پکڑ لیں اور ان دونوں کی روشنی میں چلیں تاکہ شبہات اور ضلالت کے گڑھوں میں گرنے سے بچے رہیں اور بدعت کی تاریکی میں نہ پھنسیں۔

☆ اگر کسی شخص کو ہوا میں چار زانو بیٹھا ہوا دیکھو تو بھی اس کی پیروی اس وقت تک نہ کرو جب تک اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی میں اس کا عمل درست نہ پالو۔

☆ اللہ تعالیٰ کی نظر میں عام کو سب سے زیادہ گرانے والی چیز ان کے دل میں جاگزیں ہونے والی طمع ہے۔

☆ ہر وہ چیز جو دل کے قریب ہو اور اللہ کی یاد سے غافل کر دے، وہ دنیا ہے۔

☆ جب تم نفس کی مخالفت کرو گے تو اس کی بیماری ہی اس کا علاج بن جائے گی۔

☆اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے کہ لکھ لے، نہ شیطان کہ اسے خراب کرے اور نہ ہی نفس کہ اسے اپنی طرف مائل کرے۔

☆اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے اور اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھنے سے پیدا ہونے والی کیفیت کا نام حیاء ہے۔

☆تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے، سن کر وجد میں آنے اور سنت کی اتباع کرنے کا نام ہے۔

☆جو شخص اپنے لیے اچھی نیت کا باب کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے توفیق کے ستر دروازے کھول دیتا ہے اور جو بری نیت کا باب کھولتا ہے اس کے لیے ذلت و رسوائی کے ستر دروازے کھل جاتے ہیں اور اسے احساس تک نہیں ہوتا۔

☆تمام مدارج فاقہ کشی، ترک دنیا اور شب بیداری سے حاصل ہوئے۔

آپ کے مزار کے قریب ہی قریش قبرستان میں پیغمبر خدا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی مرقد انور تھی۔ لیکن تاریخی روایات اس کی نفی کرتی ہیں۔ تاہم وہاں بھی ہم حصول برکت اور فیض کے لیے حاضر ہوئے۔ بڑی شان کے پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی خدمت میں رہتے۔ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات میں جس نوجوان کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

امام صوفیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ طریقت و حقیقت کے جلیل القدر مقتدا اور پیشوا تھے۔ کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ اسم گرامی معروف، کنیت ابو محفوظ اور نسبت کرخی تھی کہ کرخ میں رہتے تھے۔ ایک نصرانی گھرانے میں پیدا ہوئے قدرت مہربان ہوئی اور بچپن سے ہی آپ کو اپنی معرفت اور محبت کے لیے چن لیا۔

ہوا یوں کہ والد نے عیسائی مکتب میں داخل کرایا۔ استاد نے سبق پڑھایا: ثالث ثلاثہ

(اللہ تین میں سے تیسرا ہے)

آپ نے پڑھا: بل ھو اللہ واحد (نہیں اللہ یکتا ہے)

استاد نے پھر یہی دہرایا جواب میں آپ نے اپنی بات دہرادی۔ استاد نے تنگ آکر زد و کوب شروع کر دیا۔ آخر آپ بھاگ کھڑے ہوئے حضرت امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ والدین آپ کے اس طرح چھوڑ جانے پر رنجیدہ رہنے لگے۔ والدہ جدائی میں روتی اور کہتی:

''باری تعالیٰ! میرے معروف کو بخیریت واپس گھر بھیج دے میں بھی اس دین کو اپنا لوں گی جو اس نے اختیار کیا ہے''۔

چنانچہ کئی سال بعد آپ گھر واپس لوٹے۔ اس خوشی میں والدین اور دوسرے اہل خانہ سب نے اسلام قبول کر لیا۔(1)

ایک عرصہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی رہے اور ان سے کسب فیض کیا اور باطنی فیوضات سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ بڑے پائے کے بزرگ اور صاحب علم و فضل تھے۔ ایک محفل میں کسی نے آپ کے علم و فضل میں کمی کی بات کی۔ حضرت امام احمد تشریف فرما تھے، آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا:

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ علم تو وہی ہے جو معروف کرخی نے حاصل کیا ہے''۔(2)

حضرت امام کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے آپ سے معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بارے پوچھا تو فرمایا:

''اصل علم تو انہی کے پاس ہے''۔(3)

ہمیشہ ذکر و مراقبہ میں رہتے اور فکر و تدبر کرتے رہتے۔ اپنے رب کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہوتے۔ صائم الدہر تھے۔ فرماتے:

''میں ہر صبح روزے سے ہوتا ہوں تاہم کوئی کھانے کی دعوت دے تو سنت کی تعمیل میں

1۔ صفوۃ الصفوہ 2۔ تاریخ بغداد 3۔ ایضاً

اسے قبول کرلیتا ہوں اور حال پوشیدہ رکھتا ہوں"۔

آپ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ خلق خدا پر بڑے مہربان اور شفیق تھے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتے اور نہ رنجیدہ کرتے۔ حلم اور بردباری کمال کی تھی۔ لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر عفو و درگزر کرنا شیوہ تھا۔ کبھی کسی پر ناراض نہ ہوتے۔ لوگوں کو ہمیشہ عمل صالح اور اتباع سنت کی تلقین و تاکید فرماتے۔ حکمرانوں سے کنارہ کش اور بیزار رہتے۔ اگر کوئی کسی بادشاہ کا ذکر کرتا تو ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرتے:

اللّٰھم لا ترنا وجه من لا تحب النظر إليهم (1) "الٰہی! ہمیں ان کا چہرہ نہ دکھانا جنہیں دیکھنا تجھے ناگوار لگتا ہے"۔

آپ فرماتے ہیں: جو یہ چاہتا ہے کہ اسے ابدال کا رتبہ حاصل ہو تو وہ روزانہ دس دفعہ یہ دعا پڑھا کرے:

اللّٰھم أصلح أمة محمّد، اللّٰھم فرّج عن أمة محمّد، اللّٰھم ارحم أمة محمّد ﷺ(2)

"الٰہی! اپنے محبوب سرکار محمد ﷺ کی امت کی اصلاح فرما، اسے کشادگی عطا فرما، اس پر اپنی رحمت فرما"۔

خوف وخشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پڑوسی قاسم بن محمد کا کہنا ہے کہ سحری کے وقت آپ کی گریہ وزاری کی آواز آتی اور روتے ہوئے یہ مناجات کر رہے ہوتے:

أی شئی ترید منی الذنوب شغفت بی فلیس عنی تغیب
مایضر الذنوب لو أعتقنی رحمة لی فقد علانی المشیب(3)

"تیرے گناہوں کو مجھ سے کیا سروکار، الٰہی! جب تیری محبت میرے اندر رچ گئی ہے۔ تو مجھ سے غائب تو ہے نہیں۔ اگر تو مجھے جہنم سے رہائی بخش دے تو یہ میرے گناہ مجھے کوئی ضرر نہیں دے سکتے۔ یہ مجھ پر تیری خاص رحمت ہوگی۔ مجھ پر بڑھاپا چھا گیا ہے"۔

1۔ حلیۃ الاولیاء 2۔ ایضاً 3۔ صفوۃ الصفوہ

آپ صاحب کشف وکرامت تھے۔ آپ کی کرامات میں سے ہے کہ اگر کسی سامان پر "این امانت حضرت معروف کرخی است" لکھ دیا جائے تو وہ نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔(1)

ایک روز شدید گرمی اور دھوپ تھی کچھ لوگ حاضر خدمت ہو کر بارش کے لیے دعا کے درخواست گزار ہوئے۔ فرمایا: آپ لوگ اپنی قمیضوں کو اتاریں۔ انہوں نے ابھی اپنی قمیضیں بھی پوری نہیں اتاری تھیں کہ بارش شروع ہوگئی۔(2)

200ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

"حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور پر حاضری حاجات کو پورا کرنے کا مجرب نسخہ ہے۔ جو شخص آپ کی مرقد انور کے پاس سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری فرمائے گا۔ جو پریشان حال آپ کے مزار پر حاضری دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وہ پریشانی دور فرما دیتا ہے"۔(3)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ و مرید نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ عرش کے نیچے بے خود پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی، واللہ اعلم، فرمایا:

"یہ معروف کرخی ہے۔ میری محبت کے نشے میں چور ہے۔ اب یہ میری ملاقات کے بغیر ہوش میں نہیں آئے گا"۔(4)

آپ اپنی زندگی میں اکثر یہ دعا مانگا کرتے:

اللّٰھم لا تجعلنا ثناء الناس مردودین ولابستر مفتونین واجعلنا ممن یؤمن بلقائک ویرضی بقضائک ویقنع بعطائک و یخشاک حق خشیتک. اللّٰھم أوف ظنون المسلمین فینا وفقنالوفاء ظنونهم واجعلنا خیرا مما یظنون ولا تواخذنا بما

1۔ محمد محب اللہ نوری: سفر محبت 2۔ تاریخ بغداد
3۔ تاریخ بغداد 4۔ رسالہ قشیریہ

یقولون أنت تعلم وهم لا یعلمون، آمین (1)

ہم نے بھی آپ کی روح پاک میں سلام عرض کرنے اور فاتحہ شریف پڑھنے کے بعد آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ نیز اپنے لیے، اپنے گھر کے لیے، اپنے آستانے کے لیے، اپنی قوم کے لیے اور اپنے ملک کے لیے عافیت، امن اور خیر وسلامتی کی دعا کی۔

آپ کا ایک خوبصورت ملفوظ ملاحظہ ہو:

''اعمال صالحہ کے بغیر جنت کی طلب، اتباع سنت کے بغیر شفاعت کی امید اور نافرمانی کے بعد رحمت کی تمنا حماقت ہے''۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دولت نیاز حاصل کرنے کے بعد عالم اسلام کے عظیم سکالر اور فلسفی حجۃ الاسلام، زین الدین اور امام علم وحکمت حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دی۔ آپ 450ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی محمد اور کنیت ابو حامد تھی۔ والد ماجد اون کاتنے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس وجہ سے یا غزالہ نامی بستی سے نسبت ہونے کی وجہ سے غزالی مشہور ہوئے۔

راوی کہتے ہیں: والد گرامی کو علم اور علماء سے بڑی عقیدت تھی۔ فقہاء کی خدمت میں ہوتے تو دل میں خواہش کرتے بیٹا ہو تو اسے فقیہ بناؤں گا اور اگر صوفیہ کی صحبت میں ہوتے تو حسرت کرتے کہ بیٹے کو صوفی بناؤں گا۔ تڑپ اور درد سچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے دو بیٹے عطا فرمائے: محمد اور احمد۔ محمد فقیہ بن کر حجۃ الاسلام ٹھہرے اور احمد صوفی اور واعظ بنے۔

امام یافعی فرماتے ہیں:

هو الحبر الذی باهی به المصطفی سید الأنام ﷺ موسیٰ و عیسیٰ علیهما أفضل الصلوٰة والسلام (2)

1۔ عفوۃ الصفوۃ 2۔ یافعی: مرآۃ الجنان

''جناب امام غزالی وہ عالم ہیں سرور عالم ﷺ نے جنہیں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے سامنے فخر سے پیش کیا''۔

امام شاذلی ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں محو خواب تھے۔ دیکھا تمام انبیاء ورسل سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ دوران گفتگو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: آپ کا فرمان ہے:

علماء أمتی کأنبیاء و بنی إسرائیل

ازراہ لطف وکرم اپنا ایسا کوئی عالم تو دکھایئے۔ آپ نے امام غزالی کی روح کو حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ آپ کی روح حاضر ہوئی۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے آپ کا نام پوچھا: آپ نے دس پشتوں کے نام عرض کر دیئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: بھئی میں نے صرف آپ کا نام پوچھا تھا اور آپ نے اپنا شجرہ شروع کر دیا''۔ آپ نے عرض کی: حضور! آپ نے بھی تو رب کریم کے سوال: ماتلک بیمینک یا موسیٰ کے جواب میں بہت کچھ فرمایا تھا کہ یہ میرا عصا ہے۔ اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں۔ اس سے اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور بھی اس سے بہت سے کام لیتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے آپ کو چھڑی سے روکا، حد ادب، پیدائش کے وقت اس کا نشان آپ کی پشت پر موجود تھا(1)۔

آپ کی عظمت ورفعت اور شان وجلالت پر دلیل کے لیے یہ واقعہ ہی کافی ہے۔

نیشاپور میں امام ابو نصر اسماعیلی اور امام الحرمین سے کسب فیض کیا اور تعلیم وتربیت حاصل کی۔ امام الحرمین نے آپ کے بارے فرمایا:

الغزالی بحر مغرق (غزالی علم کا بحر عمیق ہے)(2)

34 سال کی عمر میں جامعہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یہ اعزاز آپ کے علمی مقام اور فنی وجاہت کا بین ثبوت ہے۔ منطق، فلسفہ، فقہ، کلام اور دوسرے علوم میں نجم تاباں بن کر طلوع ہوئے اور انمٹ نقوش چھوڑے۔ جب درس وتدریس سے طبیعت اکتا

1۔ اسماعیل حقی: روح البیان 2۔ سفر سعادت

گئی تو حقیقت و معرفت کی راہ پر چل نکلے اور اس میں بھی اپنا نام کمایا۔ کامل زہد کی زندگی اپنائی اور اپنے شب و روز لوگوں کے قلوب کی صفائی کے لیے وقف کر دیے۔

آپ نے صرف 55 سال کی عمر پائی۔ اتنی زندگی میں آپ نے وہ علمی و فکری شاہکار چھوڑے ہیں کہ عقل انسانی دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ نے چالیس جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر ''یاقوت التاویل'' لکھی جو ابھی تک غیر مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت، منہاج العابدین، المستصفی، جواہر القرآن، تہافہ الفلاسفہ وغیرہ آپ کے قلم کے شاہکار ہیں۔ ان میں احیاء العلوم کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل اسلام کو جتنا فائدہ امام غزالی کی کتابوں سے پہنچا ہے شاید ہی کسی اور عالم کی کتابوں سے اتنا فائدہ حاصل ہوا ہو۔ آپ کا انداز تحریر نہایت موثر اور دل میں اترنے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جب آپ التحیات پڑھتے ہوئے: السلام علیک أیها النبی، پر پہنچیں تو اپنے دل میں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو حاضر تصور کرتے ہوئے عرض کریں:

السلام علیک أیها النبی ورحمة الله و برکاته(1)

چنانچہ پہلے آپ کی روح اقدس کی خدمت میں سلام پیش کیا اور پھر فاتحہ اور قل شریف پڑھے ایصال ثواب کیا۔ آپ کی روح مبارک کی خدمت میں سلام عرض کر کے آپ کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

''یا اللہ! اپنے اس بندے کے صدقے ہمیں بھی دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما، سمجھنے کے بعد اس پر عمل کی چاشنی سے لطف اندوز کر۔ یا اللہ! تیرے اس بندے نے پہلے دین پڑھا، اسے سمجھا پھر اسے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد کے ذریعے پھیلایا۔ ہمیں بھی اسی طرح دین پڑھنے، سمجھنے اور پھیلانے کی توفیق دے۔

1۔ غزالی: احیاء علوم الدین

باری تعالیٰ! میرے والد ماجد حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے طلبہ اور غوثیہ گرلز کالج کی طالبات کو آپ کی فکر کا امین بنا۔ آپ کی علمی وراثت کا وارث بنا۔ انہیں آپ کے طریقہ کا راہرو بنا۔ انہیں تلقین غزالی سے بہرہ یاب کر۔ یا اللہ! ہمیں آپ کے صدقے دین کا سچا خادم بنا اور ہم سے بھی اپنے دین کی خدمت لے۔ ہمیں اس کی توفیق بخش۔ امین''۔

آپ نے 505ھ میں اپنے آبائی گاؤں طوس میں وصال فرمایا۔ مزار بغداد میں ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار حکیمانہ ارشادات اور ملفوظات فرمائے۔ یمن و برکت کے لیے چند ہدیہ خدمت ہیں:

☆ تین چیزیں انسان کو تباہ کرتی ہیں: حرص، حسد اور غم۔

☆ جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام عضو گناہ میں پڑ جاتے ہیں۔

☆ اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا جہالت ہے۔ دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے۔

☆ زکوٰۃ نعمت مال کا شکر ہے اور نماز، روزہ اور حج بدن کی نعمتوں کا شکر ہے۔

☆ اگر مقبول الدعا بننا چاہتے ہو تو لقمہ حلال کے سوا اپنے پیٹ میں کچھ نہ ڈالو۔

☆ حوادث و آفات زمانہ کو برا بھلا کہنا گویا اللہ تعالیٰ کو سب و شتم کرنا ہے۔

☆ دوسروں سے ایسا معاملہ کرو جو ان کی طرف سے اپنے حق میں پسند کرتے ہو۔

☆ جو کافی مال رکھتا ہو اس کے لیے کسب کرنے سے عبادت کرنا بہتر ہے۔

☆ جب تک تم علم کو اپنا سب کچھ سپرد نہ کر دو وہ تمہیں اپنا کچھ نہیں نوازے گا۔

☆ ضروری ابتدائی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

☆ ہر بستی میں ایسا عالم دین ہونا ضروری ہے جو علوم و فنون کا ماہر ہو تا کہ لوگ مشکلات میں اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

☆ غریب مہمان کے لیے قرض لے کر بھی کھانے کا تکلف کرو۔

☆ اپنے آپ کو بڑا جاننا حقیقت میں خدائے اکبر سے لڑنا ہے۔ کیونکہ بڑائی اور کبریائی

صرف اسی کو سزاوار ہے۔

☆ مال حرام سے صدقہ دینا یا نیک کام کرنا ایسا ہے جیسے پلید کپڑے کو پیشاب سے دھونا۔

☆ کسی فقیر یا عزیز کو صدقہ دے کر نہ جتاؤ بلکہ اس کے احسان مند رہو کہ اس نے اسے قبول کر کے تمہارے لیے سامان آخرت کیا ہے۔

☆ تنگ دست قرض دار کو معاف کرنا یا مہلت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لاتا ہے۔

☆ نماز میں حضور قلب یہ ہے کہ جو کلام پڑھے اس کے معانی سمجھے اور ان پر اپنا خیال جمائے۔

☆ ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرے، دل سے تصدیق کرے اور اپنے اعضاء سے اس کے حکموں پر عمل کرے۔

☆ جو شخص صدقے کے ثواب کا فقیر یا عزیز سے زیادہ خود کو محتاج نہ سمجھے اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

☆ اہل و عیال کو صلاحیت سے رکھنا اور انہیں دین و ادب سکھانا جہاد سے افضل ہے۔

☆ سب سے بڑی دولت زبان ذاکر، دل شاکر اور زن فرمانبردار ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

اگلے روز کاظمیہ کی سیاحت اور زیارات کا پروگرام تھا۔ جیسے ہی دجلہ کا پل کراس کریں، سامنے حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا دربار گوہر بار دکھائی دیتا ہے جس کے سنہری گنبد اور میناروں کی آب و تاب زائرین کو دعوت نظارہ دے رہی ہوتی ہے۔ آپ کی نسبت سے ہی یہ علاقہ "کاظمیہ" کہلاتا ہے۔ آپ ہی اس علاقے کی مرکزی ہستی ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے پوتے امام تقی جواد رحمۃ اللہ علیہ بھی آسودہ خواب ہیں۔ پر رونق علاقہ ہے۔ بڑے بڑے ہوٹل اور مارکیٹیں زائرین کے لیے کشش رکھتی ہیں۔

یہ علاقہ کسی زمانے میں 4 میل کی مسافت پر شہر کی نواحی بستی تھی۔ اب شہر پھیل کر اس سے بھی آگے تک چلا گیا ہے۔ اس وقت زائرین کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کر کے یہاں

زیارت کے لیے آتے تھے۔ اب دریا کے اوپر خوبصورت پل بنے ہوئے ہیں۔ حضرت امام صاحب کا مزار نہایت خوبصورت ہے۔ اردگرد چار دیواری اور کھلے دالان ہیں۔ دیواروں پر شیشے اور فانوس لگے ہوئے ہیں۔ اوپر حسین سنہری گنبد اور مینار ہے۔ دربار کے ساتھ وسیع و عریض آستانہ عالیہ ہے جو ظاہری شان و شوکت کا مالک بھی ہے اور روحانی عظمت و رفعت کا مظہر بھی۔ بڑے دروازے پر "اللہ..... محمد..... الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ و ابنا رسول اللہ" برقی قمقموں سے مزین آویزاں ہیں۔ دروازے کے وسط میں جلی قلم سے "باب المراد" لکھا ہوا ہے۔

کہتے ہیں جب کسی زائر کی اس پر نگاہ پڑتی ہے تو اس پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسے ایسے لگتا ہے جیسے مقصود اس کے ہاتھ میں آ گیا ہے وہ اپنی منزل مراد پر پہنچ گیا ہے۔ ہماری خوش بختی اور بلند اقبالی تھی کہ اس درگاہ بیکس پناہ میں حاضری کا شرف پا رہے تھے جہاں سے کوئی سائل محروم نہیں لوٹتا اپنا خالی دامن بھر کر ہی لے جاتا ہے۔

آپ 29-128ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی موسیٰ اور کنیت ابوالحسن تھی۔ امین، صابر، صالح اور کاظم القاب تھے۔ آخری لقب زیادہ مشہور ہوا اور پہچان بن گیا۔ چونکہ نہایت حلیم الطبع اور بردبار تھے۔ ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے، غصہ قطعی نہ فرماتے تھے اس لیے کاظم (غصہ پی جانے والے) مشہور ہو گئے۔ سید الشہداء امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑپوتے اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔

آپ ساتویں امام ہیں۔ نہایت جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ کردار و عمل میں یکتائے زمانہ تھے۔ صاحب کردار اور شب زندہ دار تھے۔ حجۃ الاسلام اور مقتدائے انام تھے۔ علم و فضل اور ذہانت و فطانت میں کوئی ثانی نہ تھا۔ حاضر جوابی اور تیز فہمی میں کوئی جواب نہ تھا۔ حکمت و معرفت میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آخر باب مدینۃ العلم جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید نے سوال کیا، آپ خود کو اولاد رسول کہتے ہیں حالانکہ آپ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے کہ نسب دادا سے چلتا ہے نانا سے نہیں۔ آپ نے اسی وقت جواب میں یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ

(الانعام)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اولاد انبیاء میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ بن باپ تھے۔ یہاں آپ کو والدہ کی نسبت سے ذریت انبیاء میں شامل کیا گیا ہے۔ سو اس طرح ہم بھی اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نسبت سے رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں نیز جب رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ کو دعوت مباہلہ دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ (آل عمران:61)

تو آپ نے جناب علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنے ہمراہ لیا۔ اس آیت کی رو سے تو حضرت حسن اور حسین رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں اور ہم ان کی اولاد سے ہیں۔(1)

سخی اور کریم خانوادے سے تعلق تھا اس لیے خوب جود و سخا فرماتے۔ کوئی سوالی در پر آ جاتا تو اسے اتنا دے دیتے کہ بے نیاز کر دیتے۔

فیاضی کا یہ عالم تھا کہ دیناروں کی تھیلیاں بنا کر اپنے پاس رکھی ہوتی تھیں۔ عراق کے لوگ آپ کو باب حوائج إلی اللہ سمجھتے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ آپ کے وسیلے سے جو بھی اللہ تعالیٰ سے حاجت مانگی جائے اللہ وہ پوری کرتا ہے۔ فقہ شافعی کے بانی حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

1۔ احمد علی سہارنپوری: حاشیہ مشکوۃ المصابیح

قبر موسیٰ الکاظم ترياق مجرب لإجابة الدعاء

''جناب امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اجابت دعا کی قبولیت کے لیے تریاق اور مجرب ہے''۔

آپ کی قد آور شخصیت، روحانی سیادت اور علمی قیادت سے ایوان خلافت پر لرزہ طاری رہتا۔ حکمران مرعوب رہتے، انہیں اکثر بدگمانی گھیرے رکھتی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں آپ طویل عرصے تک قید و بند میں رہے۔ ایک رات خواب میں رسول اللہ ﷺ نے رہائی کے لیے یہ دعا تلقین فرمائی:

يا سامع كل صوت و ياسابق فوت ويا كاسي العظام لحما و منشرها بعد الموت اسئلك باسمائك الحسنى وباسمك الأعظم الأكبر المخزون المكنون الذي لم يطلع أحد من المخلوقين يا حليما ذا إناء ة لا يقوى على إناء ته ياذا المعروف الذي لا ينقطع أبدا ولا يحصى عددا فرج عني

ادھر آپ نے یہ دعا پڑھی ادھر سوتے میں ہارون نے دیکھا، ایک شخص نیزہ تانے اس کے سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ امام موسیٰ کو ابھی رہا کر دو ورنہ اس نیزے سے تیرا کام تمام کر دوں گا۔ گھبرا کر اٹھا محل کے نگران کو بلا کر امام صاحب کی رہائی کی ہدایت کی اور تیس ہزار درہم خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا(1)۔

آپ نے ایک دفعہ بیت اللہ میں ہارون سے کہا:

أنا إمام القلوب وأنت إمام الجسوم(2)

''میں دلوں کا امام ہوں اور تو ہارون! جسموں کا حاکم ہے''۔

رجب المرجب 183ھ کو جیل میں ہی زہر خورانی سے آپ نے اپنے خالق کو لبیک فرمائی اور دنیا سے رحلت فرمائی۔

مجسم ادب و نیاز اور سراپا احترام و محبت بنے اس عظیم ہستی، خانوادہ رسالت کے گل

1۔ ابن خلکان: وفیات الاعیان 2۔ ہیتمی: الصواعق المحرقہ

سرسبد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بڑا پرسکون اور پر کیف ماحول تھا۔ حضوری کی کیفیات وارد ہو رہی تھیں۔ نور و رحمت نے حصار کھینچ رکھا تھا اور کیف و سرور نے ہالہ بنا رکھا تھا۔ سلام نیاز، فاتحہ و قل شریف کا ہدیہ پیش کرنے کے بعد جیسے ہی کچھ مانگنے کی باری آئی تو زبان پر شیخ سعدی کی یہ مشہور رباعی آگئی ؎

خدایا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامان آل رسول

اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے، اپنے خاندان کے بچوں اور بچیوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی درخواست کی، اہل بیت کی محبت کی درخواست کی، نیز اپنی بہنوں کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے اسوہ پر چلنے کی گزارش کی۔

حضرت امام تقی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

کاظمیہ میں دوسری بڑی ہستی حضرت امام محمد جواد تقی ہیں، آپ نویں امام ہیں۔ اسم گرامی جواد کنیت ابو جعفر تھی اور لقب تقی تھا۔ آپ کا مزار بھی یہیں آپ کے دادا حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ 195ھ میں پیدا ہوئے۔ عمر مبارک 25 سال تھی کہ 220ھ میں عین عالم شباب میں داعی اجل کو لبیک کہی۔ عباسی خلیفہ معتصم کا زمانہ تھا، مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے آئے یہیں وصال فرمایا اور اپنے جد امجد کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔

حضرت امام تقی بھی خانوادہ رسالت کے چشم چراغ ہونے کی وجہ سے علم و حکمت کے بحر ذخار اور دریائے حقیقت و معرفت کے شناور تھے۔ جلیل القدر امام، عظیم محدث اور بلند پایہ عالم تھے۔ ورع و تقویٰ، صفائے نفس، پاکیزگی روح میں ارفع مقام اور مرتبہ تھا۔ دانش و بزرگی کے آثار اور اقبال و ارجمندی کے نشان بچپن میں ہی ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ابھی صرف نو سال کے تھے۔ مامون الرشید کا زمانہ تھا۔ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھے۔ پاس سے مامون کی سواری گزری۔ سارے بچے خلیفہ کے رعب سے منتشر

ہو گئے مگر آپ اپنی جگہ بدستور کھڑے رہے۔ مامون نے پوچھا:

"لڑکے! اپنے ساتھیوں کی طرح تو کیوں نہیں بھاگا؟" بولے:

"میں اس لیے نہیں بھاگا کہ ایک تو راستہ تنگ نہیں تھا کہ میرے بھاگنے سے کشادہ ہو جاتا۔ دوسری یہ کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ آپ کے خوف سے بھاگنا پڑتا اور تیسری یہ کہ مجھے حسن ظن ہے کہ آپ بلاوجہ کسی کو کچھ نہیں کہتے"۔

مامون آپ کی اس جرأت، بصیرت اور حاضر جوابی سے بڑا متاثر ہوا۔ پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے، کس کے بیٹے ہو؟ جواب دیا:

"میرا نام محمد ہے، امام علی رضا کا بیٹا اور امام موسیٰ کاظم کا پوتا ہوں"۔

اس کے بعد مامون آگے بڑھ گیا اور جنگل کا رخ کیا۔ اپنے ایک باز کو تیتر کے شکار پر چھوڑا جب وہ شکار لے کر واپس پلٹا تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا کہ باز کے منہ میں تیتر کی بجائے ایک چھوٹی سی مچھلی تھی۔ مامون واپس اسی راستے سے گزرا۔ بچے کھیل رہے تھے اور مامون کو دیکھ کر بھاگ گئے اور آپ بدستور کھڑے رہے۔ مامون نے قریب پہنچ کر آپ سے پوچھا: بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ بولے:

"امیر المومنین! یہ دریائے قدرت میں پیدا ہونے والی ایک چھوٹی سی مچھلی ہے جسے آپ شکار کر کے لائے ہیں اور اہل بیت کے ایک فرزند کا امتحان لے رہے ہیں"۔

اس پر مامون نے کہا آپ واقعی امام علی رضا کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کو اپنے ساتھ لیا اور بڑی عزت و تکریم کی۔ جب اس پر آپ کے علم و فضل کی پوری حقیقت کھلی تو اس نے اپنی بیٹی کو آپ کے عقد میں دینے کا ارادہ کیا۔ بنو عباس کو معلوم ہوا تو انہوں نے مخالفت کی مامون نے انہیں بتایا:

یہ اپنی کم عمری اور صغر سنی میں بھی مجمع کمالات ہیں ان کی ذات علم و حکمت کی جامع ہے۔ میں نے ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ بنو عباس نے کہا: درست، مگر سب کے سامنے علم و فضل کا امتحان لیا جائے تب ہم اس رشتے پر راضی ہوں گے۔ چنانچہ

امتحان کے لیے قاضی یحییٰ بن اکثم کا انتخاب ہوا آپ کو بہترین نشست پر بٹھایا گیا۔ دونوں طرف اعیان سلطنت اور ارکان دولت اپنی اپنی مسندوں پر براجمان تھے۔ قاضی صاحب نے آپ سے بڑے مشکل اور دقیق مسائل پوچھے اور آپ نے بڑی آسانی اور سہولت سے ان کے جواب دیے۔ آخر میں مامون نے کہا محمد! آپ نے قاضی کے تمام سوالوں کے جواب دے دیے ہیں اب آپ بھی قاضی صاحب سے کوئی سوال کریں۔ آپ نے قاضی صاحب سے پوچھا: ''صبح کے وقت ایک مرد نے ایک عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھا حالانکہ وہ اس وقت اس پر حرام تھی۔ سورج طلوع ہوا تو وہ اس پر حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت پھر وہ اس پر حرام ہوگئی، عصر کا وقت ہوا تو پھر حلال ہوگئی، غروب آفتاب کے وقت پھر حرام تھی جب کہ عشاء کے وقت ایک بار پھر حلال ٹھہری۔ آدھی رات ایک دفعہ پھر حرام ہوئی لیکن فجر کے وقت حلال ہوگئی۔ آپ اس بارے کیا فرماتے ہیں''؟

قاضی صاحب آپ کا سوال سن کر حیرت میں ڈوب گئے۔ آخر اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: یہ مسئلہ مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا:

''سویرے وہ عورت کنیز تھی اس لیے مرد پر حرام تھی۔ سورج طلوع ہونے پر اس نے اسے خرید لیا اس لیے حلال ہوگئی ظہر کے وقت اسے آزاد کر دیا پھر وہ اس کے لیے حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت اس سے نکاح کر لیا حلال ہوگئی۔ غروب کے وقت اس سے ظہار کیا، حرام ہوگئی، عشاء کو کفارہ ادا کر دیا، حلال ہوگئی، نصف رات کو طلاق رجعی دی، حرام ہوگئی اور فجر کو رجوع کر لیا لہٰذا پھر حلال ہوگئی''۔

مسئلہ کی وضاحت سن کر مامون اور حاضرین سب متعجب ہوئے اور آپ کو داد و تحسین دی۔ چنانچہ اسی مجلس میں مامون نے حسب ارادہ اپنی لڑکی ام الفضل کا آپ سے نکاح کر دیا۔ بعد میں بہت بڑی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس پر انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔(1)

1۔ الصواعق المحرقہ

حضرت امام صاحب کچھ عرصہ بغداد میں رہے پھر مدینہ منورہ میں چلے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ ایک دفعہ ام الفضل نے اپنے خلیفہ باپ مامون سے شکایت کی کہ محمد مجھ سے کنیزوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں مجھے خلیفہ کی بیٹی کی حیثیت نہیں دیتے۔ جواب میں مامون نے کہا: بیٹی میں نے تیرا نکاح ان سے اس لیے نہیں کیا کہ تو ان پر اللہ کی حلال کردہ باتوں کو حرام کر دے۔ آئندہ ہرگز ایسی شکایت نہ کرنا۔(1)

اہل علم اور اصحاب نے آپ کے بڑے حکیمانہ ارشادات اور ملفوظات نقل کیے ہیں چند تبرک کے طور پر ہدیہ خدمت ہیں:

☆ دین عزت ہے، علم خزانہ ہے، سکوت نور اور عزلت زہد ہے۔

☆ جو اللہ تعالیٰ پر یقین اور توکل رکھتا ہے وہ اسے ہر برائی سے نجات دیتا اور دشمن سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ دعا سے مصائب دور ہوتے ہیں۔

☆ تین باتیں رضائے الٰہی کا وسیلہ ہیں، کثرت استغفار، کثرت صدقہ اور حلم و بردباری۔

☆ جو ان تین باتوں کا التزام کرے وہ کبھی شرمندہ نہیں ہوگا: ترک عجلت، مشاورت اور عزم بالجزم و توکل۔

☆ حرص اور طمع کرنے والا ذلت میں گرفتار ہوتا ہے۔

☆ بابرکت مختصر زندگی بے برکت لمبی زندگی سے بہتر ہے۔

☆ ظالم، اس کے معاون، ظلم پر راضی رہنے والے سب برابر کے مجرم ہیں۔

☆ حسن و جمال زبان میں اور اوج و کمال عقل میں ہوتا ہے۔

☆ فقر کی زینت عفت، مصیبت کی شکر، حسب و نسب کی انکسار و تواضع، کلام کی فصاحت و بلاغت، روایت کی حفظ و ضبط، حلم کی نرم خوئی، ورع کی حسن ادب اور ترک لایعنی اور قناعت کی خندہ روئی میں ہے۔

1۔ سید مومن شبلی: نور الابصار

سراپا ادب و نیاز اور مجسم احترام و عقیدت بنے آپ کی روح مبارک کی خدمت میں سلام نیاز پیش کرنے کے بعد آپ کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں اپنے ایمان کی سلامتی، اپنے اہل خانہ کی سلامتی، اپنے خاندان کی سلامتی اور ملک کی سلامتی کی استدعا کی اور التجا کی:

"بارالٰہ! میرے بچوں کو آپ ساپاکیزہ شباب عطا فرما اور انہیں زمانے کی غلط نظر سے محفوظ رکھ۔

اور بھی اولیاء، صوفیہ اور بزرگوں کے مزارت پر حاضری دی، طوالت کے خوف سے تبرک کے طور پر صرف انہی کا ذکر کیا ہے۔ بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ نجف اشرف میں شیر خدا، داماد رسول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اور کربلا معلیٰ میں سید الشہداء نواسہ رسول جناب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارک پر سلام نیاز کے لیے حاضر ہوتے لیکن حالات نے اجازت نہ دی۔ حکومت کی طرف سے ان مقامات کی زیارت پر پابندی تھی۔ اس لیے ہماری کم نصیبی، عراق میں ہوتے ہوئے بھی حاضری سے محرومی رہی۔ شاید رب کریم کو یہی منظور تھا۔ اس آس پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان پیاروں کے صدقے پھر حاضری کا موقع دے گا یہیں سے سلام عرض کیا، فاتحہ، قل اور درود شریف کا ہدیہ ارواح مبارکہ کو نذر کیا اور اپنی حاضری کی قبولیت کی درخواست کی۔ ہمیں امید ہے کہ ان کریموں نے کرم نوازی فرماتے ہوئے ہماری درخواست کو قبول کر لیا ہوگا اور ہماری حاضری لگا کر اپنے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات سے نوازا ہوگا۔

عمائدین شہر سے ملاقاتیں

فرصت کے وقت ہم نے بغداد کے کچھ عمائدین سے ان کی دعوت پر ان کے گھر جا کر ملاقات کی اور ان سے حالیہ امریکی جارحیت پر تبادلہ خیال کیا، اس سلسلے میں ان کی رائے اور تجزیہ معلوم کیا۔

ان میں نمایاں شیخ حسن تھے۔ ان کے محلے میں ہم نے ان کی رہائش کے قریب امدادی سامان تقسیم کیا۔ انہیں پتا چلا تو بہت خوش ہوئے۔ ہمارے پاس تشریف لائے اور

ہمارے اس جذبہ ہمدردی اور ایثار کی بڑی تعریف کی اور ہماری اس کاوش کو بڑا سراہا۔ خوش ہو کر ہمیں بڑی دعاؤں سے نوازا۔ مجھے فرمایا:

"میرے لیے سعادت اور اعزاز کی بات ہوگی اگر آپ ہمیں کچھ وقت دیں۔ یہیں ساتھ میری رہائش ہے۔ آپ فارغ ہو کر تشریف لائیں مجھے آپ کی میزبانی کر کے فرحت اور مسرت ہوگی"۔

میں نے ان کے خلوص کو دیکھتے ہوئے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان کے ہاں جانے کی ہامی بھر لی کہ جیسے ہی ہم اس کام سے فارغ ہوتے ہیں آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ آپ کی خدمت میں حاضری ہمارے لیے بھی اعزاز ہوگا۔

شیخ حسن مذہبی سکالر تھے۔ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ خوش طبع اور ملنسار تھے۔ شہر کی معروف اور بااثر شخصیات میں شمار ہوتا تھا۔ ان کا ہمیں اپنے گھر دعوت دینا کسی اعزاز سے کم نہ تھا اسے ہم نے اپنے لیے سعادت سمجھا۔

چنانچہ کام سے فارغ ہو کر شام کے وقت ان کے بتائے ہوئے پتے پر ان کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی۔ ایک بچہ باہر نکلا ہم نے اس سے شیخ صاحب کے بارے پوچھا، بولا: آپ اندر آ جائیں۔ بچہ ہمیں ڈرائنگ روم میں لے گیا اور بولا آپ یہاں تشریف رکھیں ابو اوپر ہیں ابھی کچھ دیر میں تشریف لاتے ہیں۔ ہم وہاں رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے اور ان کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں مشروب اور چائے آ گئی۔ ساتھ ہی شیخ صاحب بھی اپنی پروقار چال اور بارعب شخصیت کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ بڑے تپاک سے ملے، بڑے خوش ہوئے۔ محبت اور خلوص ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ پوچھا تقسیم کے کام سے بخیریت فارغ ہو گئے ہیں؟ کہا جی! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے توفیق دی اور ہم سے اتنا بڑا کام لیا ہے ورنہ ایک انسان کے بس میں کیا ہے، وہ کسی دوسرے کیلئے کیا کر سکتا ہے۔ مالک کی نظر ہو تو کچھ ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ بولے: آپ نے بجا فرمایا:

"اگر وہ اپنی نظر ہٹا لے تو سب بگڑ جاتا ہے، اجڑ جاتا ہے اور اپنی نظر کر دے تو بگڑا بھی

سنور جاتا ہے اور اجڑا آباد ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس کی نظر کی باتیں ہیں۔ مالک سب پر اپنی نظر رحمت فرمائے"۔

فرمایا: اگر طبع آمادہ ہو تو کھانے کا وقت ہے، کھانا لگایا جائے۔ میں نے کہا، شکریہ: ہم صرف آپ کا نیاز حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی اور مال میں برکت عطا فرمائے اور آپ کو اپنی عنایات سے اور نوازے۔

باہمی گفتگو چلی تو میں نے ان سے سوال کیا، آخر امت مسلمہ کے زوال اور پستی کے اسباب کیا ہیں؟ ان کے پاس وسائل کی بھی بہتات ہے وسائل اور دولت کی کوئی کمی نہیں۔ پھر پوری امت مسلمہ حالات اور مسائل کا شکار ہے کسی ملک میں امن نہیں، سکون کی زندگی نہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ اس کا کیا تجزیہ فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

"شاہ صاحب! اصل بات یہ ہے کہ اہل اسلام ابھی تک حقیقی آزادی سے محروم ہیں۔ وہ جسمانی اور ظاہری طور پر تو آزاد ہیں لیکن روحانی اور باطنی طور پر ابھی بھی غلام ہیں۔ ان کے ذہنوں اور دماغوں پر اغیار نے اپنے نظریات اور افکار کے پہرے بٹھا رکھے ہیں وہ وہی سوچتے اور کرتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں۔ حقیقی آزادی معاشی اور فوجی برتری میں مضمر ہوتی ہے۔ کوئی اسلامی ملک یا معاشرہ ایسا نہیں جسے معاشی اور فوجی برتری ایک ساتھ حاصل ہو۔ اگر کسی کے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اس کی اپنی فوج تک نہیں اور اگر کسی کے پاس سائنس و ٹیکنالوجی اور آزاد فوج ہے تو وہ دولت سے محروم ہے، اس کے پاس وسائل کی کمی ہے جس کی وجہ سے یہ آزادی کی نعمت سے حقیقی طور پر بہرہ مند نہیں ہوتے اور اپنے مسائل کے حل کے لیے دوسروں کی طرف دیکھنے اور ان سے تعلقات جوڑنے، ان کے ساتھ دوستی لگانے اور ان کے ساتھ معاہدے کرنے پر مجبور ہیں اور وہ اپنی من مانی شرائط پر معاملات طے کرتے ہیں۔ جس سے مسلم امہ ذہنی طور پر ان کی محکوم اور غلام رہتی ہے اور اس کا ہر قدم پسپائی کی طرف جاتا ہے۔ جنگ عظیم کے بعد جتنے عرب ملک آزاد ہوئے ہیں سب کے پاس تیل کی بیش بہا دولت ہے، تیل کے ذخائر کا انبار ہے اس کے باوجود یہ سب ویسٹ کے

محتاج ہیں کہ ان کے پاس سائنس و ٹیکنالوجی ہے اور نہ فوج اور اسلحہ"۔

میں نے صدام کے بارے پوچھا، وہ آپ کی نظر میں کیسا حکمران تھا؟ فرمایا:

"صدام، اس میں کوئی شک نہیں ڈکٹیٹر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اچھا انسان اور ملک کا بہی خواہ اور قوم کا درد رکھنے والا حکمران بھی تھا۔ اس میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ جری اور نڈر سپاہی تھا۔ بیباک اور غیور مسلمان تھا۔ علم پرور اور علم دوست تھا۔ پورے عراق میں اس نے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جال بچھا دیا اور اپنی پوری قوم کو تعلیم یافتہ کر دیا دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا حکمران ہو جس نے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت پر اتنی توجہ دی ہو۔ اس کی ان کوششوں سے آہستہ آہستہ پوری عراقی قوم پڑھی لکھی ہو گئی اور ایک تعلیم یافتہ قوم میں بدل گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نے پورے ملک میں شاہراہوں اور سڑکوں کا جال پھیلایا۔ عوام کو روزگار کے وسائل مہیا کیے۔ انہیں پینے کے لیے صاف پانی فراہم کیا۔ اپنے دفاع کے لیے مضبوط اور طاقتور فوج تیار کی۔ تاریخی عمارات اور یادگاریں تعمیر کرائیں۔ ملک کو ایٹمی پاور بنانے کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کی۔ یہ اقدامات اس کے اچھا حکمران ہونے کی نشانی ہیں۔

اس کے بعد ہم نے ان سے رخصت کے لیے اجازت لی اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ ہمیں اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات سے نوازا۔ دروازے پر آ کر ہمیں الوداع کیا اور اپنی دعاؤں کی سوغات دی۔

دوسری شخصیت جن کی ملاقات اور قدم بوسی کے لیے ہم ان کے گھر حاضر ہوئے وہ شیخ احمد گیلانی تھے۔ ایک دن ان کی خدمت میں حصول فیض کے لیے حاضری دی۔ بڑے تپاک اور گرمجوشی سے سلام اور مصافحہ کیا۔ حضرت سید صاحب، حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے تھے۔ ملاقات میں آپ کے صاحبزادے اور بہو بھی شریک ہوئے۔ ان سے بھی گفتگو ہوئی پہلے ہماری مشروب اور کھجوروں سے تواضع فرمائی پھر بڑے مزے کے لذیذ کھانے سے ہمارے کام و دہن کی لذت کا سامان کیا باہمی گفتگو کا سلسلہ چلا تو آپ کی

بہو فرمانے لگیں امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر انہیں بڑا غصہ اور طیش تھا۔

''امریکہ نے ہمارے ملک پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ اس نے صدام سے بدلہ لیا ہے اس نے امریکہ کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی یہ غیرت اور حمیت امریکہ کو پسند نہ آئی اور اس نے ہمارے ملک پر چڑھائی کر دی۔ میں اپنے بیٹے کو بڑا ہونے پر بتاؤں گی کہ کس طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے تیرے ہنستے بستے وطن پر ننگی جارحت کی۔ تیرے شہروں کو آگ اور بارود میں جھونکا۔ کس طرح تیرے چمن کی رونق کو لوٹا اور اس کے حسن و جمال کو روندا۔ تو نے بڑے ہو کر امریکہ سے اس کا بدلہ لینا ہے اپنے ملک کا، اپنی قوم کا، اپنے شہر کا''۔

میں نے ان کے جذبے کو سراہا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی آرزو پوری کرے۔ آپ کا بیٹا مجاہد اسلام بن کر اسلام کے دشمنوں کے لیے قہر خداوندی ثابت ہو اور وہ اسلام کی عظمت و شوکت کا پرچم بلند کر سکے اور اپنے والدین اور خانوادے کا سر فخر سے اونچا کرے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ عراقی شہری امریکی قبضے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ عمومی طور پر وہ اس قبضے کو ناپسند کرتے ہیں امریکہ کا یہ دعویٰ کہ وہ عراقیوں کو ڈکٹیٹر سے نجات دلانے آیا ہے، یہ خیالات اس کی نفی کرتے ہیں۔ کسی عراقی نے امریکی قبضہ کو اپنے لیے نجات نہیں کہا، اسے اچھا نہیں کہا، امریکی فاتحین کا استقبال نہیں کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکی قبضہ ان کی نظر میں کھلی جارحیت ہے، جسے پسندیدگی کی سند نہیں دی جا سکتی۔ عوام صدام کے دور میں خوش اور آسودہ حال تھے وہ اسے پسند کرتے تھے، وہ ان کا ہیرو تھا۔ اس نے اپنے نازک ترین دور میں بھی اپنی قوم اور عوام کے حوصلے پست نہیں ہونے دیے ان کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ اپنی حب الوطنی اور رعایا پروری کے جذبے اور انتھک محنت سے قوم کا سر اونچا بلند کیا۔ کسی کے آگے جھک کر اپنی غیرت کا سودا نہ کیا اور قوم کو غیرت کی زندگی گزارنے کا خوگر بنایا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عراق ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور اس کا اقتصادی اور فوجی لحاظ سے مضبوط اور طاقتور ممالک میں شمار ہونے لگا۔ یہ سب امریکہ،

برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کا جھوٹا پروپیگنڈا تھا، جو بڑی چالاکی اور عیاری سے پوری دنیا میں میڈیا اور پریس کے ذریعے پھیلایا گیا تھا۔

دربار غوثیہ پر الوداعی حاضری

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضری سے انسان کو جو سکون قلب حاصل ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ صرف حاضری دینے والے ہی کو ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے آپ اولیاء و صوفیاء کے قطب المدار ہیں۔ آج تصوف کے جتنے سلسلے ہیں سارے بالواسطہ اور بلا واسطہ آپ سے آ ملتے ہیں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ یہ سب آپ ہی سے منسوب ہیں۔ ایک معلوم اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں کوئی 200 کے لگ بھگ سلاسل طریقت ہیں آپ کا فیض صرف عراق میں ہی نہیں پورے عالم اسلام میں پہنچا ہے۔ فرماتے ہیں:

أفلت شموس الأولين و شمسنا أبدا على أفق العلى لا تغرب

ہم سے پہلے لوگوں کی آفتاب غروب ہو گئے۔ لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افق فیض پر درخشاں رہے گا، وہ کبھی غروب نہ ہوگا۔ (1)

بغداد میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھا۔ تفسیر، حدیث اور دوسرے کئی علوم کی تدریس بھی فرمائی۔ مجاہدے اور ریاضتیں فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

تعلمت العلم حتى صرف قطبا
و نلت السعد من مولى الموالى (2)

''میں نے اس قدر علم حاصل کیا کہ مقام قطب پر فائز ہو گیا اور اپنے رب کی تائید سے سعادت ابدی کو پا لیا''۔

آپ کی تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے اسلام کو نئی زندگی عطا ہوئی۔ اس لیے محی الدین کے

1۔ قصیدہ غوثیہ: ہم سے پہلے لوگوں کے آفتاب غروب ہو گئے لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افق فیض پر درخشاں رہے گا، وہ کبھی غروب نہ ہوگا۔ 2۔ ایضاً

لقب سے نوازے گئے۔ شریعت وطریقت دونوں میں آپ کا بڑا بلند مرتبہ ہے۔ جلیل القدر علماء آپ کے در پر حاضر ہوئے اور اکابر صوفیہ آپ کی جلالت شان کے سامنے سرنگوں ہوئے۔ جتنی مقبولیت اور شہرت آپ کو نصیب ہوئی شاید ہی کسی بزرگ کے حصے میں آئی ہو۔ علم وفضل اور طریقت وحقیقت ہر دو میں آپ مکمل واکمل تھے اور شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب آپ کی علمی وروحانی جلالت کی شاہد ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی اور بہت سی کتب بھی زندگی کے اسرار ورموز کے در وا کرتی ہیں۔

تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ اگر عالم میں مسلمانوں کی اربوں تعداد ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ اور آپ جیسے دوسرے صوفیہ نے اسلام کی اپنے خون ناب سے آبیاری کی اور اس کی ترویج واشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

آپ حسنی حسینی سید تھے۔ 1077ء/471ھ میں ولادت ہوئی۔ شفقت پدری سے بچپن میں ہی محروم ہو گئے تھے۔ زندگی کا زیادہ حصہ بغداد میں گزرا۔ 1176ء/571ء بغداد میں ہی وصال فرمایا۔ وصال سے پہلے نصیحت فرمائی:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا، تقویٰ اور عبادت کو اپنا شعار بنانا، دامن توحید کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرنا''۔

بغداد میں ہمارا آج آخری روز تھا۔ آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ سیر وسیاحت اور زیارات سے بھی لطف اندوز اور بہرہ مند ہو چکے تھے۔ آج آخری دن تھا۔ سوچا دربار غوثیہ پر الوداعی حاضری دے لی جائے اور واپسی کے لیے اجازت بھی مانگ لی جائے۔ آخر میں ایک دفعہ پھر آپ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوا جائے۔

فاتحہ وقل شریف کا ہدیہ نذرانہ کرنے کے بعد آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی:

''یا اللہ! ہمیں اپنے ان پیاروں کی سی پاکیزہ زندگی عطا فرما۔ ہمارے ظاہر اور باطن کو پاک فرما، دنیا کی آلائشوں سے، نفس کی کدورتوں سے محفوظ رکھ، میرے ملک کی، قوم کی

حفاظت فرما، دشمن کی مکارانہ چالوں اور عیارانہ حرکتوں سے اسے بچا، ان کا ہر حربہ اور چال ناکام بنا۔ ان کے ناپاک ارادوں کو نیست ونابود کر۔ ہمیں اپنی محبت اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، صحابہ اور اہل بیت کی محبت عطا فرما، ان کے اسوہ پر چلنے کی توفیق بخش۔ ہمارے گناہوں سے پردہ پوشی فرما۔ ہماری کمزوریوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، قرآن مجید اور سنت رسول کے احکام کی اتباع کی ہمت عطا فرما۔

یا اللہ! تو نے ہم گنہگاروں پر کرم فرمایا اور اپنے اس پیارے بندے کے دربار پر حاضری کا موقع دیا۔ فیوضات وبرکات حاصل کرنے کی توفیق بخشی، ہم تیرا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ ہم تجھ سے امید رکھتے ہیں کہ تو آئندہ بھی ہم پر اپنا کرم فرماتا رہے گا اور ہمیں ایک بار پھر اپنے اس مقبول بندے کے دربار پر حاضری کا موقع عطا فرمائے گا۔

الٰہی! ہماری اس حاضری کو، ٹوٹی پھوٹی ہماری التجاؤں اور دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما، اسے ہماری بخشش اور نجات کا ذریعہ بنا۔ تزکیہ نفس کا وسیلہ بنا، پاکیزگی روح کا سبب بنا اور ہمیں آئندہ صاف، شفاف اور ستھری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما جیسے تیرے ان بندوں نے گزاری ہے۔ آمین بجاہ نبی کریم''۔

دن گزرنے کا پتا نہ چلا، اولیاء، صوفیہ اتقیاء اور صلحاء کے مزارات پر حاضری کی صورت میں ان کی صحبت کی نورانی گھڑیاں یونہی برق رفتاری سے گزر گئیں۔ بقول شاعر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
بوئے گل سیر ندیدم وبہار آخر شد

حاضری کے بعد سفارت خانے گئے۔ سفیر صاحب اور ان کے عملے کا شکریہ ادا کیا جن کے تعاون سے یہ اہم کام تکمیل پذیر ہوا۔ ان سے الوداعی ملاقات کی اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے رخصت لی۔

پروگرام تو یہی تھا کہ بغداد سے سیدھی لاہور کی فلائٹ مل جاتی۔ لیکن حالات کی وجہ سے بغداد ایئرپورٹ انٹرنیشنل پرواز کے لیے بند تھا۔ اس لیے مجبوراً ہمیں پھر ہائی روڈ پہلے

عمان جانا پڑا اور وہاں سے دبئی کے راستے لاہور ایئرپورٹ پر اترے اور اپنے آبائی وطن پاکستان پہنچے۔

خیر و عافیت سے گھر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جس نے مظلوم عراقی بھائیوں کی خدمت کی توفیق بخشی اور اپنے پیارے بندوں کے مزارات پر حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔

آخری بات

عراق اور عراقیوں میں بہت سی خاص باتیں بھی دیکھنے میں آئیں جو ان میں خصوصیات کا درجہ رکھتی ہیں۔

عراقی لوگ گھروں میں محفل میلاد پوری شان سے مناتے ہیں اور پر تکلف شاندار دعوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسجدوں میں اذان کے ساتھ یہ درود پڑھا جاتا ہے:

الصلوۃ والسلام علیک یا سیدنا یا رسول اللہ. الصلوۃ والسلام علیک یا حبیبنا یا حبیب اللہ۔

مزارات کو بوسہ دینے اور جالیوں کو آنکھوں سے لگانا عام معمول ہے۔

مزارات پر عموماً پھول نہیں ڈالے جاتے۔

مزارات اندر باہر سے سونے چاندی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔

اہل پاکستان کے لیے سبق

عراق پر امریکہ، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی اس ننگی جارحیت اور کھلی یلغار میں ہمارے لیے بہت سے سبق اور پیام پنہاں ہیں۔ ہمارے لیے اس میں بڑا سامان عبرت ہے۔ اگر ہم نے اس سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور اس سے عبرت نہ پکڑی تو وہ وقت دور نہیں کہ حاکم بدہن ہمارا بھی عراق جیسا انجام ہو۔ یقیناً امریکہ کا ہمارے ساتھ "سلوک" عراق سے مختلف نہ ہوگا۔ کیونکہ عراق اور افغانستان پر قبضہ جمانے کے بعد اب امریکہ اور اس کے حواریوں کی نگاہیں پاکستان کی ایٹمی طاقت اور اس کے قدرتی وسائل پر لگی ہوئی ہیں۔ اسی لیے اس نے ہمارے پڑوس میں آگ اور بارود کا کھیل شروع کر رکھا ہے۔

عراق کے حالات سے تمام پاکستانی بخوبی واقف ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک نے عراق پر حملے سے پہلے اپنی جارحیت کا جواز ثابت کرنے کے لیے عراق پر درج ذیل الزامات لگائے:

(۱) عراق نے ایٹمی سنٹری فیوجز کے لیے المونیم کی ٹیوب حاصل کیں۔

(۲) نائیجیریا سے خام یورینیم حاصل کی۔

(۳) متحرک اسلحہ کی لیبارٹری کی تلاش کو بہانہ بنایا۔

(۴) القاعدہ کے رہنما عطا محمد نے پراگ میں عراقی خفیہ ایجنسی سے ملاقات کی۔

(۵) بڑے پیمانے پر تباہی مچانے والے ہتھیار بنائے ہیں۔

(۶) جراثیمی ہتھیار تیار کر رکھے ہیں۔

امریکی اور یورپی میڈیا نے ان الزامات کو اتنے تواتر اور تسلسل سے ہوا دی اور اس قدر ڈھنڈورا پیٹا کہ دنیا کی نظروں میں جھوٹ کو سچ ثابت کر دیا اور دنیا کو یقین دلایا کہ اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹر عراق کے ان ذمہ داران کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیں گے اور امن عالم کو متاثر نہیں ہونے دیں گے۔

امریکہ کے وزیر خارجہ اور برطانیہ کے وزیر اعظم نے ان الزامات کو "سچ" ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اپنے پریس اور الیکٹرانک میڈیا کو بے دریغ استعمال کیا جس نے جھوٹ پر ایسا ملمع کیا کہ دنیا کو امریکہ سچا اور عراق جھوٹا لگنے لگا۔ یہاں تک کہ برادر عرب ممالک بھی اس شیطانی پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔

چنانچہ عراق کو تباہ و برباد کرنے کے بعد امریکہ، برطانیہ، اقوام متحدہ اور دنیا کو پتا چلا کہ عراق کے بارے میں یہ معلومات درست نہ تھیں۔ خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ غلط تھی۔

گویا یہ سب کچھ خفیہ ایجنسیوں کی غلط رپورٹنگ کی وجہ سے ہوا ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

کیا ڈھٹائی ہے کہ ہزاروں معصوم انسانوں کا خون بہانے کے بعد اسے ایجنسیوں کی ناکامی قرار دے کر بڑی چابکدستی سے اپنی جان چھڑالی ہے۔

خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

عراق پر جو الزامات لگائے گئے ہیں قریب قریب ایسے ہی الزامات اب ایران اور پاکستان پر لگائے جا رہے ہیں۔ امریکی اور یورپی میڈیا برابر ایران اور پاکستان کے خلاف زہر افشانی کر رہا ہے اور شوشے چھوڑ رہا ہے۔ تین ممالک بھارت، اسرائیل اور پاکستان ایسے ہیں جنہوں نے CTBT پر دستخط نہیں کیے۔ اسرائیل تو امریکہ کا لاڈلا اور بچہ جمورا ہے اس لیے اس کے تمام جرائم سیکورٹی کے نام پر معاف ہیں۔ بھارت نے بھی امریکہ کی بیعت

کر لی ہے۔ ایٹمی دھماکوں کے باوجود اس کے ساتھ سول ایٹمی تعاون کا معاہدہ کیا گیا ہے۔ سو اب سارا زور پاکستان اور اس کی ایٹمی صلاحیت اور قدرتی وسائل پر ہے۔

اسرائیل، بھارت، ہمارا حلیف امریکہ اور یورپی ممالک یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ختم نہیں کی جاتی جو اس کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدانوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان، محسن پاکستان کی سربراہی میں حاصل کی ہے، اس پر کوئی جارحیت نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ پاکستان کا گھیرا تنگ کرنے کے لیے انہوں نے بڑی مکاری سے سازش کا ایک جال تیار کیا ہے جو انہوں نے پاکستان کے اندر اور باہر پھیلا دیا ہے۔ اس سازش کا تانا بانا کچھ اس طرح بنا گیا ہے:

(۱) ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو اس کا نشانہ بنایا ہے اور انہیں اس کا مرکزی کردار قرار دیا ہے۔ امریکہ نے ان پر الزام لگایا ہے کہ ڈاکٹر خان نے ایران اور شمالی کوریا کو ایٹمی راز فروخت کیے ہیں اور اس تجارت سے اپنی ذاتی جیب بھری ہے۔ امریکہ نے ڈاکٹر خان کے خلاف یہ زہریلا پروپیگنڈا اس قدر کیا کہ ڈاکٹر خان کو دنیا کی نظروں میں ولن بنا کر چھوڑا اور انہیں ولن ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔ یہاں تک کہ صدر پرویز مشرف پر دباؤ ڈالا جس نے ڈاکٹر صاحب کو مجبور کیا کہ وہ میڈیا پر آ کر قوم سے معافی مانگیں۔ اس کے بعد ان کی نظر بندی کا حکم صادر ہو گیا۔

اگرچہ پرویز مشرف کے ذریعے ڈاکٹر خان سے معافی منگوائی گئی مگر پاکستانیوں نے اسے سچ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر اپنی صدائے احتجاج بلند کی، ان کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے اور انہیں سی آئی اے کے حوالے کرنے کے کسی بھی حکومتی اقدام کے خلاف مزاحمت کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ قوم کو ڈاکٹر صاحب کی حمایت میں متحرک کرنے میں حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے فقر غیور اور عشق خود آگاہ کے نقیب ماہنامہ ضیائے حرم اور مجید نظامی کے نوائے وقت کے لیڈنگ رول ادا کیا۔

(۲) پاکستان ایک ناکام ریاست ہے، اس کی سلامتی خطرے میں ہے۔ اس کے ایٹمی

اثاثے غیر محفوظ ہیں۔ وہ کسی بھی وقت دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔

(۳) مالی طور پر پاکستان دیوالیہ ہونے والا ہے۔

امریکی اور یورپی میڈیا لگاتار اس پروپیگنڈے میں مصروف ہے اور پاکستان کے خلاف برابر زہر فضا میں چھوڑ رہا ہے۔ سچ اور حقیقت یہ ہے کہ جو بھی پاکستان کے قدرتی، عمرانی اور انسانی وسائل کے بارے جانتا ہے وہ پاکستان کو دنیا کا خوش قسمت اور بہترین ملک قرار دیتا ہے۔

پاکستان معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ زرعی لحاظ سے دنیا کے زرخیز میدان اس خطے میں واقع ہیں۔ آبی ذرائع اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں۔ ان آبی ذرائع سے نہ صرف بنجر زمینوں کو سیراب کیا جا سکتا ہے بلکہ بند باندھ کر اور ڈیم بنا کر ان سے سستی ترین ہائیڈل الیکٹرک پاور پیدا کی جا سکتی ہے۔ بہترین انسانی وسائل ہیں۔ ذہین اور محنتی افراد کی کمی نہیں صرف ان کی تعلیم و تربیت اور ان کو نظم و ضبط میں لانے کی ضرورت ہے۔

(۴) پاکستان میں امن و امان نہیں، بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ اس سے امن عالم کو بھی شدید خطرہ لاحق ہے۔ یہ دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کی آماجگاہ اور محفوظ پناہ گاہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ملک میں جتنی دہشت گردی ہو رہی ہے اور خودکش حملوں کی لہر ہے، اس کے سارے ڈانڈے عالمی سامراجی طاقتوں سے ملتے ہیں۔ امریکہ اس ساری دہشت گردی کا الزام پاکستانی طالبان پر لگاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طالبان پیدا کس نے کیے؟ انہیں کس نے تحریک دی اور منظم کیا؟ سچ یہ ہے کہ یہ سب امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی آئی اے، اسرائیل کی موساد اور بھارت کی را کے ساختہ و پرداختہ ہیں۔ انہوں نے انہیں پیشہ وارانہ تربیت دی، بھاری اسلحہ فراہم کیا۔ سرکاری ملازمین سے زیادہ بڑی بڑی تنخواہوں سے نوازا۔ ان کی لیاقت اور قابلیت سے زیادہ ان کو مال دیا۔ اور ان کے آگے

ڈالروں کے انبار لگا دیے۔ افغانستان میں کئی بار انڈین اسلحہ پکڑا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہاں کتنے ٹریننگ کیمپ بنائے گئے ہیں۔ افغانستان میں بھارت کے 24 قونصل خانے کام کر رہے ہیں جو ضرورت سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان میں ایجنسیوں کے رابطہ کار موجود ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ خاص طور پر بچوں کو ورغلا کر اپنے کیمپوں میں لے جاتے ہیں اور وہاں انہیں زن اور زر کی رنگین دنیا دکھاتے ہیں پھر ہمارے بچے اور نوجوان اس کی چکاچوند کے شکار ہو کر تباہی کی راہ پر نکل پڑتے ہیں اپنی یا معاشرے کی۔

ہمارے اداروں اور پبلک مقامات پر خودکش حملوں کی یہ لہر سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت ہے۔ جی ایچ کیو، پریڈ لین، مناواں جیسے حساس مقامات پر خودکش حملے ان کی اس پروپیگنڈا پالیسی کا حصہ ہے۔ ان حملوں کا مقصد دنیا کو یہ پیغام دینا اور انہیں باور کرانا ہے کہ پاکستان ناکام ریاست ہے یہ اپنی سلامتی کے اداروں کی حفاظت کرنے سے عاجز ہیں، جب جی ایچ کیو جیسے اس کی قومی سلامتی کے ادارے غیر محفوظ ہیں تو اس کے ایٹمی اثاثے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔

یہ زہریلا پروپیگنڈا کر کے گویا یہ ایجنسیاں وہ جواز پیدا کر رہی ہیں جو انہوں نے عراق پر حملہ کرنے سے پہلے پیدا کیا تھا۔ تاکہ پاکستان پر حملہ کی راہ ہموار ہو جائے اور اس پر جارحیت کرنے کا جواز مل جائے۔ عالمی سامراج کا یہ پرانا ہتھیار ہے اور ایک بار پھر وہ اسے آزمانے کے لیے پر تول رہا ہے۔

یہ اب ہماری اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عراق سے سبق سیکھیں اور عبرت حاصل کریں اور ہر ممکن تدبر اور حکمت سے دشمن کو اپنے ملک میں گھسنے اور اپنی پاک زمین پر اسے اپنے ناپاک قدم رکھنے سے روکیں اور سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ صیہونی قوتیں ہماری ایٹمی صلاحیت کو تباہ کر کے ہمیں غیر محفوظ بنانا چاہتی ہیں۔ تاکہ ہمارے معدنی وسائل ان کے ہاتھ لگ جائیں اور ہم ان کے دست نگر ہو جائیں۔ ہمارے قدرتی وسائل پر قبضہ ان کے منصوبے کا حصہ ہے۔ یو۔ کے کا اخبار "ڈیلی

گارڈن'' دسمبر 09ء کی اپنی ایک اشاعت میں بلوچستان کے وسائل کے حوالے سے لکھتا ہے:

''بلوچستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ اس میں قیمتی دھات، کوئلہ اور گیس کے وافر اور وسیع ذخائر ہیں حتی کہ تیل کی دولت بھی بیش بہا موجود ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح ان عالمی سامراجیوں کی پہلے عراق کے تیل پر نظر تھی اور غلط جھوٹے پروپیگنڈے سے اس پر قبضہ کیا، اسی طرح اب ان کی نظر ہمارے ان قدرتی معدنی وسائل اور ذرائع پر ہے۔ وہاں پر قبضہ جما کر ہمیں ان سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان کو اپنی کالونی بنانے کا ادھار کھائے ہوئے ہیں۔ عالمی سامراجی اور صیہونی طاقتوں کے اس مذموم اور ناپاک منصوبے کو ناکام بنانے اور برادر اسلامی ملک عراق جیسی صورت حال سے بچنے کی اب ایک ہی صورت ہے کہ ہم سب کو متحد ہونا پڑے گا، اپنی صفوں میں انتشار ختم کر کے اتفاق پیدا کرنا ہوگا، اپنے ذاتی اختلافات ختم اور گروہی مفادات چھوڑ کر اپنی ملی، قومی اور ملکی سلامتی اور بقا کے لیے یکجا ہوں اور دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ تاکہ ہماری پاک زمین پر پلید دشمن کے پلید قدم نہ پڑیں اور جو کوئی جسارت کرے تو اسے منہ کی کھانی پڑے۔

اس سلسلے میں میری چند تجاویز ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے اندر وہ غیرت، حمیت، جرأت، ہمت، ولولہ اور جذبہ پیدا کر سکتے ہیں جو ہمیں ایسے مکار اور عیار دشمن کے آگے ڈٹ جانے کا حوصلہ عطا کرے گا۔

(۱) نظریہ پاکستان سے وابستگی

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اسے اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ کسی جغرافیائی وجود کا نام نہیں جو کسی حادثاتی اتفاق کا نتیجہ ہو بلکہ ایک طویل اور مسلسل جدوجہد کا ثمر اور حاصل ہے۔ اس کی بنیاد اسلامی نظریہ حیات اور فلسفہ امت پر رکھی گئی ہے یہی نظریہ ہماری بقا، تحفظ اور سلامتی کا ضامن ہے۔ اس

لیے کہ نظریہ ہی کسی قوم کی روح رواں اور قوت محرکہ ہوتا ہے۔ اس سے کسی قوم میں اپنے تحفظ و بقا کے لیے معرکہ آرا ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے ولولہ تازہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ نظریہ ہی تہذیبوں کو جنم دیتا اور انقلاب کی تحریک کرتا ہے۔ نظریے سے وابستگی کے بغیر سرگرم فعال قومی زندگی کا تصور محال ہے۔ یہ ہماری قومی زندگی میں جسم میں روح، پھول میں خوشبو، چراغ میں روشنی اور درخت میں جڑ کی سی اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ اس نظریہ سے کسی کو کسی قسم کا مفر نہیں، نظریہ سے چشم پوشی اور اس کا نعم البدل وجود کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں نہ تو ہماری قیادت کو متذبذب ہونا چاہیے اور نہ ہی قوم کو کسی غلط فہمی کا شکار ہونا چاہیے۔ ہماری شاندار تاریخ گواہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو جو اعلیٰ انسانی حقوق عطا کیے، اس کی دنیا کے کسی مذہب میں مثال نہیں ملتی۔ اسی پیام کو آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام نے کر اٹھے اور اس وقت کی سپر پاورز ایران اور روم کو سرنگوں کر کے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اسلام ہی دین غالب ہے اور انسانیت کے لیے اس کی سلامتی کا ضامن ہے۔

پندرہ سو سال پہلے یہ نظریہ اجڈ اور بدو عربوں کو دنیا کی رہبری اور رہنمائی بخش سکتا ہے تو اب بھی یہ ہم سے دنیا کی امامت کا کام لے سکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس سے خلوص دل کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اس کے آفاقی اصولوں کو دل و جان سے مان لیں نظریہ پاکستان ہمارا پاور انجن ہے۔ ہماری ترقی، خوشحالی اور سلامتی کا دارومدار اسی پر ہے۔

ہمارے ایک پڑوسی ملک روس میں عرصہ پہلے کمیونزم کا نظریہ آیا۔ سب جانتے ہیں کہ یہ نظریہ اپنے ساتھ کیا خوفناک لے کر آیا لیکن اہل روس نے اسی خراب نظریے کو ہی ایسا اپنایا اور اس سے ایسی وابستگی اختیار کی کہ اسے لے کر روس سے اٹھے اور پوری دنیا پر چھا گئے اور اپنا نام کمایا۔

ہم بھلا اپنے سچے نظریے کو اپنا کر اور اس سے وابستگی اختیار کر کے کیوں نہیں دنیا سے اپنا لوہا منوا سکتے۔ ضرور منوا سکتے ہیں اگر صدق دل سے اپنی اصل سے ناطہ جوڑ لیں اور

پورے اخلاص سے اس پر عمل کریں پھر دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

(۲) صبر اور برداشت کا جذبہ

بحیثیت قوم ہم بڑے بے صبرے واقع ہوئے ہیں۔ ہم میں ذرا بھی صبر اور برداشت کا مادہ نہیں۔ جس کی وجہ سے ہم جلد اکتاہٹ اور ملال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہماری ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں تعمیر کی بجائے تخریب پر صرف ہونے لگتی ہیں جس سے فطری طور پر مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں اور ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔

جن لوگوں کو ہم اربوں روپیہ خرچ کر کے اپنا نمائندہ بنا کر اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں اور پانچ سال کے لیے انہیں قیادت سونپتے ہیں تو پھر ہمارا فرض بنتا ہے کہ انہیں آزادی اور فارغ البالی سے ملک کی تعمیر و ترقی اور قوم کی خوشحالی کا کام کرنے دیں۔ اچھا برا وہ جو بھی کریں انہیں کرنے دیں۔ ان کے احتساب کا ایک طریقہ ہونا چاہیے اسی طریقے سے ان کی خبر لینی چاہیے۔ حکومت کے خلاف ہڑتال کرنا، جلوس نکالنا، دھرنا دینا، ریلیاں شروع کر دینا یہ کوئی تعمیری روایت نہیں۔ ہمیں اصولی طور پر انہیں پانچ سال کے لیے برداشت کرنا چاہیے اپنے اندر صبر اور حوصلہ پیدا کریں۔ آئینی اور قانونی طریقے سے ان کی اصلاح کرنی چاہیے ہمارے ہاں یہ روایت چل پڑی ہے کہ ابھی کسی پارٹی کو حکومت سنبھالے ایک دو سال نہیں گزرتے کہ اس کے خلاف دوسری سیاسی پارٹیاں مزاحمت شروع کر دیتی ہیں۔ نتیجۃً ملک میں ترقی کا عمل یکسر رک جاتا ہے اور حکومتی پارٹی کا سارا وقت اپنی کرسی بچانے پر خرچ ہوتا ہے۔ اور مفادات کے اس کھیل میں بے دریغ قومی خزانہ خرچ ہوتا ہے اور ترقیاتی کام اور منصوبے وہیں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں اپنے اندر برداشت پیدا کرنی چاہیے، صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے تاکہ ملک کو ترقی دے کر ہم ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑا ہو سکیں۔

(۳) جمہوریت کا فروغ

ملک میں ہر حال میں جمہوریت کو فروغ دینا چاہیے اور آمریت کی نفی ہونی چاہیے۔ آمریت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دینا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ ملک کو ترقی اور خوشحالی جمہوریت کے دور میں ہی نصیب ہوئی جب کہ آمریت کے ہر دور میں ملک کو کسی نہ کسی چرکے اور حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ جنرل ایوب کے دور میں سندھ طاس معاہدہ کے تحت تین دریاؤں سے محروم ہونا پڑا۔ جنرل یحییٰ کے دور میں مشرقی بازو کے جدا ہونے کا صدمہ سہنا پڑا اور جنرل ضیاء الحق کے عہد میں دہشت گردی کے عفریت نے جنم لیا جو اب تک انسانیت کو نگل رہا ہے اس کے بعد جنرل پرویز مشرف کا سیاہ ترین دور آیا۔ امریکہ کی گود میں ایسا بیٹھا کہ غیرت و حمیت کا جنازہ نکال دیا اور ملک کو بارود کی آگ میں جھونک کر تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا اور قومی اداروں کو برباد کر کے رکھ دیا۔

جمہوریت اس لیے بھی پسندیدہ ہے کہ اس کا مزاج اسلام کے مزاج سے لگا کھاتا ہے۔ اسلام ہمیں باہمی رواداری اور قومی معاملات میں باہم ایک دوسرے سے مشاورت کرنے کا درس دیتا ہے۔ ایک دوسرے کی رائے کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

وشاورهم في الامر

"اے میرے رسول! ملی اور قومی معاملات میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کریں"۔

اس سے بہتری اور بہبود کی کئی راہیں کھلتی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس حکم الٰہی کی تعمیل فرماتے اور ہر معاملے میں اپنے صحابہ سے مشاورت کرتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے۔ بعد میں صحابہ نے اس پر سختی سے عمل کیا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقاعدہ مجلس شوریٰ قائم کی اور اس کی رائے اور فیصلے پر عمل کرتے۔

چنانچہ جمہوریت میں بھی سارے قومی اور ملی معاملات اور امور باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں جس سے تعمیر و ترقی کی کئی راہیں کھلتی ہیں۔ جمہوریت بدترین بھی ہو تو وہ ملک

کے لیے بہتری اور خیر کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں بڑے بڑے وہ کام ہو جاتے ہیں جن کا طاقت کے زور پر تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ 1973ء کے متفقہ آئین کا منظور ہونا اور حال ہی میں این ایف سی ایوارڈ کے دیرینہ مسئلے کا حل ہونا اور چاروں صوبوں کا اسے اتفاق رائے سے پاس کرنا جمہوریت ہی کا کرشمہ ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اس وقت ملک میں کس قسم کی اپاہج جمہوریت ہے اگر ان حالات میں یہ معجزہ ہو سکتا ہے اصلی اور حقیقی جمہوریت میں کیا کیا معجزات رونما نہیں ہوں گے۔ ہمیں جمہوریت پسند بننا ہوگا ورنہ مصر، لیبیا اور سعودی عرب کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اوباما کی ماں نے اسے کہا تھا کہ "بیٹا! اگر تم طاقت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ووٹ کا حق استعمال کرو"۔ اور ہاں یہ سچ ہے کہ ہم اپنا ووٹ ڈالنا گوارا نہیں کرتے۔ ووٹ دینے میں ہم بڑے بخیل واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح فطرت کی تعزیریں اپنا کام دکھا جاتی ہیں اور ہم پر نام نہاد حکمران مسلط ہو جاتے ہیں۔ جنہیں انسان بھی کہتے ہوئے شرم سے سر جھک جاتا ہے۔

(۴) انسانی وسائل کی قدر افزائی

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں ہنر اور فن کی قدر نہیں۔ ہم دست ہنر کو تھامنا گوارا نہیں کرتے اس کے فن کو وہ میز نہیں لگاتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو ردعمل کے طور پر وہ ضائع ہو جاتا ہے یا پھر وہ اغیار کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے ہمیں اپنے ان ہیومن ریسورس کی حفاظت بھی کرنا ہوگی اور ان کی قدر افزائی بھی انہیں ان کے تقاضوں کے مطابق موزوں ماحول اور مناسب ذرائع فراہم کرنا ہوں گے تاکہ ہمارے وسائل ضائع نہ ہوں اور ہمارے کسی کام آ سکیں۔

ہمارے ملک میں ایک تو اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی کمی ہے اور جو محنتی اور ذہین ہیں وہ ویسے

ملک سے باہر دوسرے ممالک میں اپنا فن اور مہارت دکھا رہے ہیں۔ ان سے پوچھیں تو وہ یہی گلہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں کام کا ماحول نہیں۔ فن کی قدر نہیں گویا وہ اپنے ملک کے نظام سے نالاں ہیں اور اپنے قائدین کے رویے کے شاکی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہیں موزوں ماحول اور مناسب فضا مہیا کی جائے تو شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اپنے ملک اور دیس کو چھوڑ کر دوسرے ملک کو ترجیح دے۔

ایک ڈاکٹر عبدالقدیر خان باہر سے آ کر اپنے ملک کو پہلی اسلامی ایٹمی طاقت بنا سکتے ہے تو ایسے کئی دردمند، مخلص اور محب وطن نوجوان ملک کو ترقی یافتہ اور خوشحال بنا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بھی جب باہر سے پاکستان آئے تو ہمارے سول بیوروکریسی نے انہیں 17 ویں گریڈ میں بھرتی کیا۔ حالانکہ وہ باہر ایک لیبارٹری میں بطور ماہر کام کر رہے تھے اور بھاری معاوضہ لے رہے تھے۔ یہ ان کی حب الوطنی تھی کہ انہوں نے ان مراعات اور آسائشات پر اپنے وطن کی خدمت کو ترجیح دی اور اپنا مشن مکمل کر کے دم لیا۔

اس وقت تھرڈ قسم کے لوگ ملک کے نظم کی بھاگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کی جگہ اگر محب وطن، مخلص ذہین اور محنتی لوگ لے لیں تو ملک کیوں نہ حقیقی معنوں میں خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

(۵) تعلیمی ترقی

علم کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ یہ ایسی روشن اور واضح حقیقت ہے کہ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ عرصے سے ہمارے نصاب تعلیم پر اغیار کے پہرے ہیں ہمیں اپنے نصاب تعلیم پر نظرثانی کرنا ہوگی۔ ہمیں اپنے تعلیمی اداروں میں اسی نصاب تعلیم کو رائج کرنا ہوگا جو ہمارے نظریے اور فکر کا عکاس اور مظہر ہو۔ جسے پڑھ کر ہم اپنی اصل سے وابستہ رہیں۔ حقیقی ترقی اور خوشحالی کے حصول کے لیے ہمیں اپنے نصاب کو بہتر کرنا ہوگا۔ اپنے تعلیمی اداروں کی تطہیر کرنا ہوگی تاکہ ان میں پروان چڑھنے اور تیار ہونے والی نسل پکی سچی مسلمان اور پاکستانی ہو۔ قابل اور محنتی ہو، زندگی کے کسی میدان میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

ہمارے ملک کے زرخیز خطے میں جوہر قابل کی کوئی کمی نہیں صرف اس کی مناسب تربیت کی ضرورت ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی توجہ دیں اور اپنی ذمہ داری کا احساس کریں تو یہاں کی کودنور جیسے ہیرے ہیں جو کسی بادشاہ کے تاج میں سجنے کے لیے بے قرار ہیں۔

(۲) محبِ وطن لیڈر شپ

یہ قومی المیہ ہے کہ قائداعظم کے بعد ہمیں کوئی مخلص لیڈر نہیں ملا جو ہمارے سفینے کو گرداب سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچاتا۔ حضرت علامہ اقبال نے قائداعظم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

''میری نظر میں اس وقت صرف آپ ہی مسلمانانِ ہند کی قیادت کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک تو آپ کے ضمیر کو خریدا نہیں جا سکتا اور دوسرا آپ کرپٹ ذہن نہیں رکھتے''۔

بدقسمتی سے ملک کی قیادت شروع سے بے ضمیر اور کرپٹ لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے جنہوں نے بے دریغ انداز سے اپنے ضمیر کے سودے کیے اور قومی خزانے کو بے تحاشا لوٹا اور لوٹایا۔ قوم اور فوج شیروں کی ہو اس کا سربراہ گیدڑ ہو، نشیمن شاہینوں کا ہو وہ زاغوں کے تصرف میں ہو تو نقارہ شکست بجنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔

اس لیے بحیثیت قوم ہماری یہ ذمہ داری اور فرض ہے کہ انتخاب کے وقت ہم اپنے قیمتی ووٹ کا صحیح استعمال کریں اور سوچ سمجھ کر محبِ وطن، مخلص، دردمند، پاک نہاد، سرگرم اور فعال قیادت کا چناؤ کریں، اپنا میرِ کارواں اسے بنائیں جو بلند نگاہ، پرسوز جاں اور دلنواز سخن رکھتا ہے۔

نگہ بلند، جاں پرسوز، سخن دلنواز — یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

آخر میں میں حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول آپ کے ہدیہ کرتا ہوں:

''باوقار زندگی کا گوہر آبدار دریوزہ گروں (گداگروں) کی زنبیل (کاسۂ گدائی) میں نہیں ڈالا جاتا۔ اس کی تمنا کرنے والوں کو اس کی پوری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اپنی منزل

مقصود کا عرفان، اس سے دل لگی اور وہاں تک رسائی حاصل کرنے کی پوری یکسوئی سے مسلسل جدوجہد ہی اس درشہوار کی قیمت ہے۔ جو فرد یا قوم یہ قیمت خوشدلی سے ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوتی ہے اس کے تاج میں یہ چمکتا دمکتا موتی جڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن جو افراد اور قومیں اس کی بھیک مانگنا چاہتی ہیں انہیں ہمیشہ مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے''۔

اہل پاکستان کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اپنی بقا، اپنے ملک اور آزادی کی سلامتی کی جنگ ہر قوم خود لڑا کرتی ہے۔ کسی کے سہارے پر زندگی بسر کرنے والی قومیں ہلاکت و بربادی سے نہیں بچ سکتیں۔ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور باوقار زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ان اخلاقی کمزوریوں کو ہمیشہ کے لیے طلاق دے دینی چاہیے تاکہ ہمارے عمل کے چشمے گدلے نہ ہو جائیں''۔(۱)

1۔ ضیائے حرم، مہر لیٹرز، مارچ 1980ء

تصاویر



People mark my word

I will tell my son to
take revenge form
invaders
daughter of Baghdad

دنیا سن لے!

میرا بیٹا حملہ آوروں سے انتقام لے گا

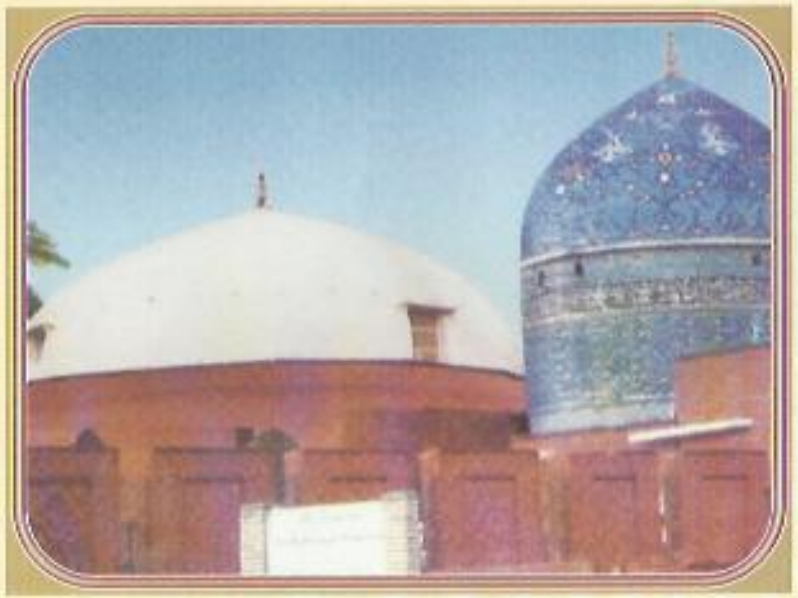
دختر بغداد



ملبہ بنی ایک خوبصورت عمارت اپنی تباہی پر نوحہ کناں بھی ہے اور امن عالم کے ٹھیکیدار سے شکوہ سنج بھی



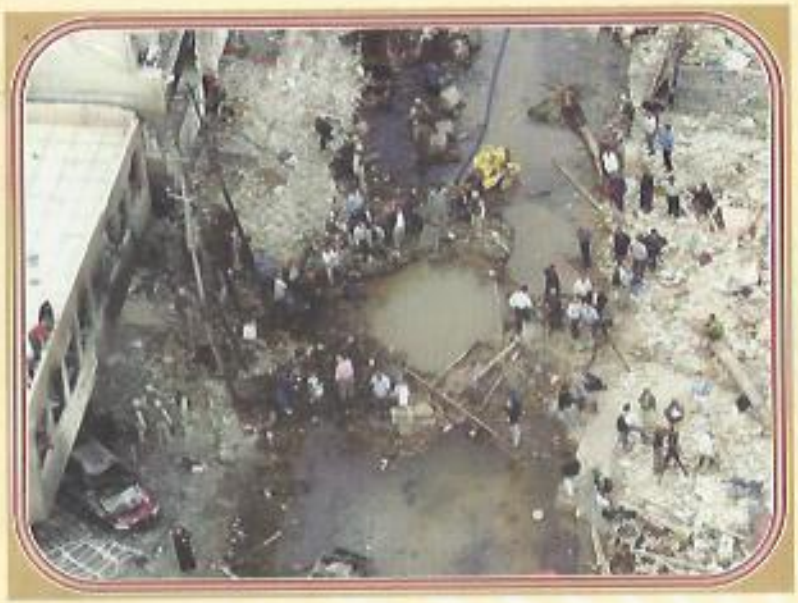
مصنف دجلہ کے پُل پر کھڑے کیمرہ سے دریا کی روانی کو فلمبند کر رہے ہیں



شہنشاہ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ



دریائے دجلہ پر غروب آفتاب کا ایک خوبصورت منظر



بغداد پر حملہ کے بعد اس کی تباہی کا ایک منظر



بغداد کی بربادی کی ایک اور جھلک





ایک معصوم بچہ اپنے گھر کی بربادی کو دیکھ کر دم بخود ہے



امریکی فوجی عراق میں مسلمانوں کو "جمہوریت" کا درس دیتے ہوئے



ایک قیدی کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کا ایک منظر



مدر ٹریسا آرفن ہاؤس کی نگران خواتین یہاں بھی بچوں میں گفٹ پیک تقسیم کیے گئے



امریکی بربریت کا ایک نمونہ



امریکہ کی انسان دوستی کا ثبوت



پیر کرم شاہ الازہری

رحمۃ اللہ علیہ کے لختِ جگر ہیں جو معروف سیرت نگار اور مفسر قرآن تھے۔ آپ 23 جولائی 1955ء کو بھیرہ شریف میں پیدا ہوئے۔

خاندانی روایت کے مطابق تعلیم کا آغاز دربار عالیہ سے متصل مسجد امیر السالکین میں قرآن پاک سے ہوا۔ 1971ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کیا ایف اے اپنے ادارے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے کیا اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اس دوران آپ نے تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

1974ء میں آرمی جائن کی، دو سال کاکول اکیڈمی میں ٹریننگ حاصل کی اور لیفٹیننٹ کمیشن حاصل کیا۔ آپ روس افغانستان جنگ میں شریک رہے اور ورلڈ پاورز کی کشمکش کا بغور مشاہدہ کیا۔ دنیا کے بلند ترین محاذ سیاچین پر بھی اپنی خدمات سرانجام دیں آپ کی شخصیت پر آپ کے والد گرامی کے گہرے اثرات ہیں یہی وجہ ہے کہ آرمی کی سروس کے دوران بھی آپ اپنی خاندانی روایات کے امین رہے۔ ابھی سروس باقی تھی کہ والد گرامی کے حکم سے ملازمت سے سبکدوشی اختیار کر لی اور اپنے ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور میں انگریزی شعبہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ کام میں نظم و ضبط آپ کی خوبی ہے۔ مطالعہ کے شوقین ہیں۔ روشن ذہن رکھتے ہیں۔ آپ نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز میں نئی روایت اور جدت پیدا کی اور اسے وسعت دی۔ ادارہ ضیاء المصنفین کا قیام آپ کی اسی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ حضرت ضیاء الامت کی تصانیف "جمال القرآن، ضیاء القرآن اور ضیاء النبی" کا انگلش میں ترجمہ زیور طباعت سے آراستہ کرایا۔ تصوف پر مشہور کتب انگلش میں شائع کرائیں۔

ساگر پبلشرز کا دیا بھی آپ نے ہی روشن کیا۔ جب ملک میں آمریت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا تو آپ نے **"ہاں میں باغی ہوں، غداروں کا مدینے کے حریت پسندوں کی کہانی، جرنیلوں کی سیاست، کارگل معرکہ یا سانحہ اجرا اور جمہوریت اور سرخ لکیر"** جیسی کتب شائع کر کے عوام میں سیاسی شعور بیدار کیا اور ملکی سیاست کا رخ موڑ دیا۔ جمہوریت کی بحالی کی تحریک میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لرزش نہ آئی۔

کتاب "سلگتا بغداد" آپ کے اندر چھپے ایک منجھے ہوئے ادیب کی نشاندہی کرتی ہے

ساگر پبلشرز

فرسٹ فلور 30 الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ 40 اردو بازار لاہور۔ Ph:042-37230423